حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ

اسلام

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ: مولانا محمد عاشق الٰہی

نذیر سنز پبلشرز ۴۰۔اے اردو بازار لاہور

نام کتاب ـــــــــــ اسلام

مصنف ـــــــــــ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

مترجم ـــــــــــ مولانا عاشق الٰہی

طبع ـــــــــــ معظم پرنٹرز۔ لاہور

قیمت ـــــــــــ ۲۴/- روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز

اعمالِ ظاہری کے دس اصول ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے یاد رکھو کہ تم نماز میں اپنے [illegible] سے ہمکلام ہوتے ہو لہٰذا دیکھ لیا کرو کہ تم نماز کیسی پڑھ رہے ہو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اقامۃ صلوٰۃ یعنی نماز کے قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز اور نماز کے متعلق تمام ضروری امور کی پوری رعایت کرو۔ لہٰذا نماز میں ان تین باتوں کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے۔

اوّل: نماز سے پہلے وضو کی نگہداشت کرو۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وضو میں جس قدر سنتیں اور مستحبات ہیں ان کو بجالاؤ اور ہر عضو کے دھونے کے وقت وہ دعا پڑھو جو اس بارے میں حدیث میں آئی ہے اور اس کے ساتھ ہی کپڑوں کا اور وضو کے پانی کا خیال رکھو کہ دونوں پاک ہوں لیکن اس میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ وسواس تک نوبت پہنچ جائے کیونکہ یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ اور شیطان اکثر عبادت گزار نیک بندوں کے اوقات تشویش دینے میں ضائع [illegible] جاننا چاہیے کہ نمازی کے کپڑوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پھل کے اوپر کا چھلکا اور بدن کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کا چھلکا اور قلب کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کا مغز ظاہر ہے کہ مقصود مغز ہی ہوا کرتا ہے اسی طرح اس ظاہری پاکی سے بھی قلب کا پاک ہونا اور نورانی بنانا مقصود ہے شاید تم کو یہ شبہ ہو کہ کپڑے کے دھونے سے قلب کس طرح پاک ہو سکتا ہے لہٰذا سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے ظاہر اور باطن میں ایک ایسا خاص تعلق رکھا ہے جس کی وجہ سے ظاہری تعلق کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پہنچتا ہے چنانچہ جب چاہے دیکھ لو کہ جب تم وضو

وضو کرنے اور کپڑوں کی طہارت میں احتیاط کی تعلیم ۱۰

کر کے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے قلب میں ایسی صفائی پاتے ہو جو وضو سے پہلے نہ تھی اور ظاہر ہے کہ یہ وضو کا ہی اثر ہے جو بدن سے بڑھ کر دل تک پہنچتا ہے ۔

دوم :- نماز کے جملہ ارکان خواہ سنتیں ہوں یا مستحبات اور ذکر ہو یا تسبیح سب کو اپنے قاعدے سے ادا کرو اور یاد رکھو کہ جس طرح بدن کی ظاہری طہارت نے قلب کی باطنی صفائی میں اثر دکھایا تھا اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ نماز کے ارکان کا اثر قلب میں ہوتا ہے اور نورانیت پیدا کرتا ہے اور جس طرح مریض کو دوا پینے سے ضرور نفع ہوتا ہے اگرچہ وہ دوا کے اجزا کی تاثیر دل سے واقف نہ ہو اسی طرح تم کو نماز کے ارکان ادا کرنے سے ضرور نفع پہنچے گا اگرچہ تمہیں اس کے اسرار و رموز سے واقفیت نہ ہو ۔

نماز کی روح اور بدن

جاننا چاہیے کہ جاندار مخلوق کی طرح حق تعالےٰ نے نماز کو بھی ایک صورت اور روح مرحمت فرمائی ہے چنانچہ نماز کی روح تو نیت اور قلب ہے اور نماز کا بدن قیام و قعود ہے ۔ رکوع و سجود نماز کا سر اور ہاتھ پاؤں ہیں اور جس قدر اذکار و تسبیحات نماز میں ہیں وہ نماز کے آنکھ، کان وغیرہ ہیں ۔ اذکار و تسبیحات کے معنی کو سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانوں کی قوتِ سماعت وغیرہ ہے ۔ اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ و روغن کا درست ہونا ہے الغرض اس طرح نماز کے اجزاء اور ارکان کو بحضور قلب پورا کرنے سے نماز کی ایک حسین و جمیل صورت پیدا ہو جاتی ہے نماز میں جو تقرب نمازی کو حق تعالےٰ سے حاصل ہوتا ہے اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کوئی خدمت گار اپنے بادشاہ کی خدمت میں کوئی خوبصورت کنیز ہدیۃً پیش کرے اور اس وقت اس کو بادشاہ سے تقرب حاصل ہو پس اگر تمہاری نماز میں خلوص نہیں ہے تو گویا تم ایک مردہ اور بے جان کنیز بادشاہ کی نذر کر رہے ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ایسی گستاخی و بے باکی ہے کہ ایسے گستاخ شخص کو اگر قتل

کر دیا جائے تو عجب نہیں، اگر نماز میں رکوع و سجدہ نہیں ہے تو گویا تم ایک لنگڑی لولی اور اپاہج لونڈی نذر کر رہے ہو اور اگر اس میں ذکر و تسبیح نہیں ہے تو گویا لونڈی کے آنکھ کان نہیں ہیں۔ اور اگر سب کچھ موجود ہے مگر ذکر و تسبیح کے معنی نہیں سمجھے اور نہ دل متوجہ ہوا تو ایسا ہے جیسے کہ اعضا تو سب موجود ہیں لیکن ان میں حس و حرکت بالکل نہیں یعنی حلقۂ چشم تو موجود ہے مگر بینائی نہیں ہے اور کان موجود ہیں مگر بہری ہے کہ سنائی نہیں دیتا۔ ہاتھ پاؤں ہیں مگر شل اور بے حس ہیں اب تم سمجھ سکتے ہو کہ ایک کوئی اندھی بہری کنیز شاہی نذرانہ میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

شاید تمہیں یہ شبہ ہو کہ جب نماز کے فرض اور واجب ادا کر دیئے جاتے ہیں تو علمائے شریعت اس نماز کے صحیح ہو جانے کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ خواہ معنے سمجھے ہوں یا نہ سمجھے ہوں اور جب نماز صحیح ہو گئی تو جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ معنی کا سمجھنا نماز میں ضروری نہیں ہے لہٰذا سمجھ لو کہ علماء کی مثال طبیب کی سی ہے پس اگر کوئی لونڈی اپاہج اور کیسی ہی عیب دار کیوں نہ ہو اگر اس میں روح موجود ہے تو طبیب اس کو دیکھ کر یہی کہے گا کہ یہ زندہ ہے مردہ نہیں ہے اسی طرح نماز کی روح اور اعضائے رئیسہ کے موجود ہونے سے علماء فتویٰ دے دیں گے کہ نماز صحیح ہے اور فاسد نہیں ہے ایسی صورت میں طبیب نے اور عالم نے اپنے منصب کے موافق جو کچھ کہا وہ صحیح کہا ہے۔ مگر نماز تو شاہی نذرانہ اور سلطانی تقرب حاصل ہونے کی حالت ہے اور اتنا تم خود سمجھ سکتے ہو کہ عیب دار کنیز اگرچہ زندہ ہے مگر سلطانی نذرانہ میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ ایسی کنیز کا تحفہ بھیجنا گستاخی ہے اور شاہی عتاب کا موجب ہے اسی طرح اگر ناقص نماز کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب چاہو گے تو عجب نہیں کہ پھٹے کپڑوں کی طرح لوٹا دی جائے اور تمہارے منہ پر پھینک ماری جائے[1]

---

[1] یہ مضمون طبرانی کی روایت کا ہے۔

نماز سے مقصود چونکہ حق تعالیٰ کی تعظیم ہے لہذا نماز کے سنن اور مستحبات و آداب میں جس قدر بھی کمی ہوگی اسی قدر احترام و تعظیم میں کوتاہی سمجھی جائے گی

سوم: ۔ نماز کی روح کا زیادہ خیال رکھو یعنی نماز میں شروع سے آخر تک اخلاص اور حضور قلب قائم رکھو یعنی نماز میں شروع سے آخر تک جو کام اعضا سے کرتے ہو ان کا اثر دل میں بھی پیدا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رکوع میں بدن جھکے تو دل بھی عاجزی کے ساتھ جھک جانا چاہیے اور جب زبان اللہ اکبر کہے تو دل میں بھی یہی ہو کہ بے شک اللہ سے بڑی کوئی شے نہیں ہے اور جب الحمد پڑھو تو قلب بھی اللہ کی نعمتوں کے شکریہ سے لبریز ہو اور جس وقت زبان سے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؎ نکلے تو دل بھی اپنے ضعیف و ذلیل اور محتاج ہونے کا اقرار کرے یعنی قلب میں بھی یہی ہو کہ بیشک بجز خدا کے کسی چیز کا نہ مجھے اختیار ہے نہ کسی دوسرے کو، غرض تمام اذکار و تسبیحات اور جملہ ارکان و حالات میں ظاہر و باطن یکساں اور ایک دوسرے کے موافق ہونا چاہیے، اور جان لو کہ نامۂ اعمال میں نماز وہی لکھی جاتی ہے جو سوچ سمجھ کر پڑھی گئی ہو بس جتنا حصہ بغیر سمجھے ادا ہوگا وہ درج نہ ہوگا ہاں یہ ضرور ہے کہ تم کو شروع شروع میں پوری طرح حضور قلب قائم رکھنے میں بہت دشواری معلوم ہوگی لیکن اگر عادت ڈالو گے تو رفتہ رفتہ ضرور عادت ہو جائے گی اس لئے اس کی طرف توجہ کرو اور اس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ مثلاً اگر تمہیں چار فرض پڑھنے ہوں تو دیکھو کہ اس میں تم کو کس قدر حضور قلب حاصل ہوا؟ فرض کرو کہ ساری نماز میں دو رکعت کے برابر تو دل کو توجہ رہی اور دو رکعت کے برابر غفلت رہی تو ان دو رکعتوں کو نماز میں شمار ہی نہ کرو اور اتنی نفلیں پڑھو کہ جن میں دو رکعت کے برابر حضور قلب حاصل ہو جائے غرض جتنی غفلت زیادہ ہو اسی قدر نفلوں میں

نماز کی روح اور اعضا

حضور قلب حاصل کرنے کا طریقہ

؎ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں

زیادتی کرو حتیٰ کہ اگر دس نفلوں میں چار فرض رکعتوں کا حضور قلب پورا ہو جائے تو امید کرو کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فرائض کا نقصان ان نفلوں سے پورا فرما دے گا اور اس کی کمی کا تدارک[1] نوافل سے منظور فرمائے گا۔

زکوٰۃ و صدقہ خیرات

حق تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جس میں سات بالیں ہوں کہ ہر بال میں سو دانے ہوں حضرت[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنہوں نے اپنا مال دونوں ہاتھ بھر بھر کر راہ خدا میں لٹایا ہے وہی ہلاکت سے نجات پائیں گے، صدقات و خیرات میں چونکہ مخلوق کی ضرورتیں اور محتاجوں کے فاقے رفع ہوتے ہیں اس لئے یہ بھی دین کا ایک ستون ہے۔ اور اس میں یہ حکمت ہے کہ چونکہ مخلوق کو اللہ سے محبت رکھنے کا حکم ہے اور مسلمان بندے اللہ کی محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کو اپنی محبت کا معیار اور آزمائش کی کسوٹی بنا دیا ہے تاکہ ایمان کے دعوے کرنے والوں کا جھوٹ سچ کھل جائے، عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے اس محبوب کے نام پر جس کی محبت دل میں زیادہ ہوتی ہے اپنی تمام مرغوب اور عزیز چیزیں لٹا دیا کرتا ہے پس مال جیسی عزیز شئے کا حق تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنا اللہ کے ساتھ محبت کے زیادہ ہونے کی علامت ہے اور بخل کرنا اللہ کے ساتھ محبت نہ ہونے کی دلیل ہے صدقہ و خیرات دینے والے مسلمان تین طرح کے ہیں

---

[1] مضمون حاکم نے روایت کیا ہے۔ [2] مضمون مسلم و بخاری

خیرات کا اعلیٰ درجہ

ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے جو کچھ بھی پایا سب راہ خدا میں دے دیا اور خدا کے
محبت کرنے کا دعویٰ سچ کر دکھایا مثلاً حضرت صدیق[1] عتیق رضی اللہ عنہ کہ جو کچھ بھی ان کے
گھر میں تھا انہوں نے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لا رکھا اور جب آنحضرتؐ
نے پوچھا کہ اے ابوبکرؓ اپنے لئے کیا رکھا تو عرض کیا "اللہ اور اللہ کا رسول" اس موقعہ پر حضرت
فاروقؓ بھی بغرض خیرات مال لائے تھے اور ان سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال
کیا تھا۔ کہ اے عمر تم نے اپنے لئے کیا رکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ جس قدر لایا ہوں اسی قدر
چھوڑ آیا ہوں" اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں کے مرتبے کا
تم دونوں کے جواب سے ظاہر ہے۔

خیرات کا متوسط درجہ

دوسرے درجہ میں وہ متوسط لوگ ہیں جو سارا مال تو خدا کے نام پر نہیں لٹاتے مگر اس کے
ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرتے بلکہ محتاج بندوں کی حاجتیں ظاہر
ہونے کے منتظر رہتے ہیں اور جس وقت خرچ کا کوئی موقع پاتے ہیں یا کسی کو محتاج دیکھتے ہیں
تو بے دریغ مال خرچ کر ڈالتے ہیں یہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ یعنی مقدار فرض پر ہی اکتفا نہیں کرتے
بلکہ سارے مال کو خدا ہی کے لئے خرچ کرنے کی نیت رکھتے ہیں کیونکہ مال پاس رکھنے سے ان
کی غرض اس کو راہ خدا ہی میں خرچ کرنے کی ہوتی ہے البتہ موقع اور محل کا انتظار رہتا ہے۔

خیرات کا ادنیٰ درجہ

تیسرے درجہ میں وہ کمزور مسلمان ہیں جو زکوٰۃ واجبہ ہی کے ادا ہونے کو غنیمت سمجھتے
ہیں کہ وہ اگر اس سے زیادہ خیرات نہیں کرتے تو مقدار واجب میں حبہ برابر کمی بھی نہیں کرتے
ان تینوں گروہوں کے مرتبوں کا فرق اور حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کی مقدار ان کے خرچ کی حالت
سے خود ہی سمجھ لو بس اگر تم پہلے اور دوسرے درجہ تک نہ پہنچ سکو تو کم سے کم تیسرے درجہ سے

---

[1] سچا، آزاد کیا ہوا دونوں حضرت ابوبکرؓ کے لقب ہیں

بڑھ کر متوسط لوگوں کے ادنےٰ درجہ تک تو پہنچنے کی کوشش ضرور کرو کہ مقدار واجب کے علاوہ روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ کر دیا کرو اگرچہ روٹی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اگر ایسا کرو گے تو بخیلوں کے طبقہ سے اوپر چڑھ جاؤ گے اور اگر تم مفلس و تہی دست ہو تو یہ نہ سمجھو کہ صدقہ صرف مال ہی پر منحصر ہے اور ہم اس سے معذور ہیں نہیں بلکہ اپنی عزت و جاہ آرام و آسائش قول و فعل غرض جس پر بھی تم کو قدرت ہو اس کو اللہ کے نام پر خرچ کرو مثلاً بیمار کا پوچھنا جنازہ کے ساتھ جانا اور حاجت کے وقت محتاج کی امداد کر دینا یا مثلاً کسی مزدور کا بوجھ بٹا لینا۔ یا سہارا لگا دینا یا سعی و سفارش سے کسی کا کام نکلوا دینا اور نیک بات کہنا یعنی ہمت بندھانا ڈھارس دلانا وغیرہ یہ سب امور[1] صدقہ ہی میں شمار ہوتے ہیں اور ایسے صدقات ہیں جن کے لئے مالدار ہونے کی ضرورت نہیں ہے زکوٰۃ و صدقات میں پانچ باتوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔

مفلس مسلمان کی خیرات

اوّل: جو کچھ بھی دیا کرو وہ لوگوں سے چھپا کر دیا کرو۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ چھپا کر خیرات دینا پروردگار کے غصہ کو بجھاتا ہے اور جو مسلمان اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح خیرات کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو تو حشر کے روز وہ ان سات بندوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا جن پر حق تعالیٰ قیامت کے دن سایہ فرمائے گا جب کہ اس کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔ اس میں حکمت ہے کہ صدقہ سے مقصود بخل کی بری خصلت کا دور کرنا ہے مگر چونکہ اس میں ریا کے خطرناک مرض کا اندیشہ ہے اس لئے چھپا کر دینے کے سبب ریا سے نجات مل جائے گی کیونکہ مسلمان جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو ریا سانپ کی شکل اور بخل بچھو کی شکل بن کر اس کو تکلیف پہنچاتا ہے پس جس نے خیرات کرنے سے جی چرایا اور بخل اختیار کیا تو اس نے اپنی قبر کاٹنے کے لئے بچھو بھیج دیئے اور

صدقہ کو چھپانے کی فضیلت

[1] بخاری و مسلم کی حدیثوں میں

اگر کسی نے خیرات تو کی مگر دکھاوے اور نمود کی غرض سے کی ہے تو بچھو کو گویا سانپ کی غذا بنا دیا اس صورت میں بچھو سے تو نجات ہو گئی مگر سانپ کی زہریلی قوت اور زیادہ ہو گئی کیونکہ بخل کا منشا پورا ہوا تو بچھو کا زور بڑھے گا اور ریا کا منشا پورا ہوا تو سانپ کا زور زیادہ ہو گا۔

احسان جتانے کا امتحان

دوم: جس شخص کو خیرات دیا کرو اس پر احسان نہ سمجھو اور اس کی شناخت یہ ہے کہ مثلاً تم نے کسی محتاج کو خیرات کے طور پر کچھ دیا اور اس سے شکر گزاری کی توقع رکھی یا مثلاً وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی سے پیش آیا یا تمہارے دشمن کے ساتھ محبت کرنے لگا تو تم کو اس قدر ناگوار گزرا کہ اگر صدقہ دینے سے پہلے یہی صورت پیش آتی تو یقیناً اتنا ناگوار نہ گزرتا تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ تم نے اس محتاج پر اپنا احسان سمجھا اسی لئے اس کی بدسلوکی پر اتنا طیش آیا لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ تم اس محتاج کو اپنا محسن سمجھو کہ جس نے تم سے صدقہ کا مال لے کر تم کو حق خداوندی سے سبکدوش کر دیا اور تمہارے مرض بخل کا طبیب بن گیا کیونکہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ و خیرات سے مقصود بخل کا دور کرنا ہے۔ پس مال زکوٰۃ گویا بخل کا دھوون ہوا یہی وجہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ و صدقہ کا مال اپنے خرچ میں نہ لاتے اور فرمایا[1] کرتے تھے کہ یہ مال کا میل ہے تو جس مسلمان نے تمہارے مال کا میل لے کر تمہیں اور تمہارے مال کو پاک و صاف بنا دیا بھلا تمہیں بتاؤ کہ اس کا تم پر احسان ہوا یا تمہارا اس پر احسان ہوا بھلا اگر کوئی جرّاح مفت فصد کھول کر تمہارا وہ ناقص خون نکال دے جو تمہاری دنیوی زندگی کیلئے مضر ہے تو کیا تم اس کو اپنا محسن نہیں سمجھتے؟ اسی طرح جو شخص دل سے بخل کے فاسد مادہ کو جس کے ضرر کا حیاتِ اخروی میں اندیشہ ہے بلا کسی معاوضہ کے نکال دے تو اس کو بدرجۂ اول اپنا محسن و خیرخواہ سمجھنا چاہیئے۔

احسان جتانے کے مرض کا علاج

---

[1] مسلم ۱۲

سوم :- تیسری بات یہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ مال خیرات کرو کیونکہ جو چیز ناپسند ہو اس کو اللہ کے نام پر دینا کیسے مناسب ہو سکتا ہے تم سن چکے ہو کہ اس سے مقصد تو محبت خداوندی کے دعویٰ کا امتحان ہے پس جیسی بُری یا بھلی چیز اللہ تعالیٰ کے نام پر خیرات کرو گے اس سے خود معلوم ہو جائے گا کہ تمہیں اللہ کے ساتھ کس قدر محبت ہے۔

چہارم :- چوتھی بات یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ دینا ہو ہشاش بشاش اور خندہ رو ہو کر دیا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک درہم لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ ایک درہم جو نیک نیتی اور خوشی کے ساتھ دیا گیا ہے وہ ان لاکھ درہموں سے بڑھا ہوا ہے جو ناگواری کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔

پنجم :- پانچویں بات یہ ہے کہ صدقہ کے لئے عمداً محل و مصرف تلاش کیا کرو یعنی یا تو کسی پرہیزگار عالم کو دیا کرو تاکہ تمہارا مال کھانے سے اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ پر قدرت و اعانت حاصل ہو یا کسی عیالدار نیک بخت مسلمان کو دو۔ اگر یہ تمام اوصاف ایک شخص میں جمع نہ ہوں تو جس میں ایک وصف بھی پایا جائے وہ بھی تمہارا صدقہ پاک ہو جانے کے لئے کافی ہے البتہ نیک بختی کا لحاظ سب سے مقدم ہے کیونکہ دنیا کا مال و متاع بندوں کے لئے اسی لئے دیا گیا ہے کہ ان کی گذر اوقات ہو سکے اور اس چند روزہ زندگی میں آخرت کا توشہ حاصل ہو جائے تو جو لوگ درحقیقت سفر آخرت کی تیاری میں مشغول ہیں اور اس عالم فانی کو راستہ کا پڑاؤ اور مسافر خانہ سمجھے ہوئے ہیں وہی تمہارے پیسے کے مصرف ہونے چاہئیں دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "پرہیزگاروں کو کھانا کھلایا کرو اور اپنا تبرع و سلوک ایمانداروں ہی کو پہنچایا کرو"۔

روزہ

حدیث[1] میں آیا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے "کہ ہر نیکی کا دس گنا سے سات سو گنا تک ثواب لکھا جاتا ہے مگر روزہ[2] خاص میرا ہے اور میں خود ہی اس کا صلہ دوں گا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر شئے کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادات کا دروازہ روزہ ہوتا ہے روزہ پر اس قدر ثواب دو باتوں کی وجہ سے ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ روزہ کھانے پینے اور مباشرت ترک کرنے کا نام ہے یہ ایک ایسا پوشیدہ کام ہے جس سے حق تعالیٰ کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ جتنی عبادتیں ہیں مثلاً نماز تلاوت، زکوٰۃ، حج وغیرہ یہ سب ایسی عبادتیں ہیں جن سے دوسرے لوگ بھی واقف ہو سکتے ہیں بس روزہ وہی مسلمان رکھے گا جس کو لوگوں میں اپنے عابد و زاہد کہلائے جانے کا شوق اور ریا و نمود کی محبت نہ ہو گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ روزہ سے دشمنِ خدا یعنی شیطان مغلوب ہوتا ہے کیونکہ تمام نفسانی خواہشیں پیٹ بھر کھانے پر ہی اپنا زور دکھاتی ہیں اور شیطان انہی خواہشات کو واسطہ بنا کر مسلمانوں کا شکار کرتا ہے لیکن جب روزہ کی وجہ سے کوئی مسلمان بھوکا رہا اور تمام خواہشیں کمزور پڑ گئیں تو شیطان مجبور اور بے دست و پا ہو جاتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3] ہے کہ "ماہ رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں شیطان پابہ زنجیر ہو جاتا ہے۔ اور ہاتف غیبی پکارتا ہے کہ اے نیکی کے طلب گار و آگے بڑھو اور اے بدکار و باز آؤ

---

[1] ابو یعلی ابن الدنیا حسن ہے [2] بخاری مسلم نسائی [3] یعنی سب سے محبوب ہے یا نظام کے بدلے نہ جلدے گا [4] ابن المبارک مرسل و حسن [5] بخاری مسلم ترمذی ابن ماجہ مسند احمد کی حدیثوں کا خلاصہ ہے [6] بخاری مسلم ترمذی ابن ماجہ کی حدیثوں کا خلاصہ ہے

مقدار کے اعتبار سے روزہ کے درجے

روزہ کی تین قسمیں تو کیفیت کے اعتبار سے ہیں اور تین ہی درجے اس کی مقدار کے اعتبار سے ہیں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر سال صرف رمضان کے فرض روزے رکھے جائیں اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام روزہ رکھتے تھے اسی طرح ایک دن تو روزہ رکھیں اور دوسرے دن نہ رکھیں پھر تیسرے دن رکھیں اور چوتھے دن نہ رکھیں روزمرہ روزہ رکھنے کی بہ نسبت یہ صورت بدرجہا بہتر ہے[1] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھوکا رہنے کی عادت ہو جاتی ہے اور عادت ہو جانے پر قلب میں صفائی و شکستگی اور خواہشات نفسانی میں ضعف و کمزوری محسوس نہ ہوگی حالانکہ روزہ سے یہی مقصود ہے دیکھو مریض جب دوا کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر دوا کچھ بھی نفع نہیں دیتی یہی سبب ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن کھا پیو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس سے بھی اعلیٰ درجہ چاہتا ہوں تو آپ نے جواب دیا کہ اس سے اعلیٰ کوئی درجہ نہیں ہے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی کہ فلاں شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسا روزہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہے[2] متوسط درجہ یہ ہے کہ عمر کا ایک تہائی حصہ روزہ میں صرف ہو جائے لہٰذا مناسب ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ ہر ہفتہ میں دوشنبہ و پنجشنبہ کا روزہ رکھ لیا جائے اس حساب سے سال بھر میں چار ماہ اور چار یوم کے روزے ہو جائیں گے مگر چونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے اور ممکن ہے کہ دونوں عیدین دوشنبہ یا پنجشنبہ کو پڑیں اور ایام تشریق میں سے ایک دن تو ضرور دوشنبہ یا پنجشنبہ کو ہوگا اس لئے چار مہینے اور ایک دن کے روزے ہو جائیں گے اور بارہ مہینے کی تہائی یعنی چار مہینے سے صرف ایک دن زیادہ رہیگا

---

[1] مضمون حدیث بخاری و مسلم ۱۲ [2] بخاری و مسلم ۱۲ - [3] مسلم کچھ فرق سے ۱۲

غور کرنے سے تہائی عمر کا یہ حساب بآسانی سمجھ میں آجائیگا روزوں کا اس مقدار سے کم کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں آسانی بھی ہے اور ثواب بہت زیادہ ہے۔ کیفیت کے اعتبار سے روزہ کی تین قسمیں ہیں

ایک[1] تو عوام کا روزہ ہے کہ صرف روزہ توڑنے والی چیزوں یعنی کھانے پینے اور جماع سے بچتے ہیں اگرچہ اعضائے بدن سے گناہ کئے جائیں سو یہ نام ہی کا روزہ ہے۔

دوسرا[2] درجہ یہ ہے کہ بدن کے کسی عضو سے بھی کوئی کام خلافِ شرع نہ ہو۔ یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے اور آنکھ نامحرم کو بُری نگاہ کے ساتھ دیکھنے سے بچی رہے وغیرہ وغیرہ۔

تیسرا[3] روزہ خاص اللہ کے بندوں کا ہے کہ اعضائے بدن کے ساتھ ان کا دل بھی فکر و وسواس سے محفوظ رہتا ہے اور سوائے ذکرِ الٰہی کے کسی چیز کا بھی ان کے دل میں گذر نہیں ہونے پاتا یہ کمال کا درجہ ہے اور چونکہ اس کا حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے اس لئے کم سے کم اتنا خیال ضرور رکھنا چاہیئے کہ ایسے کھانے پر روزہ افطار کیا جائے جو بلا شبہ حلال اور پاک ہو وہ بھی اتنا نہ کھائیں کہ جس سے معدہ بھاری اور بدن کسمند ہو جائے کہ تہجد کو بھی آنکھ نہ کھلے یعنی ایسا نہ کریں کہ دن کے چھوٹے ہوئے کھانے کی بھی تلافی افطار کے وقت کرنے لگیں کیونکہ ایسا کرنے والوں کو اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا کہ کسل کی وجہ سے نقصان ہو جاتا ہے۔

حج

حق تعالیٰ فرماتا ہے لوگوں پر اللہ کے واسطے حج بیت اللہ فرض ہے جس کسی میں دہاں

تک پہنچنے کی طاقت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صاحب استطاعت مسلمان اگر بغیر حج کئے مر گیا تو اسے اختیار ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر[1]

حج بھی دین کا ایک ستون ہے حج کے اعمال وارکان ظاہری کا بیان چونکہ احیاء العلوم میں ہو چکا ہے لہٰذا اس جگہ حج کے رموز اور آداب بیان کرنے مقصود ہیں پس جاننا چاہیئے کہ آداب حج سات ہیں۔

اوّل:۔ یہ کہ سفر سے پہلے حلال زادِ راہ اور نیک بخت ساتھی تلاش کیا جائے کیونکہ حلال توشہ سے دل میں نور پیدا ہوگا اور صالح رفیق سفر تم کو گناہوں سے روکتا اور نیک کام یاد دلاتا رہے گا۔

دوم:۔ اس سفر میں تجارت کا خیال بالکل نہ رکھو۔ کیونکہ طبیعت کے تجارت کی جانب زیادہ متوجہ ہو جانے سے حرمین شریفین کا ارادہ خالص اور بے لوث نہ رہے گا۔

سوم:۔ راستہ میں کھانے کے اندر وسعت پیدا کرو اور رفقائے سفر اور نوکروں چاکروں اور کرایہ داروں کو خوش رکھو اور کسی کے ساتھ سختی سے بات نہ کرو بلکہ خلق و محبت اور نرم گفتاری سے سفر ختم کرو۔

چہارم:۔ فحش گوئی اور جھگڑے اور فضول بکواس اور دنیا کے معاملات پر بات چیت بالکل ترک کردو اور ضروری حاجتوں سے فارغ ہونے کے بعد اپنی زبان کو تلاوتِ کلام اللہ اور ذکر الٰہی میں مشغول رکھو۔

پنجم:۔ شعذف یا شبری یعنی شان کی سواری پر سوار نہ ہو بلکہ باربرداری کے اونٹ پر بیٹھ جاؤ تاکہ حق تعالیٰ کے دربار میں پراگندہ حال غبار آلودہ اور مسکینوں محتاجوں کی سی ذلیل وخستہ

---

[1] ابن عدی اور ترمذی کچھ فرق سے ۱۲

حالت سے حاضری ہو اس سفر میں بناؤ سنگار اور زیادہ آرام طلبی کا کبھی خیال نہ لاؤ۔

ششم: کبھی کبھی سواری سے اتر کر پیدل بھی ہو لیا کرو کہ اس میں سواری کے مالک کا بھی دل خوش ہو گا اور سواری کو بھی آرام ملے گا اور نیز تمہارے ہاتھ پاؤں بھی حرکت کرنے سے چست و چالاک رہیں گے۔

ہفتم: اس سفر میں جو کچھ بھی خرچ ہو جائے یا جس قسم کا بھی مالی نقصان یا تکلیف یا مصیبت اٹھانی پڑے اس پر خوش دل رہو اور اس کو اپنے حج کے مقبول ہونے کی علامت سمجھو اور اپنے پروردگار سے ثواب کی امید رکھو۔ حج کی عبادت میں رموز و اسرار تو بہت ہیں مگر ہم صرف دو مضمون بیان کرتے ہیں۔

پہلا مضمون یہ ہے کہ حج اس رہبانیت کا بدل ہے۔ جو پہلی امتوں میں رائج تھی حدیث میں آیا ہے کہ امت محمدیہ کی رہبانیت حق تعالیٰ نے حج کی عبادت کو بنا دیا ہے اول بیت عتیق یعنی سب سے پہلے بنے ہوئے مکان کو حق تعالیٰ نے شرف عنایت کیا یعنی اس کو اپنی جانب منسوب فرمایا اور بیت اللہ نام رکھ دیا پھر اس کے گرد و نواح کو حرام گردانا میدان عرفات کو حرم کا صحن بنایا اور اس کا شرف اس طرح فرمایا کہ نہ وہاں شکار کرنا جائز ہے نہ درخت کاٹنا حلال، سو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ مکان سے منزہ ہے اور گھر یا مکان کا محتاج نہیں ہے وہ سب کو محیط ہے اور اسے کوئی جگہ اپنے احاطہ میں نہیں لے سکتی پس اس نے خانہ کعبہ کو جو اپنی جانب منسوب کیا اور اس کے طواف کا لوگوں کو حکم دیا۔ تو اس میں حکمت یہ ہے کہ بندوں کی غلامی کا اظہار اور ان کی بندگی کا امتحان ہو جائے اور فرمانبردار غلام کے لیے اپنے آقا کے دربار میں دور دراز مقامات سے بالقصد زیارت کرنے کے لیے جوق در جوق ایسی حالت میں آئیں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوں غبار آلودہ ہوں شاہی ہیبت و جلال سے سراسیمہ و پریشان حال

ہوں ننگے سر ننگے پاؤں مسکین و محتاج بنے ہوئے ہوں اسی مصلحت سے اس عبادت میں جس قدر بھی اعمال و ارکان مقرر کئے گئے ہیں وہ سب بعید از عقل ہیں تاکہ ایسے اعمال کا ادا کرنا محض حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سمجھ کر ہو اور کوئی طبعی خواہش یا عقلی حکمت کا اتباع اس کا باعث نہ ہو چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بارِ الٰہا ہم اپنی عبودیت و غلامی کا اظہار کرنے کو عبادت حقہ یعنی حج میں حاضر ہیں۔

دوسرا مضمون یہ ہے کہ سفر حج کی وضع بالکل سفر آخرت کی سی ہے اور مقصود یہ ہے کہ حجاج کو اعمال حج ادا کرنے سے مرنے کا وقت اور مرنے کے بعد پیش آنے والے واقعات یاد آجائیں مثلاً شروع سفر میں بال بچوں سے رخصت ہونے وقت سکرات موت کے وقت اہل و عیال سے رخصت ہونے کو یاد کرو اور وطن سے باہر نکلتے وقت دنیا سے جدا ہونے کو اور سواری کے جانوروں پر سوار ہونے وقت جنازہ کی چارپائی پر سوار ہونے کو یاد کرو احرام کا سفید کپڑا پہنتے وقت کفن میں لپٹنے کو یاد کرو اور پھر میقات حج تک پہنچنے میں جنگل و بیابان قطع کرتے وقت اس دشوار گزار گھاٹی کے قطع کرنے کو یاد کرو جو تم کو دنیا سے باہر نکل کر میقاتِ قیامت تک عالمِ برزخ یعنی قبر میں کاٹنی ہیں راستہ میں رہزنوں کے ہول و ہراس کے وقت منکر نکیر کے سوالات اور اس بیکسی میں ہول و ہراس کا خیال کرو جنگلی درندوں سے قبر کے سانپ بچھو کیڑوں مکوڑوں کو یاد کرو۔ اور میدان میں رشتہ داروں اور عزیز و اقارب سے علیحدہ تن تنہا رہ جانے کے وقت قبر کی تنہائی اور وحشت کو یاد کرو اور جس وقت چیخ چیخ کر لبیک اللّٰھُمَّ لبیک پڑھو تو زندہ ہونے اور قبروں سے اٹھنے کے وقت کے اس جواب کو یاد کرو جو تم حق تعالیٰ کی ندا کے وقت میدان حشر میں حاضری کے لئے عرض کروگے غرض اسی طرح ہر عمل میں ایک عبرت اور معاملہ آخرت کی یاد دہانی ہے جس سے ہر شخص جسقدر بھی اس میں قلب کی صفائی اور

دین کی ضروریات کے خیال رکھنے کی وجہ سے استعداد ہوگی آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔

تلاوت قرآن

تلاوت کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کے لئے سب سے بہتر عبادت کلام اللہ کی تلاوت ہے حدیث[1] قدسی میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو کر دعا نہیں مانگ سکا میں اس کو بے مانگے اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو اتنا نہ دوں گا۔ تلاوت قرآن شریف کے ظاہری آداب تین ہیں۔

تلاوت کے آداب ظاہری

اوّل: یہ کہ تلاوت کرتے وقت دل میں بھی کلام اللہ کا احترام رکھے اور چونکہ ظاہر کو باطن تک اثر پہنچانے میں بہت دخل ہے اس لیے جب احترام کی ظاہری صورت پیدا کی جائے گی تو دل میں بھی احترام پیدا ہو جائے گا۔ اور ظاہری احترام کی صورت یہ ہے کہ وضو کر کے نہایت سکون کے ساتھ گردن جھکائے ہوئے قبلہ کی طرف منہ کر کے دوزانو اس طرح بیٹھو جیسے استاد کے سامنے ہیں اور تجوید کے موافق حروف قرآنیہ کو مخارج سے نکالو اور ایک حرف کو دوسرے سے علیحدہ ٹھیر ٹھیر کر تلاوت کرو حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں سورۂ اِنَّآ اَنْزَلْنَا اور القارعۃ یعنی چھوٹی سورتیں سوچ کر تلاوت کروں تو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران فر فر پڑھ جاؤں۔

دوم[2] کبھی کبھی تلاوت کی فضیلت کے انتہائی درجہ کے حاصل کرنے کا شوق بھی کیا کرو کیونکہ تم آخرت کی تجارت کے لیے دنیا میں آئے ہو اس لیے جہاں تک ممکن ہو زیادہ نفع کمانے کی کوشش کر دیں تو تلاوت کلام اللہ سے کسی طرح بھی کیوں نہ ہو خواہ بیٹھے ہو لیٹے ہو باوضو

---

[1] بیہقی حسن لغیرہ ۱۲ [2] ترمذی حسن غریب

ہو یا بے وضو اور خلوت میں ہو یا جلوت میں بہر حال نفع ہی نفع ہے مگر بڑا نفع اس میں ہے کہ شب کے وقت مسجد میں بحالت نماز کلام اللہ پڑھو حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز میں کھڑے ہو کر قرآن شریف پڑھے گا اس کو ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں ملیں گی اب تم خود ہی سوچو کہ سوداگر بن کر زیادہ نفع کی حرص کیوں نہ کی جائے۔

سوئم:۔ تلاوت کی مقدار کا بھی لحاظ رکھو ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ ہر مہینے میں ایک مرتبہ ختم کرو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین دن میں ختم کرو مہینہ بھر میں دس ختم ہوں اور متوسط درجہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ پورا قرآن شریف ختم کر لیا کرو تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح سمجھ نہ سکو گے اور بلا سمجھے پڑھنا گستاخی ہے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جب تلاوت کلام اللہ نافع ہے تو جس قدر بھی تلاوت زیادہ ہو گی اسی قدر ثواب زیادہ ہو گا تمہارا یہ قیاس غلط ہے خدا کے بھید کا سمجھنا انبیاء علیہ السلام کا کام ہے پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ تین دن سے کم میں ختم مستحب نہیں ہے تو تم کو آنحضرتؐ کا اتباع لازم ہے اور اپنی رائے کو دخل دینا کم عقلی اور جہالت ہے چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ دوا بیمار کو نفع دیتی ہے لیکن اگر طبیب کی بتلائی ہوئی مقدار سے زیادہ دو گے تو مریض مرے گا یا اچھا ہو جائے گا؟ اسی طرح نماز حالانکہ عبادتوں میں اصل ہے مگر وہ طلوع و غروب اور استوائے آفتاب کے وقت ناجائز اور صبح و عصر کے فرضوں کے بعد مکروہ ہے جب مرض کے علاج میں جسمانی طبیب کی بات بے چون و چرا مان لی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ روحانی علاج میں روحانی طبیب کی بتلائی ہوئی دوا میں اس کی مقدار کا خیال نہ رکھا جائے اور اس کے بڑھانے میں عقل کو دخل دے کر سوال کیا جائے کہ تین دن سے کم میں ختم کرنا کیوں ناجائز ہے۔ تلاوت کلام اللہ کے باطنی آداب پانچ ہیں۔

تلاوت کے باطنی آداب

اوّل : جس طرح حق تعالیٰ کی عظمت وجلال دل میں ہے اسی طرح دل میں کلام الٰہی کی عظمت کا احساس ہونا چاہیے اس کے کلام کی بھی عظمت ہونی چاہیے مثلاً جب تم گوناگوں مخلوقات یعنی عرش کرسی، لوح وقلم، آسمان وزمین، حیوان وانسان، جنات اور نباتات و جمادات کے پیدا ہونے کا تصور کرو گے تو ضرور خیال ہو گا کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا وحدہٗ لاشریک نہایت زبردست اور ایسا مدبّر ہے کہ اس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں ہے تمام عالم کی بقاء اسی کے فضل وکرم پر موقوف ہے ایسے شاہنشاہ عالیشان کے فرمان واجب الاذعان یعنی قرآنِ مجید کی کیا عظمت ورفعت ہونی چاہیے؟ یاد رکھو کہ جس طرح اس کے الفاظ کو ہاتھ لگانے کے لیے طہارت اور وضو کی ضرورت ہے اسی طرح اس کے معنی دل میں لانے کے لیے قلب کی طہارت اور تمام اخلاق رذیلہ سے پاکی لازم ہے پس جو قلب باطنی گندگی اور نجاست میں آلودہ ہے وہ اس لائق احترام شاہی فرمان کے حقائق کو کیوں کر سمجھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہؓ قرآن شریف کھولتے تو اکثر بیہوش ہو جاتے اور فرمایا کرتے کہ "یہ میرے پروردگار جل جلالہٗ کا کلام ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اس نے اپنے باعظمت کلام ازلی کے انوار وتجلیات کو حروف کے لباس میں چھپا کر تمہارے حوالہ کیا ہے ورنہ ان کی نورانی شعاعوں کا کوئی بشر متحمل نہ ہو سکتا دیکھو کہ طور جیسا پہاڑ بھی کلام الٰہی کی تجلیات کا متحمل نہ ہو سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اگر اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو نہ سنبھال لیتے تو ان میں بھی حرف اور آواز کے لباس سے مجرد کلام الٰہی کے سننے کی طاقت نہ تھی۔

دوم :۔ اگر قرآن شریف کے معنی سمجھ سکتے ہو تو کوئی آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو کیونکہ ترتیل جس کا قرآن شریف میں حکم ہے تدبّر یعنی غور وفکر اور سمجھنے سوچنے سے ہی حاصل ہوتی ہے حضرت

لہ ابن عبدالبر۔

علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس تلاوت سے کیا نفع جس میں سمجھنے سے واسطہ نہ ہو؟" ختم قرآن
کی تعداد بڑھانے کا خیال مت کرو کہ چاہے سمجھو یا نہ سمجھو مگر نام ہو جائے کہ اتنے قرآن شریف ختم
کیے یاد رکھو کہ اگر تم سوچ سمجھ کر ایک ہی آیت رات بھر پڑھے جاؤ گے تو یہ پچاس قرآن ختم کرنے
سے بہتر ہوگا۔ دیکھو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ کو بیس مرتبہ دہرایا ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا اور وہ آیت یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ
فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (یا اللہ اگر تو ان کو
عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو بے شک تو زبردست اور حکمت والا ہے)
حضرت تمیم داری آیت اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ الخ کو تمام شب بار بار
پڑھتے رہے اور سعید بن جبیر نے آیت وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ کو بار بار پڑھنے
میں تمام رات ختم کر دی۔ ایک عارف فرماتے ہیں کہ میں ہر ہفتہ میں ایک ختم پڑھتا ہوں اور
ایک ختم ہر مہینے میں اور ایک ختم ایسا ہے کہ جس کو سال بھر میں ختم کرتا ہوں اور ایک تلاوت
ایسی بھی ہے کہ جس کو تین سال سے شروع کر رکھا ہے اور ابھی تک پورا کلام مجید نہیں ہوا
ظاہر ہے کہ یہ فرق فکر و فہم اور غور و تدبر ہی سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کا دل ہر وقت
یکساں نہیں رہتا اور نہ ہی ہمیشہ مساوی درجہ کے غور و فکر کا عادی ہوتا ہے اس لیے اگر
خصوصیت کے ساتھ ایک ختم علیحدہ طور پر تم بھی ایسا شروع کرو جس میں سوچ سمجھ کر تلاوت

۱؎ ابوذر غفاری کی روایت ۲؎ کیا گناہوں کے مرتکب ہونے والوں کا گمان یہ ہے کہ ہم ان کو نیکو کاروں
کے مساوی کر دیں گے ۱۲۔ ۳؎ اور علیحدہ ہو جاؤ آج اے مجرمو ۱۲ منہ ۴؎ ابن ماجہ ونسائی
ذرا فرق سے ۱۲ ۵؎ ابو عبیدہ فضائل میں ۱۲۔

کی جائے اور صرف اسی وقت پڑھا جائے جب کہ دل فارغ ہونے کی وجہ سے غور و فکر کرسکو اور معنی اچھی طرح سمجھ سکو تو بہت اچھا ہے کیونکہ اس صورت تلاوت کے معمول میں بھی فرق نہ آئے گا اور فضیلت کا یہ درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

سوم:۔ فہم و تدبر کی اس حالت میں جس کا بیان کیا گیا ہے مختلف آیات سے عرفان حاصل کیا جائے معرفت الٰہی کی گوناگوں شاخوں سے پھل اور پھول بھی چنتے رہو کیونکہ ہر پھل کے لئے جدا شاخ اور ہر جوہر کے لئے جدا معدن ہے کہ جہاں موتی پیدا ہوتے ہیں وہاں تریاق کا تلاش کرنا فضول ہے اور جہاں مشک وعود دستیاب ہوتا ہے وہاں موتیوں کی جستجو بے فائدہ ہے اسی طرح قرآن شریف کی آیتوں میں جس قسم کا تذکرہ ہو اسی قسم کا عرفان حاصل کرنا چاہیئے مثلاً جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات یا افعال کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کی معرفت حاصل کرو اور جس جگہ راہِ مستقیم کی تعلیم کا ذکر ہو وہاں رحمت وکرم اور فضل وحکمت کی معرفت حاصل کرو۔ اور جہاں کافر لوگوں کے ہلاک کرنے کا بیان ہو وہاں حق تعالیٰ کی بے نیازی اور غلبہ وقہر کی صفت معلوم کرو اور جن آیتوں میں انبیائے علیہم السلام تذکرے ہوں وہاں سے اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کا علم حاصل کرو غرض جیسا موقعہ ہو ویسا ہی عرفان حاصل کرو۔

چہارم:۔ قرآن کا مطلب سمجھنے سے جو امور مانع ہیں ان کو جہاں تک ہو سکے دفع کرو کیونکہ ضعیف الایمان بندوں کے لئے تو خواہشات نفسانی اور وساوس شیطانی حجاب بن جاتی ہیں ان کے نفوس دنیوی تعلقات سے وابستہ اور ان کے قلوب شبہات و شکوک میں ملوث ہوتے ہیں اور یہی قلب کے وہ پردے ہیں جن کے سبب قرآن مجید کی باریکیاں سمجھ میں نہیں آسکتیں لہٰذا ان پردوں کے اٹھانے کی کوشش ہونی چاہیئے

اور جن لوگوں کا ایمان قوی ہو جاتا ہے کہ خدا کی محبت ان کے قلوب میں پیدا ہونے سے
اُن کو طاعت میں لذّت آنے لگتی ہے ان پر یہی قلبی وسواس اپنا اثر کرتے ہیں مثلاً نماز کی
حالت میں ان کا دل اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ ہماری نیت کیسی ہے اور جو خلوص
شروع نماز کے وقت تھا وہ اب بھی قائم ہے یا نہیں یا مثلاً حروف کے مخارج سے
ادا ہونے میں شبہ پڑتا ہے اور آیت کو اس نیت سے بار بار دہراتے ہیں حالانکہ قلب کے لیے
یہ بھی حجاب ہے کیونکہ حروف اور الفاظ کی درستی کے پیچھے پڑ جانا اور مخارج حروف یعنی دانتوں
ہونٹوں تالو اور حلق کی طرف مشغول ہونا کہ یہ حرف کہاں سے نکلا اور ٹھیک نکلا یا نہیں نکلا ؟
ان کا کام نہیں جن کو عالم علوی کی سیر و سیاحت اور ملکوتی امور کا مشاہدہ کرنا منظور ہے ۔

پنجم :- کلام الٰہی کی آیات صرف تجلیات اور معرفت ہی کے حاصل کرنے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اس کے
ساتھ حالت اور اثر بھی ظاہر ہونا چاہیئے مثلاً اگر ایسی آیت پڑھو جس میں رحمت کا ذکر اور مغفرت
کا وعدہ ہو تو جسم پر خوشی اور مسرت کی حالت پیدا ہو جائے اور غیظ و غضب اور عذابِ الٰہی
کا تذکرہ ہو تو تمہارا بدن لرز اٹھے اور اگر حق تعالیٰ کا نام آئے یا اس کی عظمت و جلال کا ذکر ہو تو
جھک جاؤ اور ذلت اختیار کرو کہ گویا جلال خداوندی کے مشاہدے سے نیست و نابود ہوئے جاتے
ہو اور اگر کافروں کی اس خرافات کا بیان ہو جو انہوں نے حق تعالیٰ پر بہتان باندھے ہیں مثلاً
مخلوق میں سے کسی کو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا یا بیوی بتایا ہے تو اس کی نقل سے بھی شرماؤ اور ایسی
آیت کی تلاوت میں اپنی آواز کو پست کر دو کہ گویا ان کے الفاظ کو اپنی زبان پر لانا بھی گراں گزرتا
ہے غرض جس آیت میں جیسا مضمون ہو اس کے مطابق ایک خاص حالت پیدا ہو اور جسم پر وہی
اثر ظاہر ہو جانا چاہیئے کہ خوف کے وقت آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اور شرم کے وقت پیشانی پر
پسینہ آجائے او ہیبت کے وقت رونگٹے کھڑے ہو جائیں کپکپی چھوٹے اور مژدہ بشارت کے وقت

آواز و زبان اور تمام اعضا میں انبساط و بشاشت پیدا ہو جائے

ذکر الٰہی

حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتا ہے ۔ اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ[1] کا ذکر جہاد اور صدقات و خیرات سے افضل ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے ۔ ذکر الٰہی کے لیے ایک مغز اور تین پوست ہیں اور مغز تو مقصود بالذات ہے مگر پوست اس لیے مقصود اور محبوب ہیں کہ وہ مغز تک پہنچنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔

پہلا پوست صرف زبان سے ذکر کرنا ہے اور دوسرا پوست دل سے ذکر کرنا اور جبراً بتکلف اس کا خوگر ہونا ہے ۔ یاد رکھو کہ دل کو اپنی حالت پر چھوڑنا نہ چاہیئے کیونکہ تفکرات و تخیلات میں پڑنے سے اس کو پریشانی ہوتی ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس کی مرغوب شئے یعنی ذکرِ الٰہی اس کے حوالے کر دی جائے تاکہ اس کو اطمینان حاصل ہو ۔ تیسرا پوست یہ ہے کہ ذکر الٰہی دل میں گھر کرے اور ایسا گڑ جائے کہ اس کا چھڑانا دشوار ہو جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے درجہ میں جس طرح دل کو ذکر کی عادت ڈالنے میں دقت پیش آئی تھی اس درجہ میں دل سے ذکرِ الٰہی کی عادت چھڑانا اس سے زیادہ دشوار ہو گا ۔ چوتھا درجہ جو مغز اور مقصود بالذات ہے وہ یہ ہے کہ دل میں ذکر کا نام و نشان باقی نہ رہے بلکہ مذکور یعنی حق تعالیٰ کی ذات رہ جائے کہ نہ دل کی طرف توجہ رہے نہ ذکر کی جانب التفات اور نہ اپنی خبر ہو نہ کسی دوسری چیز کی ، غرض محض ذاتِ الٰہی میں استغراق ہو جائے اسی حالت کا نام فنا ہے اور اس حالت

---

[1] ابن شاہین بلفظہ

پر پہنچ کر بندہ کو نہ اپنی ظاہری حس و حرکت کا کوئی علم ہوتا ہے اور نہ باطنی عوارض کا یہاں تک کہ اس کو اپنے فنا ہو جانے کا علم بھی باقی نہیں رہتا کیونکہ فنا ہو جانا بھی تو خدا کے علاوہ دوسری ہی چیز ہے اور غیر اللہ کا خیال میل کچیل اور کدورت ہے پس فنا کا علم بھی اس درجہ میں پہنچ کر کدورت اور بعد ہوا یہی وہ حالت ہے جس میں اپنے وجود کے فنا کے ساتھ خود فنائیت ہوتی ہے ایسی محویت سمجھ میں آنی مشکل ہوتی ہے بلکہ یہ ظاہر نا ممکن اور دعویٰ بلا دلیل معلوم ہوگا لیکن اگر تم کسی حسین صورت پر عاشق ہونے یا کسی صادق کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا تو اس حالت کو کبھی دشوار نہ سمجھو گے کیا حسن پرست فریفتہ انسان اپنی محبوبہ کے خیال میں ایسے محو و مستغرق اور بیخود نہیں ہو جاتے کہ بسا اوقات زبان سے کوئی بات کرتے ہیں اور اسے خود بھی نہیں سمجھتے، پاؤں ڈالتے کہیں ہیں اور پڑتے کہیں ہیں ان کے سامنے سے آدمی گزر جاتا ہے حالانکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر وہ ان کو نظر نہیں آتا دوسرا شخص ان سے بات کرتا ہے مگر یہ سنتے ہی نہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیوں بھائی کیا دیکھا اور کیا سنا تو وہ کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے پس معلوم ہوا کہ ان کو ایسی محویت ہو گئی کہ اپنی محویت کا بھی ان کو علم نہیں رہا کہ دیوانہ بن گئے اور ایسے دیوانے بنے کہ اپنی دیوانگی کی بھی خبر نہ رہی مجنوں ہو گئے اور اپنے جنوں کی بھی اطلاع نہیں یہ سب اسی مطلوبہ محبوبہ کے خیال میں مستغرق ہو جانے کا اثر ہے اس مثال کو بھی جانے دیجئے فنا کی فنائیت اس سے بھی آسان طریقے سے سمجھ میں آسکتی ہے دیکھو تم کو اپنی آبرو اور مال کے ساتھ محبت ہے پس اگر خدانخواستہ کسی دشمن کی طرف سے تمہارے مال یا آبرو پر حملہ ہو تو اس کے غصہ اور طیش میں جو کچھ تمہاری حالت ہوگی اس پر غور کرو کہ وہ کیسی بے خودی کی حالت ہے ظاہر ہے کہ غیظ و غضب میں نہ تم کو اپنی خبر رہتی ہے اور نہ دوسرے کی اور تم ایسے بے خود ہو جاتے ہو کہ اس وقت تم کو اپنی بیخودی کا بھی احساس نہیں رہتا

پھر بھلا اگر کوئی بندہ اپنے مولا کے خیال میں ایسا محو ہو جائے کہ خود فنا سے فنا اور بیخود ہو جائے تو کیا تعجب ہے یہ مثالیں ہم نے محض سمجھانے کی غرض سے بیان کی ہیں ورنہ اصل بات تو یہی ہے کہ جس وقت خدا کے فضل سے اس حالت پر پہنچو گے تو فنائیت اور فناء الفنا کی اصل حقیقت اسی وقت معلوم کر سکو گے۔

طلبِ حلال

رزق حلال کی تلاش فرض ہے

جہاں کہیں عبادت کا حکم ہوا ہے اس کے ساتھ ہی اکل حلال کا بھی حکم ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے" پاک چیز کھایا کرو اور نیک کام کرو"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ایمان لانے اور نماز پڑھنے کی فرضیت کے بعد رزق حلال کی تلاش فرض ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم نمازیں پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ اور روزے رکھتے رکھتے تانت کی طرح دبلے بھی ہو جاؤ تو بغیر تقویٰ اختیار کئے اور مال حرام سے بچے بغیر کچھ قبول نہ ہوگا"۔ رزق حرام کھا کر عبادت کرنا ایسا بیکار ہے جیسے گوبر پر مکان تعمیر کرنا یاد رکھو کہ رزق حلال کو قلب کی نورانیت میں بڑا اثر ہے۔ لہٰذا مال حرام سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے تقویٰ کے چار درجے ہیں۔

تقویٰ کے چار درجے

پہلا درجہ: جن چیزوں یا جس مال کے حرام بتانے پر علمائے دین اور فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے ان کا استعمال نہ کرو کیونکہ ان کے استعمال سے آدمی فاسق بن جاتا ہے اور ثقاہت جاتی رہتی ہے یہ تو عام مؤمنین کا تقویٰ ہے۔

دوسرا درجہ صلحا کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرنا کیونکہ علمائے شریعت نے ظاہری حالت دیکھ کر اگرچہ مشتبہ کو حلال کہہ دیا ہے مگر چونکہ اس میں حرمت کا احتمال ہے

اور اسی وجہ سے وہ شئے مشتبہ کہلاتی ہے لہذا صلحاء اس کو بھی استعمال نہیں کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس میں شبہ ہو۔ اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں کچھ بھی شبہ نہ ہو۔

تیسرا درجہ اتقیا کا تقویٰ ہے حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان جب تک خطرہ والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے بے خطرہ چیزوں کو بھی ترک نہ کرے گا اس وقت تک وہ اتقیا کے درجے کو ہرگز نہ پہنچے گا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حرام کے مرتکب ہو جانے کے اندیشہ سے ہم حلال کے بھی دس حصوں میں سے نو حصے ترک کر دیتے ہیں "۔ اسی بناء پر اللہ کے پرہیزگار بندے جب سو روپیہ کے مستحق ہوتے ہیں تو ایک کم لیتے ہیں اور جس وقت دوسرے کا حق دیتے ہیں تو ایک حبہ زیادہ دیتے ہیں اور جب اپنا حق لیتے ہیں تو ایک حبہ کم لیتے ہیں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا ذکر ہے کہ بیت المال کا مشک ان کے پاس آتا تو اپنی ناک بند کر لیتے اور فرمایا کرتے کہ اس کی خوشبو سونگھنا بھی تو اس کا استعمال کرنا ہی ہے لہذا میں بیت المال کے مشک کی خوشبو سونگھنا نہیں چاہتا کھانے کی مزہ دار حلال چیزوں اور جائز زینت اور آراستگی سے پرہیز کرنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ زبان کو مزہ لگنا اچھا نہیں ہے کیونکہ آج حلال کا مزہ پڑا ہے تو کل حرام کی لذت حاصل کرنے کا شوق ہو جائے گا۔ قرآن شریف میں کافروں کی کثرت مال ومتاع اور دنیا داروں کے جاہ وحشم کی جانب نظر کرنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ بھی اسی لئے آئی ہے کہ اس چمک دمک سے ایمان کی شیرینی کم ہو جائے گی اس لئے کہ دنیا کے مال ومتاع کی رغبت اور محبت سے دل میں ایمان کی محبت نہیں رہا کرتی ایک بزرگ کا قول ہے کہ جس کا کپڑا پتلا اس کا ایمان بھی پتلا غرض اتقیاء کے نزدیک وہی مال حلال اور قابل استعمال ہے جس میں نہ بالفعل کسی

قسم کا شبہ ہو اور نہ آئندہ کسی آفت کا خطرہ یا احتمال ہو۔

چوتھا درجہ صدیقین کا تقویٰ ہے یعنی جس چیز کے کھانے سے عبادت اور طاعت پر قوت حاصل نہ ہو اس سے پرہیز کرنا مثلاً ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے دوا پی تو ان کی بیوی نے کہا کہ چند قدم ٹہل لیجئے انہوں نے جواب دیا کہ فضول و عبث حرکت جائز نہیں ہے۔ میں اپنے نفس سے تمام حرکات و سکنات کا محاسبہ کیا کرتا ہوں بھلا اس چہل قدمی کو کس حساب میں شمار کروں گا اسی طرح جس شئے کے اپنے نفس تک پہنچنے کے وسائل میں سے کسی ایک سبب کے اندر بھی کچھ معصیت خداوندی کو دخل ہو اس سے بھی پرہیز کرنا اس درجہ میں ضروری ہے حضرت ذوالنون مصری ایک مرتبہ جیل خانے میں قید تھے کسی نیک بخت عورت نے ان کو بھوکا پاکر اپنی حلال معاش میں سے کچھ کھانا پکایا اور قید خانے کے داروغہ کے ہاتھ ان تک پہنچایا مگر شیخ نے قبول نہ کیا اور یہ کہہ کر اس کو واپس کر دیا کہ کھانا اگرچہ حلال ہے لیکن طباق نجس ہے طباق سے مراد قید خانے کے داروغہ کا ہاتھ ہے کہ وہ ظالم ہے اور ظالم کا ہاتھ پڑنے کی وجہ سے کھانا اس قابل نہ رہا کہ میں اس کو کھاؤں حضرت بشر حافی ان نہروں کی ان نہروں کا پانی بھی نہ پیتے تھے جن کو غیر محتاط اور ظلم پسند بادشاہوں نے کھدوایا تھا ایک بزرگ کا غلام کسی فاسق شخص کے گھر سے چراغ روشن کرلایا تو انہوں نے بجھا دیا اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کا نافرمان بندہ کے چراغ سے روشن کئے ہوئے چراغ کی روشنی نفع اٹھانے کے لائق نہیں ہے غرض قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْهُمْ کے پورے عامل صرف یہی لوگ تھے کہ " کہو اللہ اس کے بعد سب کو چھوڑ دو۔ انہوں نے کبھی ایسی چیز کا استعمال نہیں کیا جو اللہ واسطے نہ تھی یہ درجہ حاصل کرنا چونکہ آسان نہیں ہے اس لئے صرف ثقہ مسلمانوں کا تقویٰ تو ضرور حاصل کرو۔ کہ ان چیزوں کے پاس نہ پھٹکو جن کی حرمت پر علمائے دین کا فتوےٰ ہے اور اس کے ساتھ

دو باتوں کا اور بھی خیال رکھو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض فقہانے مسائل شرعیہ کے متعلق جو حیلے بیان کئے ہیں ان کی جانب التفات نہ کرو مثلاً یہ حیلہ کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنا تمام مال اپنی بیوی کے نام اور بیوی کا سارا مال اپنے نام منتقل کر لیا کہ چونکہ مملوکہ مال سال بھر اپنی ملک میں نہیں رہا اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی اس قسم کا حیلہ کبھی مت اختیار کرنا بات یہ ہے کہ فقہائے شریعت کا کام چونکہ دنیوی انتظام و سیاست ہے اس لئے اس حیلہ کی صورت میں زکوٰۃ ساقط ہونے کا فتویٰ دینے سے ان کی مراد یہ ہے کہ منتظم اور حاکمِ وقت سلطان اسی مسلمان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرے گا جس کا مال پورے سال بھر تک اس کے قبضۂ مالکانہ میں دیکھے گا اور اس حیلہ کرنے والے متمول مسلمان کے پاس سلطانی محصّل تحصیل زکوٰۃ کے لئے نہیں آئے گا۔ کیونکہ جتنی بات بندوں کے دیکھنے کے متعلق تھی یعنی مالکانہ قبضہ وہ ختم سال سے قبل بیوی کے نام منتقل ہو جانے کی وجہ سے جاتا رہا مگر تم کو چونکہ معاملہ اپنے پروردگار سے رکھنا ہے۔ اور وہ دلوں کے حالات سے واقف ہے اس لئے یہ مکر و فریب آخرت میں کام نہ آئے گا تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ سے مقصود بخل کی عادت کو دور کرنا ہے اور جب زکوٰۃ تک سے بچنے کے حیلے کرنے لگو گے تو بخل کہاں دور ہوا بلکہ بخل کو تو سر چڑھا کر اپنا امام اور پیشوا بنا لیا کیونکہ اس کا یہاں تک کہنا مانا کہ اس بخل کو نجات دہندہ اور خدا کے سامنے سرخرو کر دینے والا سمجھ بیٹھے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو مصلحت اس میں رکھی تھی اس کی جانب توجہ بھی نہیں کی۔ اور برعکس معاملہ کیا کہ بخل کو دور کرنے کی جگہ اس میں ترقی کی یا مثلاً مسلمان اپنی بیوی کو اس غرض سے تکلیف میں رکھتے ہیں کہ وہ تنگ آکر اپنا مہر معاف کر دے اور جب وہ بیچاری مصیبت سے گھبرا کر زبان سے معاف کرنے کا لفظ نکال دیتی ہے

(حاشیہ:) [illegible]

تو مطمئن ہو جاتے اور اس کو حلال سمجھتے ہیں بھلا ایسا مال شوہر کو کیونکر حلال ہو سکتا ہے حق تعالیٰ نے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ الخ میں خود فرمایا ہے کہ ہاں وہ مہر جو عورتیں برضائے نفس معاف کر دیں تمہارے لئے حلال ہے اب تم ہی بتاؤ کہ جس مہر کی معافی بڑے برتاؤ اور ایذا رسانی سے ہوئی ہو کیا وہ بخوشی خاطر سمجھی جائے گی یاد رکھو کہ رضائے قلب دوسری شے ہے اور رضائے نفس دوسری چیز ہے مثلاً پچھنے لگوانے، تلخ دوا پینی، فصد کھلوانی، پھوڑے پھنسی میں شگاف لگوانا یہ سب تکلیفیں ایسی ہیں کہ ان کو قلب تو پسند کرتا ہے مگر نفس پسند نہیں کرتا اس لئے کہ نفس تو اسی بات کو پسند کرتا ہے جس میں اس وقت لذت حاصل ہو البتہ قلب اس چیز کو پسند کرتا ہے جس میں اس وقت اگرچہ تکلیف ہو مگر آئندہ نفع کی امید ہو کیونکہ نفس کا یہ کام نہیں ہے کہ بعد میں آنے والی راحت کے خیال سے اس وقت تکلیف گوارہ کرے پس اگر بیوی نے تکلیف سے تنگ آکر اور خاوند کی ایذاؤں سے گھبرا کر اپنی آئندہ مصلحت اور باقی ماندہ عمر کی آسائش کے خیال سے دوائے تلخ پی لی یعنی دین مہر کی معافی گوارہ بھی کر لی تو اس کا نام رضائے قلب ہوا نہ کہ رضائے نفس اور دین مہر کے حلال ہونے میں اعتبار رضائے نفس کا ہے جیسا کہ اوپر کی آیت سے معلوم ہوا نہ کہ رضائے قلب کا پس اگر اس رضا کے حیلہ سے حکومت و سلطنت دنیوی میں کوئی شخص تقاضا کرنے والا نہیں رہا تو کیا خدا کے سامنے بھی اسی کی بدولت سرخرو ہو جاؤ گے؟ احکم الحاکمین کو کیا جواب دو گے جب کہ رضائے قلب اور رضائے نفس سے بحث پیش ہو اور پوچھا جائے کہ ہماری اجازت کے خلاف حیلہ جوئی سے ایک بے کس اور ضعیفہ کا حق کیوں ہضم کیا؟

اسی طرح کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کیونکہ بھیک مانگنا بری بات ہے اور نگمہ

مجمع میں سوال کرنے کی قباحت اور ظاہری دینداری سے دنیا کمانے کی برائی

سخت ضرورت کے وقت سوال کرنے کی نوبت آئے تو اس کا ضرور خیال رکھو کہ مجمع میں سوال نہ کرو کیونکہ ایسی حالت میں دینے والا جو کچھ بھی تم کو دے گا وہ مجمع میں اپنی ذلت و رسوائی اور اپنے ہم چشموں میں سبکی کے خیال سے دیگا اور اس کو بخوشی خاطر دینا نہیں کہتے لہٰذا ایسا دیا ہوا مال استعمال کے قابل نہیں ہے کیونکہ کسی کے بدن پر بار کر لینا یا کسی کے دل پر شرم اور دباؤ کا کوڑا مار کر لینا دونوں برابر ہیں نیز اپنے دین کو ذریعہ کسب نہ بناؤ مثلاً صلحاؤ فقراء کی سی صورت اس نیت سے نہ بناؤ کہ ہمیں بزرگ سمجھ کر دیں گے حالانکہ تم بالکل کورے اور تمہارا دل گندگی سے آلودہ ہے یاد رکھو کہ دوسرے کا دیا ہوا مال تمہیں اس وقت حلال ہے جب کہ تمہاری کوئی چھپی ہوئی حالت ایسی نہ ہو کہ اگر دینے والا اس سے آگاہ ہو جائے تو ہرگز نہ دے اس سے معلوم ہوا کہ اگر تم نے بزرگوں کی سی صورت بنائی اور تمہارے دل میں خواہشات نفسانی کا ہجوم ہے اور ظاہر ہے کہ دینے والے نے جو کچھ تم کو دیا ہے وہ صرف تمہاری صورت دیکھ کر دیا ہے کہ اس کو تمہاری باطنی گندگی کی بالکل خبر نہیں ہے تو اگرچہ علمائے شریعت جو ظاہری انتظام کے ذمہ دار ہیں اس مال کو حلال بتائیں گے مگر صاحب بصیرت ضرور حرام کہے گا۔ اور اس کو استعمال میں لانے کی ہرگز اجازت نہ دیگا۔ دوسری بات جس کا خیال رکھنا

قلب سے فتویٰ لینے کی ضرورت

ضروری ہے یہ ہے کہ علماء کے فتوے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اپنے دل سے بھی پوچھ لیا کرو کہ اس معاملہ میں دل کیا کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تم اپنے دلوں سے بھی فتویٰ لیا کرو اگرچہ مفتی فتویٰ دے دیں بات یہ ہے کہ گناہ مسلمان کے دل میں ضرور چبھا کرتا ہے کیونکہ جو چیز ضرر پہنچانے والی ہو گی وہ دل میں کھٹکے بغیر نہ رہے گی پس جو شئے درحقیقت حرام ہے گی یا جو کام فی الواقع گناہ ہوگا اس کو تمہارا دل بے کھٹکے ہرگز قبول نہ کرے گا۔ اور اس طرح ہر چیز کی اصلیت دل کے فتوے سے معلوم ہو جایا کرے گی۔

فصل نفس پر زیادہ تشدد بھی نہ کرو۔ مثلاً کہنے لگو کہ ایسا مال کہاں ہے جو مشتبہ بھی نہ ہو اور کسی ظالم یا فاسق کے ہاتھ میں بھی نہ ہو کر آیا ہو؟ اور جب ایسا مال نہیں مل سکتا تو یا تو انسان جوگی بن کر گھاس پات کھانے پر قناعت کرے اور ایسا نہ کر سکے تو بیباک ہو کر جو چاہے کھائے پیئے ایسا خیال کرنا گمراہی ہے بات یہ ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے بین بین کی چیزیں مشتبہ کہلاتی ہیں مگر تم کو صرف اتنی تکلیف دی گئی ہے کہ جو مال شرعاً حلال ہے اور اس کے حرام اور نجس ہونے کا کوئی ظاہری سبب تم کو معلوم نہیں ہے اُس کو حلال سمجھ کر کھاؤ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مشرک آدمی کے مشکیزہ سے اور حضرت عمرؓ فاروق نے عیسائی عورت کے گھڑے سے وضو کیا اور پیاس ہوتی تو بھی پی لیتے اس سے معلوم ہو گیا کہ خواہ مخواہ وہم کرنا کہ خدا جانے یہ پانی پاک ہے یا ناپاک جائز نہیں ہے جب پانی کے ناپاک ہونے کی بظاہر تم کو کوئی وجہ معلوم نہیں ہے تو اس کو پاک ہی سمجھنا چاہیئے اسی طرح جو حلال شے کسی آدمی کے ہاتھ میں پاؤ جس کا حال تم کو معلوم نہ ہو تو اس کو پاک سمجھو اور مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھو اور یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ مال ہے حلال اور پاک ہی کمائی کا ہوگا اس کی دعوت بھی قبول کر لیا کرو خصوصاً جب کہ مسلمان صالح اور دیندار ہو۔ ہاں البتہ ظالم بادشاہ یا سود خور شراب بیچنے والے کا مال جب تک یہ نہ پوچھ لو کہ کس حلال طریقہ سے کمایا ہے حلال نہ سمجھو لیں اگر تحقیق کے بعد معلوم ہو جائے کہ سود یا ظلم کی کمائی اور شراب کی قیمت نہیں ہے تو اس کا لے لینا بھی حرام نہیں ہے اور اگر کسی کے پاس غالب حصہ حلال آمدنی کا ہے اور کم حصہ حرام کا تو اس کا کھانا بھی حلال ہے البتہ اگر نہ کھاؤ تو تقویٰ ہے حضرت شیخ ابن المبارکؒ کے کارندہ متعینہ بصرہ نے بذریعہ خط ان سے دریافت کیا تھا کہ جو شخص ظالم بادشاہ سے لین دین رکھتا ہو مجھے اس سے لین دین کا معاملہ

کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شیخ نے لکھا کہ اگر اس شخص کا اس کے علاوہ اور بھی ذریعہ کسب ہو تو اس سے معاملہ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز غرض دنیا میں چھ قسم کے آدمی ہیں اور ہر ایک کے ساتھ معاملہ کا جدا حکم ہے جس کو ہم ترتیب وار بیان کرتے ہیں۔

پہلی قسم :- وہ آدمی جس کی صورتِ کسب اور دینداری اور بد دینی کا حال کچھ بھی معلوم نہیں ہے ایسے لوگوں کا دیا ہوا مال حلال ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری نہیں البتہ احتیاط کے خیال سے نہ کھایا جائے تو تقویٰ میں داخل ہے۔

دوسری قسم :- وہ صلحا جن کی دینداری کھلی ہوئی اور کمائی کا مشروع طریقہ ظاہر ہے ان کے مال میں شبہ کرنا وسوسہ شیطانی ہے بلکہ اگر ان کو اس کے پرہیز کرنے سے رنج ہو تو ایسا تقویٰ بھی حرام اور معصیت ہے۔

تیسری قسم :- وہ لوگ جن کا سارا مال یا نصف سے زیادہ مال ظلماً یا سود یا شراب کی بیع وشراء سے حاصل ہوا ہے ان کا دیا ہوا مال یقیناً حرام ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

چوتھی قسم :- اس قسم کے وہ لوگ ہیں جن کا نصف سے کم مال حرام کے ذریعہ سے کمایا ہوا ہے اور تمہیں معلوم بھی ہے کہ زیادہ مقدار کسبِ حلال ہی کی ہے مثلاً دو ذریعے تو حلال کے ہیں ایک یہ کہ وہ کوئی مشروع تجارت کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ ترکہ میں کچھ جائداد پائے ہوئے ہے جس کی آمدنی اس کو ملتی ہے۔ اور ایک ذریعہ حرام ہے مثلاً کسی ظالم بادشاہ کا نوکر ہے اور تنخواہ لیتا ہے مگر اس ایک ذریعہ کی نسبت ان دو ذریعوں کی آمدنی زیادہ ہے تو چونکہ اس کے پاس زیادہ مال حلال ہے اس لئے کثرت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے دیئے ہوئے مال کو حلال ہی سمجھا جائے گا البتہ اس سے پرہیز کرنا

تقوے میں شمار ہوگا۔

پانچویں قسم :- وہ لوگ ہیں جن کے کسب کا ذریعہ اگرچہ معلوم نہیں ہے مگر ظلم اور تعدی کی علامتیں ان پر نمایاں ہیں مثلاً جابر حکام کی سی شکل و لباس اور وضع اختیار کئے ہوئے ہیں تو چونکہ یہ ظاہری حالت یوں بتا رہی ہے کہ ان کا مال بھی ظلماً ہی حاصل ہوا ہوگا لہٰذا اس سے احتیاط کرنی چاہیئے اور اس کو تفتیش کئے بغیر حلال نہ سمجھو۔

چھٹی قسم :- وہ لوگ ہیں جن پر علامت ظلم تو کوئی نمودار نہیں ہے البتہ فسق و فجور کے آثار نمایاں ہیں مثلاً ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے یا مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں یا فحش بک رہا اور گالیاں دے رہا ہے یا اجنبی عورت کی طرف دیکھ رہا ہے یا اس سے باتیں کر رہا ہے تو اگرچہ یہ فعل سب حرام ہیں مگر چونکہ ان کو مال کے حاصل کرنے میں کچھ دخل نہیں ہے۔ لہٰذا مال کو حرام نہیں سمجھا جائیگا پس اگر تم کو معلوم ہو کہ اس نے یہ مال ترکہ پدری میں پایا ہے یا کسی حلال ذریعہ سے کمایا ہے تو اس کو حلال سمجھو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے پانی کو نجس نہیں سمجھا پس جب مجوسیت[1] اور نصرانیت کے سبب پانی مشتبہ یا ناپاک نہیں ہوا تو مسلمان کا مال محض اس کے فسق و فجور کی وجہ سے کیسے ناپاک ہو سکتا ہے البتہ اگر اس کے مال کا حلال ذریعۂ کسب بھی تم کو معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس مال کے استعمال میں تامل اور احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

اس تشریح کے بعد پھر ہم یہی کہتے ہیں کہ اپنے دل سے بھی فتویٰ لے لو اور جس مال سے دل کھٹکے اس کا ہرگز استعمال نہ کرو۔ البتہ یہ ضرور دیکھ لو کہ دل کے فتویٰ پر عمل

---

[1] آتش پرستی۔

کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے سے اس شخص کو رنج تو نہ ہوگا پس اگر رنج کا اندیشہ ہو تو ایسا تقویٰ کرنا بھی جائز نہیں ہے مثلاً کسی نامعلوم الحال مسلمان نے کوئی چیز ہدیۃً تمہیں دیا یا تمہاری دعوت کی اور تم نے تقویٰ کی بنا پر اس کے مال کی تفتیش شروع کر دی تو ظاہر ہے کہ یا تو خود اسی سے پوچھو گے یا اس سے خفیہ دوسرے لوگوں سے تحقیق کرو گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر اس سے پوچھا تو اس کو ضرور رنج ہوگا یا اگر دوسروں سے پوچھا اور اس کو خبر ہو گئی تو مسلمان کو رنج پہنچانے کے علاوہ مسلمان کے ساتھ بدگمانی رکھنے اور بعض دفعہ غیبت اور تہمت میں مبتلا ہونے کا بھی اندیشہ ہے اور یہ سب حرام ہیں اور تقویٰ کا چھوڑنا حرام نہیں ہے۔ پس ایسے موقع پر اس مسلمان کا دل خوش کرنا واجب ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت بریرہؓ کا وہ کھانا جو کسی مسلمان نے ان کو صدقہ دیا تھا بے تامل کھا لیا اور صدقہ دینے والے کے مال اور حال کا تجسس نہ فرمایا البتہ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو شروع شروع جو چیز آپ کی نذر کی گئی اس کے بارے میں آپؐ نے یہ ضرور پوچھ لیا کہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اور یہ بھی صرف اس وجہ سے کہ صدقہ کا مال آپ کے لیے حلال نہ تھا۔ اور اس سوال میں اس کو رنج یا ایذا بھی نہیں ہوتی تھی کیونکہ صدقہ اور ہدیہ دونوں کی ایک ہی صورت ہے صرف دینے والے کی نیت اور محل و مصرف کا فرق ہوتا ہے باقی اس سے زیادہ تفتیش نہیں فرمائی کہ کس طرح اور کہاں سے حاصل کیا؟ آپؐ کی عادت تھی کہ جو مسلمان آپؐ کی ضیافت کرتا آپؐ بلا تامل قبول فرما لیتے اور کہیں منقول نہیں ہے کہ آپؐ نے اس کا سوال کیا ہو کہ تمہارا مال کس ذریعہ سے حاصل ہوا ہے البتہ کبھی شاذ و نادر کسی غالب شبہ کے موقع پر تحقیق حال فرمائی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ

لہ بخاری و مسلم ۱۲

سفر میں بازار سے تمام ضروریات کی چیزیں کھاتے اور خریدتے تھے حالانکہ یہ بھی جانتے تھے کہ سود اور لوٹ اور مال غنیمت میں خیانت کئے ہوئے مال بھی بازاروں میں ہی فروخت ہوتے ہیں مگر ان توہمات کی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائی بلکہ غالب اور کثرت کی بناء پر بازار میں فروخت ہونے والے سارے مال کو تفتیش و تحقیق کے بغیر حلال سمجھا، اسی طرح تم بھی بازار کی چیزوں کو حرام نہ سمجھو البتہ اگر حرام اور ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہوئی چیزیں کسی شہر یا بازار میں بکثرت فروخت ہونے لگیں تو اس وقت تفتیش و تحقیق حال کے بغیر خریدنا اور استعمال میں لانا بیشک جائز نہیں ہے۔

حقوق کی حفاظت اور حسنِ معاشرت

تمام مخلوق کے ساتھ حسن معاشرت

دنیا کی تمام مخلوق کشتی عمر پر سوار ہو کر دنیا کا سفر ختم کر رہی ہے اور دنیا ایک مسافرخانہ ہے اس لئے آخرت کے مسافروں یعنی مسلمانوں کا اپنی سرائے کے ہم سفر مسافروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا بھی دین کا ایک رکن ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ زندگی میں انسان کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں یا تو مجرّد اور تن تنہا ہوگا اور یا اہل و عیال اور دوست و احباب وغیرہ کے تعلقات رکھتا ہوگا یا اس کی حالت بین بین ہوگی کہ تعلق تو ہوگا مگر صرف اقربا اور رشتہ داروں یا ہمسایوں سے ہوگا عام مخلوق سے نہ ہوگا۔ پس تینوں حالتوں کے حقوق اور حسنِ سلوک سے واقف ہونا چاہیئے ان کو ہم ذیل میں جدا جدا بیان کرتے ہیں۔

پہلی حالت میں چونکہ آدمی کو صرف اپنی ذات سے تعلق ہوتا ہے اس لئے اپنے نفس کی اصلاح اور اس قدرتی سپاہ کے حقوق ادا کرنے ضروری ہیں جو اس عالمِ اصغر یعنی انسان میں حق تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں چونکہ اس جگہ ہمیں اختصار مقصود ہے اس لئے ہم جسمِ انسانی میں قدرتی

سپاہ کے صرف سرداروں کا تذکرہ کرتے ہیں اور تنبیہ کیے دیتے ہیں کہ ہر مجرد و تنہا مسلمان کو بھی ان کی حفاظت اور نگہداشت ضروری ہے جان لو کہ تمہارے اندر ایک خواہش پیدا کی گئی ہے جس کی وجہ سے تم ہر مفید اور مرغوب شئے کو حاصل کرنے کی سعی کرتے ہو اور ایک غصہ پیدا کیا گیا ہے جس کے ذریعہ تم ہر مضر اور مکروہ چیز کو دفع کرنے کی کوشش کرتے ہو اور تیسری چیز عقل پیدا کی گئی ہے اس سے تم اپنے معاملات کا انجام سوچنے اور اپنی رعیت کی حفاظت کرتے ہو پس غصہ کو کتا سمجھو اور خواہش کو گھوڑا اور عقل کو بادشاہ اس کے بعد جان لو کہ یہ تینوں قوتیں تمہارے ماتحت بنائی گئی ہیں کہ ان میں عدل و انصاف کرنا اور اس قدرتی سپاہ سے مدد لے کر ابدی سعادت حاصل کرنا تمہارا فرض ہے پس اگر تم کتے کو مہذب اور گھوڑے کو شائستہ کر کے بادشاہ عقل کا مطیع و فرمانبردار بنائے رکھو گے اور عقل کا حق ادا کرو گے تو تم ضرور مقصود تک پہنچ جاؤ گے اور اگر محکوم کو حاکم کی مسند پر بٹھا دیا اور حاکم بادشاہ کو غلام بنا دو گے تو انصاف کھو بیٹھو گے اور ظالم کہلاؤ گے کیونکہ کسی شئے کا بے محل رکھنا ہی تو ظلم کہلاتا ہے لہٰذا جب خواہش نفسانی کوئی چیز حاصل کرنی چاہے یا غصہ کسی شئے کو دفع کرنا چاہے تو عقل سے سوچا کرو کہ اس کا انجام کیا ہے؟ اگر انجام اچھا ہو تو عقل کو چاہیے ان کو اس کام کے کرنے کی اجازت دے دے۔ اور اگر انجام برا دیکھے تو ہرگز اجازت نہ دے بلکہ اپنے ماتحت غلاموں سے اس کو پکڑوائے مثلاً نفس اگر بے جا خواہش کرتا ہے تو غصہ کو اس پر حملہ کرنے کا حکم دے کہ وہ اس بدخواہ نادان غلام کو پابہ زنجیر کر دے اور اگر غصہ بھڑکنا اور بے راہ چلنا چاہے تو اس پر شہوت کا حملہ کرائے کہ وہ اس کو ٹھنڈا کر دے اور اس کا خیال پورا نہ ہونے دے اور اگر تم نے اپنی عقل سے دریافت ہی نہیں کیا یا دریافت تو کیا مگر اس

له ہوشیار

کے حکم کی اطاعت نہ کی۔ بلکہ اس کو خادم و غلام بنا لیا کہ شہوت و غصہ جو کچھ کرنا چاہیں۔ عقل ان کی ہاں میں ہاں ملا کر ان کا منشا پورا کرنے میں حیلے اور تدبیریں سوچے تو گویا تم نے قدرتی سپاہ میں ادل بدل کر دیا۔ اور حق تعالیٰ نے جن میں عدل و انصاف رکھنے کا حکم فرمایا تھا ان میں ظالمانہ کاروائی کی۔ پس قیامت کے دن جب تمام اعراض[1] کو اجسام عطا کئے جائیں گے اور شہوت نفسانی کو کتے کی اور غصہ کو گھوڑے کی صورت دی جائے گی اور عقل شاہانہ لباس پائے گی تو اس وقت یہ راز کھل جائے گا اور تم کہو گے۔ ہائے افسوس ہم نے کیسا ظلم کیا کہ بادشاہ کو کتے اور گھوڑے کے سامنے سربسجود رکھا۔ کاش شکاری مرد کی طرح اس کتے اور گھوڑے کو بوقت ضرورت کام میں لاتے کہ نہ بے موقع ان کو بھگاتے اور نہ خلافِ عقل ان سے کوئی کام لیتے اور نہ عقل کی ماتحتی سے ان کو باہر نکالتے بلکہ ان کو عقل کا ایسا مطیع بنائے رکھتے کہ جہاں وہ چاہتی وہاں ان سے کام لیتی ورنہ بیکار اپنی جگہ پڑے رہتے گویا ہیں ہی نہیں۔

عام مخلوق کی رعایت

دوسری حالت یعنی جب تم کو عام مخلوق سے تعلق ہو تو اس وقت اس کا ضرور لحاظ رکھو کہ مخلوق سے تم سے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اللہ کی مخلوق محفوظ رہے اور اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مخلوق کو نفع پہنچاؤ اور اس سے بھی اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے کہ جن سے ایذا اٹھاؤ ان کے ساتھ سلوک اور احسان کرو کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اے علی! اگر صدیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہو تو جو تم سے قطع تعلق کرنا چاہے تم اس سے تعلق رکھو اور جو تم پر ظلم کرے تم اس کے ساتھ

---

[1] وہ چیزیں جو کسی کے تابع ہو کر موجود ہوتی ہیں خود بخود نہیں رنگ وروپ اعمال غصہ، حلم وغیرہ

سلوک کرو۔ مخلوق کے حقوق قائم رکھنے میں بیس باتوں کا لحاظ رکھو جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ جو کچھ اپنے لئے بہتر سمجھو وہی دوسروں کے لئے بہتر سمجھو کیونکہ حدیث[1] میں ایسے شخص کے لئے بشرطیکہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ جہنم سے محفوظ رہنے کی بشارت آئی ہے۔

۲۔ ہر کسی کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ کیونکہ حق تعالےٰ مغرور اور متکبر کو پسند نہیں کرتا پس اگر کوئی دوسرا شخص تمہارے ساتھ تکبر سے پیش آئے تو اس کو برداشت کر جاؤ دیکھو حق تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے کہ "عفو کی خصلت اختیار کرو۔ بھلائی کی ترغیب دو اور جاہلوں سے پہلو تہی کرو۔"

۳۔ بڑوں کی تعظیم کرو اور چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھو۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] کہ اگر جوان آدمی کسی بوڑھے کی تعظیم اس کے بڑھاپے کی وجہ سے کرے گا تو اس جوان کے بڑھاپے کی حالت میں اللہ تعالےٰ اس کی تعظیم کرنے والا شخص پیدا فرمائے گا۔ اس حدیث میں اشارۃً درازی عمر کی بھی بشارت آگئی ہے کہ اس جوان کو بوڑھا ہونا نصیب ہوگا۔

۴۔ ہر شخص کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آؤ کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو دوزخ سے بچنے اور اللہ کے محبوب ہونے کی بشارت دیتے ہیں

۵۔ دو مسلمانوں میں رنجش ہو جائے تو صلح کرا دو۔ شریعت میں ایسے موقع پر تالیف قلوب کی وجہ سے بضرورت جھوٹ بولنے تک کی اجازت آئی ہے اور شرعاً

---

[1] بخاری ۱۲ - کچھ مضمون مسند احمد ۱۲ - مضمون مسلم و مکارم الاخلاق ۱۲ -

[2] ترمذی حسن غریب ۱۲ -

اس کا درجہ نفل نماز اور روزہ سے بھی افضل ہے۔

۶۔ جو لوگ ایک کی دوسرے سے چغلی کھاتے ہیں یا ادھر کی ادھر لگا کر مسلمانوں میں باہم رنجش پیدا کرتے ہیں ان کی بات ہرگز مت سنو کیونکہ وہ اپنا دین برباد اور جہنم میں جانے کا سامان کر رہے ہیں۔

۷۔ ہفتم اگر کسی سے تمہاری رنجش ہو تو تین دن سے زیادہ علیحدگی مت رکھو لیکن اگر تم مسلمان کی خطا سے درگزر کرو گے تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔

۸۔ سلوک اور احسان کرتے وقت اہل اور نااہل مت دیکھا کرو۔ کیونکہ اگر کوئی نا اہل بھی ہو تو اس کے ساتھ کیوں نااہل بنتے ہو سلوک کے لئے تو تمہارا اہل ہونا کافی ہے۔

۹۔ لوگوں سے ان کی حالت کے موافق برتاؤ کیا کرو۔ یعنی جاہل میں اس کمال اور تقویٰ کو مت ڈھونڈھو جو علماء میں ہوا کرتا ہے اور عوام کی طبیعتوں میں خواص کی سی سمجھ اور سلیقہ کی توقع مت رکھو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ الہٰی وہ طریق بتلا دے جس سے مخلوق بھی مجھ سے محبت کرے اور آپ بھی راضی رہیں تو حکم ہوا اے داؤد! دنیا داروں سے ان کی حالت کے موافق برتاؤ کرو۔ اور دینداروں سے ان کے حال کے مطابق۔

۱۰۔ برتاؤ کے وقت لوگوں کے مرتبوں کا بھی لحاظ رکھو۔ یعنی اگر کوئی دنیا دار یا عزت آدمی تمہارے پاس آجائے تو اس کی عظمت کرو۔ دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دنیا دار[1] ذی عزت کے لئے چادر مبارک بچھا دی اور یوں فرمایا

---

[1] بزار ابن خزیمہ طبرانی ابن عدی حاکم صحیح ہے اور یہ جریر ابن عبداللہ تھے ۱۲۔

ہے کہ جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص تمہارے پاس آیا کرے تو اس کی عزت کیا کرو۔

۱۱۔ مسلمانوں کے عیب ہرگز ظاہر نہ کرو کیونکہ پردہ پوشی کرنے والے جنت میں جائیں گے غیبت بھی نہ کرو اور کسی کے عیب کی ٹوہ میں بھی نہ رہو یاد رکھو کہ اگر آج تم کسی مسلمان کی عیب جوئی کرو گے تو کل کو حق تعالےٰ تمہارا عیب ظاہر فرما کر رسوا کر دے گا۔ اور جس کو وہ رسوا کرے پھر اس کو اماں کہاں؟

۱۲۔ تہمت کی جگہ سے بھی بچو ورنہ لوگ بدگمان ہوں گے اور تمہاری غیبت کیا کریں گے اور چونکہ ان کی غیبت میں مبتلا ہونے کا سبب تم بنے ہو نہ تہمت کے موقع پر جاتے اور نہ ان کو غیبت کا موقع ملتا۔ لہٰذا گناہ تم پر بھی ہوگا اس لئے کہ گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ دروازہ مکان پر کھڑے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے کہ کسی شخص کا اس جانب گزر ہوا چونکہ موقع تہمت کا تھا اس لئے آنحضرت نے فوراً آواز دے کر اس شخص سے فرمایا اے شخص! جس عورت سے باتیں کر رہا ہوں یہ میری بیوی صفیہ ہے اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ تو یہ ہے کہیں آپ کی جانب بھی بدگمانی ہو سکتی ہے حضرت نے فرمایا تعجب ہی کیا ہے شیطان تو بنی آدم کی رگ رگ میں سرائت کئے ہوئے ہے یعنی شائد تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا اور وہ تمہاری بربادی کا سبب بنتا اس لئے مجھے اطلاع دینی ضروری ہوئی۔

۱۳۔ مسلمانوں کی حاجت روائی میں کوشش کیا کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کسی کو دینے دلانے میں تاخیر کرتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف اس وجہ سے جلدی حکم نہیں دیتا کہ تم کو سفارش کرنے کا موقع مل جائے اور تم زبان سے کلمۃ الخیر نکال کر ثواب حاصل کر لو۔ مسلمانوں کی حاجت روائی میں سعی کرنا بہرحال نافع ہے خواہ تمہاری

کوشش سے اس کی حاجت پوری ہو یا نہ ہو حدیث[1] میں اس سعی کا اجر و ثواب سال بھر کے اعتکاف سے بھی زیادہ آیا ہے۔

۱۴۔ ہر مسلمان سے سلام علیک اور مصافحہ میں پیش قدمی کیا کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو رحمت خداوندی کے ستر حصوں میں سے انہتر حصے تو اس کو ملتے ہیں جس نے مصافحہ میں ابتدا کی ہے اور ایک حصہ دوسرے کو۔

۱۵۔ مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں بھی اس کی مدد کرو اس کی آبرو یا مال پر اگر دھبہ یا نقصان آئے تو اس کو مٹا دو کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جہاں کسی مسلمان کی آبرو ریزی ہو رہی ہو تو جو مسلمان ایسے وقت میں اس کی مدد کرے گا تو حق تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت اس کی مدد فرمائے گا اور جو مسلمان اس کی کچھ پرواہ نہ کرے گا تو حق تعالیٰ بھی اس کی حاجت کے موقع پر اس کی کچھ پرواہ نہ فرمائے گا۔

۱۶۔ شریر لوگوں سے بھی اس نیت سے مدارات کر لیا کرو کہ اس طرح ان کے شر سے محفوظ رہو گے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپؐ نے فرمایا۔ اچھا آنے دو۔ برا شخص ہے۔ اور جب وہ اندر آ گیا تو آپؐ نے ایسی نرمی و ملاطفت کے ساتھ اس سے باتیں کیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ اس کی بڑی قدر کرتے ہیں جب وہ چلا گیا تو میں نے آنحضرتؐ سے اس کی وجہ پوچھی آپؐ نے فرمایا کہ بدتر شخص قیامت کے دن وہ ہے جس کی بدی سے بچنے کے لئے لوگ اس کو چھوڑ دیں۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ جس طریقے سے بھی انسان کہ جس طریقے سے بھی انسان اپنی آبرو بچائے وہ صدقہ میں

---

[1] حاکم مگر بجائے سال کے دو ماہ

ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت[1] ہے کہ لوگوں سے ان کے اعمال کے موافق میل
جول رکھو۔ البتہ بدکاروں کو دل میں جگہ نہ دو۔

۱۷۔ زیادہ تر مسکینوں کے پاس اٹھو بیٹھو اور امراء کی صحبت سے پرہیز کرو۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ بار الٰہا میری موت و حیات مسکنت ہی کی حالت
میں رکھیو اور مسکینوں کی ہی جماعت میں میرا حشر فرمائیو حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود
اس جاہ و اقتدار کے جب کسی مسجد میں کسی مسکین کو بیٹھا دیکھتے تو اس کے پاس بیٹھ جاتے
تو اس کے پاس بیٹھ جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مسکین اپنے ہم جنس مسکین کے پاس بیٹھ گیا حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا اللہ میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں
تو حکم ہوا کہ شکستہ دل لوگوں کے پاس۔

۱۸۔ حتی الامکان انہیں لوگوں کے پاس بیٹھو جن کو کچھ دینی فائدہ پہنچا سکو یا جن سے
دین کا کچھ نفع حاصل کر سکو اور غفلت والوں سے علیحدہ رہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فرماتے ہیں کہ "برے ہمنشیں سے تنہائی بہتر ہے" اور تنہائی سے نیک بخت ہمنشیں
بہتر ہے یہ خیال کرو کہ اگر تم ایسے شخص کے پاس آتے جاتے رہو جو ہر دفعہ تمہارے کپڑے کا ایک
تار یا داڑھی کا ایک بال نوچ لیا کرے تو ضرور تم کو اندیشہ ہوگا کہ اس طرح تو عنقریب تمام
کپڑا ختم اور داڑھی ندارد ہو جائے گی اور تم اس کے پاس آمد و رفت ترک کر دو گے۔ بس
اسی طرح جس کی صحبت میں جو برابر بھی دین کی کمی ہو تو اس سے پرہیز کرو ورنہ تھوڑا تھوڑا
ہو کر ایک دن سارا دین برباد ہو جائے گا۔

۱۹۔ مسلمان بھائی اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت کیا کرو اور انتقال کر جائے تو اس

---

[1] ابن عساکر ۱۲ ۲؎ بیہقی حسن ۱۲

کے جنازے کے ساتھ جاؤ اور اس کے بعد بھی کبھی کبھی گورستان میں ان کی قبر پر آیا کرو اور ان کے لئے ایصال ثواب اور استغفار و طلب رحمت کرتے رہا کرو۔

۲۰۔ اگر ان کو چھینک آئے تو یَرْحَمُکَ اللہ کہو اور اگر وہ تم سے کسی بات میں مشورہ کریں تو نیک صلاح دیا کرو المختصر جو اہتمام اپنے نفس کو نفع پہنچانے اور ضرر سے بچانے کا کر سکتے ہو۔ وہ عام مسلمانوں کے لئے ملحوظ رکھو۔

متعلقین اور رشتہ داروں کے حقوق

خاص متعلقین سے برتاؤ: نسبی اور مہری[۱] رشتہ دار یعنی بیوی بچے، ماں، باپ اور ہمسایہ و غلام و نوکر چاکر سب متعلقین داخل ہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[۲] ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن کا مقدمہ پیش ہوگا وہ دو ہمسایہ ہوں گے اگر ڈھیلا بھی مارو گے تو ہمسایہ کے ایذا رساں سمجھے جاؤ گے ایک عورت نہایت پارسا تھی مگر اس کے پڑوسی اس سے نالاں رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوزخی فرمایا[۳] ہے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا جانتے بھی ہو ہمسایہ کے کتنے حق ہیں۔ اگر ہمسایہ مدد چاہے تو مدد کرو اور قرض مانگے تو قرض دو اگر تنگدست ہو جائے تو سلوک کرو اگر ہمسایہ بیمار پڑے تو عیادت کرو اور انتقال کر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو مبارکباد دو اور رنج پہنچے تو تسلی دو اس کی اجازت کے بغیر اپنا مکان اتنا اونچا نہ بناؤ کہ اس کو خاطر خواہ ہوا نہ پہنچ سکے اگر کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس میں سے بقدر مناسب اس کو بھی دو اور اگر نہ دے سکو تو چپکے سے گھر لے جاؤ تاکہ دیکھ کر اس کو حرص نہ ہو اس کے بعد مناسب ہے کہ تمہارا بچہ بھی پھل لے کر باہر نہ نکلے کیونکہ ہمسایہ کے بچہ کو حرص ہوگی تو اس کو رنج ہوگا اسی طرح اگر ہانڈی چڑھے تو ایک آدھ چمچہ پڑوسی کو بھی پہنچاؤ جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق

ہمسایہ کے حقوق

---

۱ جو نکاح سے ہوں ۱۲ ۲ طبرانی صحیح ۱۲ ۳ ابن ابی شیبہ

کس قدر ہے بس یہ سمجھ لو کہ پڑوسی کے حق وہی پورے کرسکتا ہے جس پر حق تعالیٰ کا فضل ہو

قرابت داری کے حقوق کا بھی لحاظ رکھو کیونکہ رحم[1] جس کے معنی قرابت کے ہیں رحمٰن سے ملا ہوا رکھتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص رحم سے میل رکھے گا میں اس سے میل رکھوں گا اور جو اس سے قطع تعلق کرے گا میں اس سے قطع تعلق کروں گا صلہ رحمی کرنے والے کی عمر میں برکت ہوتی ہے جنت کی خوشبو جو پانچ سو برس کی مسافت سے آتی ہے یہ قاطع رحم کو ہرگز نہ آئے گی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ماں باپ کی خدمت کرنا نماز، روزہ، حج عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے اور ماں کا حق باپ کی نسبت دوچند ہے حدیث میں حکم ہے کہ جو کچھ دینا ہو ساری اولاد کو مساوی دیا کرو

ماں باپ کے حقوق

غلاموں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان کے متعلق خدا سے ڈرو اور خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ اور جو تم پہنو وہی ان کو بھی پہناؤ تحمل سے زیادہ ان سے کام نہ لو اور یہ سمجھو کہ صاحب قدرت خدا نے ان کو تمہارا غلام بنا دیا ہے اگر وہ چاہتا تو تم کو ان کا غلام بنا دیتا جب وہ کھانا لا کر تمہارے سامنے رکھے تو چونکہ آگ کی تپش اور دھوئیں کی کلونس اسی نے برداشت کی اور تم کو ان تکلیفوں سے بچایا ہے اس لئے اس کی دلجوئی کرو اور اس کو شفقت کے ساتھ کھلاؤ یا کم سے کم ایک لقمہ اس کے ہاتھ پر رکھ دو اور پیار کے لہجے میں کہو کہ کھالو ایسا کرنے سے اس کا دل خوش ہو جائے گا اور تمہاری عزت میں فرق نہ آئے گا۔ اگر وہ کوئی خطا کر بیٹھے تو درگذر کرو اس کو عزت اور حقارت کی نظر سے مت دیکھو

خادم کے حقوق

بی بی کے حقوق چونکہ غلام سے کئی حصے زیادہ ہیں لہٰذا بی بی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرو اور حسن معاشرت وخوش کلامی سے برتاؤ کرو کیونکہ بیبیوں کے ساتھ نیک برتاؤ رکھنے والوں کے بڑے درجے ہیں

بیوی کے حقوق

---

[1] ابن ابی شیبہ

دیکھو مقتدائے امت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ کیسی خوش طبعی اور دلجوئی اور محبت و نرمی کا برتاؤ فرماتے تھے حدیثوں میں حسنِ معاشرت کی بڑی تاکید آئی ہے۔

دینی دوست بنانا اور بغض فی اللہ اور حب فی اللہ

فصل: - انہیں اصول میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ اپنے لیے کچھ دینی دوست تجویز کرلو جن سے محض اللہ ہی کے واسطے محبت ہو قیامت کے دن حق تعالیٰ آواز دے گا کہاں ہیں وہ جو خاص میرے واسطے محبت باہم رکھتے تھے آج جب میرے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہیں ہے ان کو اپنے سایہ میں رکھوں گا[1] حدیث میں آیا ہے کہ عرش کے گرد نور کے منبر ہیں جن پر ایک جماعت بیٹھے گی جن کے لباس اور چہرے سرتاپا نور ہوں گے اور وہ لوگ نہ نبی ہیں نہ شہید مگر انبیاء و شہداء ان کی حالت پر رشک کریں گے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے مخلص بندے جو باہم اللہ کے واسطے محبت کرتے اور اللہ کے واسطے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے اٹھتے اور آتے جاتے ہیں یاد رکھو کہ ایمان کے بعد اللہ کے واسطے محبت کا مرتبہ ہے اور اس میں دو درجے ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ تم کسی شخص سے اس بنا پر محبت کرتے ہو کہ دنیا میں تم کو اس کے ذریعہ سے ایسی چیز حاصل ہے جو آخرت میں مفید ہے مثلاً شاگرد کو اپنے استاد کے ساتھ علم دین حاصل کرنے کے سبب محبت ہے اور مرید کو اپنے مرشد سے راہِ طریقت معلوم کرنے کی وجہ سے محبت ہے بلکہ استاد کو اپنے شاگرد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بھی اس بنا پر ہوتی ہے کہ دین کا سلسلہ اس کی وجہ سے مدتوں تک میری طرف منسوب ہو کر جاری رہے گا اور مجھ کو آخرت میں صدقہ جاریہ کا اجر ملے گا جس طرح اپنے خادم اور محسن کے ساتھ اسی نیت سے

---

[1] مضمون ابن حبان ۱۲

محبت ہوتی ہے کہ ان کی خدمت اور احسان کی وجہ سے فارغ البالی حاصل ہوتی ہے اور اطمینان کے ساتھ عبادت و طاعت کا وقت نصیب ہوتا ہے پس یہ سب اللہ ہی کے واسطے محبت ہے کیونکہ اس محبت سے کوئی دنیاوی غرض مقصود نہیں ہے مگر پھر بھی چونکہ خاص اللہ کی ذات مطلوب نہیں ہے اس لئے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی اللہ کے پیارے اور نیک بندے سے بغیر کسی دینی غرض کے صرف اس وجہ سے محبت ہو کہ یہ شخص اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کا محبوب ہے کیونکہ معشوق کے کوچہ کا کتا بھی دوسرے کتوں سے ممتاز ہوتا ہے پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ حق تعالےٰ سے محبت ہو اور اس کے محبوب بندوں سے محبت نہ ہو یاد رکھو کہ رفتہ رفتہ یہ تعلق یہاں تک قوی ہو جاتا ہے کہ اللہ کے محبوب بندوں کے ساتھ اپنے نفس کا سا برتاؤ ہونے لگتا ہے بلکہ اپنے نفس پر بھی ان کو ترجیح ہوتی ہے پس جتنا بھی یہ علاقہ مضبوط ہوگا اسی قدر کمال میں ترقی ہوگی ۔

ایسا ہی بغض کا حال ہے کہ حق تعالےٰ کے نافرمان بندوں سے عداوت ہونی چاہیئے جن لوگوں کو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ کے نافرمان بندوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان سے بات تک کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی صورت نظر آتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہے کہ خداوندا مجھ پر کسی فاسق شخص کا احسان نہ کرائیو کہ اس کے احسان کی وجہ سے میرے دل میں اس کی محبت آ جائے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ اسی کا نام ہے اور جس مسلمان کو اپنے مولا سے اتنی بھی محبت نہیں جس کا یہ اثر ہو کہ اللہ کے محبوب بندے اس کے محبوب بن جائیں اور خدا کے دشمنوں کو وہ اپنا دشمن سمجھے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس شخص کے ایمان میں ضعف ہے اور اس کو اپنے خدا کے ساتھ محبت نہیں ہے ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی وعظ و نصیحت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو دوسروں کو نیکی کی جانب بلائیں اور اچھے کام کرنے کا حکم کریں اور برائیوں سے منع کریں یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور ان میں سے ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو ان کو معصیت سے روک سکتے ہوں مگر وہ کاہلی کریں اور ان کو معصیت سے منع نہ کریں تو حق تعالیٰ ان پر جلد عذاب نازل فرمائے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک ایسے قصبہ پر عذاب نازل ہو چکا ہے جس میں اٹھارہ ہزار مسلمان آباد تھے اور ان کے اعمال انبیاء علیہم السلام جیسے تھے مگر اتنا نقص تھا کہ اللہ کی نافرمانیاں دیکھ کر ان کو غصہ نہ آتا تھا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑے ہوئے تھے لہٰذا وہ ہلاک کر دیئے گئے اگر تم کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا ہوا دیکھو گے اور اس پر خاموش بیٹھے رہو گے تو اس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا گناہ کے اندر دونوں برابر ہیں اسی طرح ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہننے والے جس قدر گنہگار ہیں اسی قدر ان کے وہ یار دوست یعنی ان کے پاس بیٹھنے اٹھنے والے مسلمان بھی گنہگار ہیں۔ جو ان کو ریشمی لباس اور طلائی انگشتری پہنے دیکھتے ہیں اور منع نہیں کرتے اسی طرح ایسے مکانوں میں بیٹھنا جن کی دیواروں پر تصویریں ہوں یا ایسی مجلس میں شریک ہونا جہاں کوئی بدعت ہو رہی ہو یا کسی مباحثہ یا مناظرہ کے ایسے جلسے میں جانا جہاں سب دشنام اور لغو مشغلہ ہو سب گناہ ہے پس خوب سمجھ لو کہ ان گناہوں کے موقعوں سے صرف بچنا ہی ضروری

---

[1] ابوداؤد مضمون ترمذی صحیح ۱۲

(حاشیہ:) واعظوں کی ... بڑی ... معصیت ہے

نہیں ہے بلکہ جب تک بے تامل نصیحت نہ کرو گے اور ان کو گناہ سے روک نہ دو گے اس وقت تک ہرگز عہدہ برآ نہ ہو سکو گے یہی سبب ہے کہ گوشہ نشینی بہتر سمجھی گئی ہے اور جتایا گیا ہے کہ میل جول کی کثرت اختلاط سے ضرور معصیت ہوتی ہے کیونکہ مسلمان کیسا ہی متقی کیوں نہ ہو جب تک ملامت کرنے والوں کی ملامت کا خوف دل سے نہ نکال دے اور گناہ ہوتا دیکھے تو اس کو روک نہ دے گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا غرض مداہنت حرام ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے البتہ دو حالتوں میں اس کا وجوب قائم نہیں رہتا۔

کثرت اختلاط سے معصیت ہوتی ہے

پہلی حالت یہ ہے کہ اس کو معلوم ہو کہ میں اس گناہ سے منع کروں گا تو مجھے نظر حقارت سے دیکھا جائے گا اور نہ تو میری بات کی یہ لوگ پرواہ کریں گے اور نہ اس گناہ کو چھوڑیں گے ایسی صورت میں نصیحت کرنا واجب نہ رہے گا اور یہ حالت اکثر ان معصیتوں کے متعلق پیش آتی ہے جن کے مرتکب فقہاء وعلماء ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو دیندار اور متقی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر کوئی شخص ان کو نصیحت کرے تو ان کو سخت ناگوار گزرتا ہے اور وہ گناہ چھوٹتا نہیں جس کو انہوں نے اختیار کیا ہے ایسے موقع پر بیشک سکوت جائز ہے البتہ پھر بھی زبان سے نصیحت کر دینا مستحب ہے اس کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ گو ایسی جگہ نصیحت کرنا واجب نہیں رہا مگر خود وہاں سے اٹھ آنا ضرور واجب ہے کیونکہ بیٹھے رہنا اپنا اختیاری فعل ہے اور خود اپنے اختیار سے معصیت کا دیکھنا بھی معصیت ہے پس جہاں دور شراب جاری ہو یا غیبت ہو رہی ہو یا ڈاڑھی منڈے بد دین غیر متشرع فاسق فاجر بیٹھے ہوں وہاں ہرگز نہ بیٹھو۔

نصیحت کرنا واجب نہیں

دوسری حالت یہ ہے کہ ناجائز فعل سے باز رکھنے پر قدرت تو ہو مگر اس بات کا غالب

اندیشہ ہو کہ اگر دست اندازی کی تو ضرور یہ لوگ مجھ کو ماریں گے مثلاً کسی جگہ شراب کا شیشہ یا ستار وغیرہ یا اور کوئی سامان لہو و لعب رکھا ہوا دیکھو اور ممکن ہے کہ آگے بڑھ کر اس کو توڑ پھوڑ دو مگر غالب گمان یہ ہو کہ ایسا کرنے سے ان کا مالک تم کو ایذا دئیے بغیر یار نہ رہے گا تو اس صورت میں بھی چپ ہو رہنا جائز ہے البتہ ہمت کرنا پھر بھی مستحب ہے کیونکہ ایسے امر خیر میں جو کچھ ایذا پہنچے گی اس کے بھی بڑے اجر ہیں ایسی حالت میں سکوت کا جائز ہونا اس شرط پر ہے کہ بدنی تکلیف یعنی مار پیٹ یا مالی نقصان یا بے عزتی یا آبروریزی یا ایذا رسانی کا بالیقین یا غالب گمان ہو نہ کہ اس شرط پر کہ نصیحت کرنے سے ان کو میری محبت نہ رہے گی یا ناگوار گذرے گا اور مجھ کو زبان سے کچھ برا بھلا کہنے لگیں گے یا مجھ کو اپنا دشمن سمجھنے لگیں گے اور آئندہ کوئی تکلیف پہنچانے کی فکر کریں گے یا جو کچھ دیتے ہیں وہ بند کر لیں گے یا آئندہ کوئی دینی مصلحت و بہبودی کی توقع ہے اور نصیحت کرنے سے وہ مصلحت ہاتھ سے جاتی رہے گی تو ایسی موہوم باتوں کی شریعت میں کچھ وقعت نہیں ہے اور نہ ان خیالات سے ہی خلاف شرع امر پر نصیحت کئے بغیر چپ ہو رہنا جائز ہے پس اس کو خوب سمجھ لو

بخوف ایذا کے وقت امر نصیحت چھوڑنا

فصل اول تو واعظ کو حلیم الطبع نرم مزاج ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اپنی نیک بختی جتانے اور دوسروں پر اعتراض کرنے کی نیت سے وعظ کرنے کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا بلکہ اس سے لوگوں کو صدمہ ہوتا اور برافروختگی بڑھتی ہے اور بجائے معصیت چھوڑنے کے وہ لوگ معصیت پر ضد اور اصرار کرنے لگتے ہیں اور جب ضد ہوگئی تو پھر نصیحت کرنا اللہ واسطے نہ رہا بلکہ اپنے دل کی جلن نکالنے اور پھپھولے پھوڑنے کی غرض سے ہوگیا لہٰذا جب وعظ کہو تو نہایت نرمی سے کہو اور نیت رکھو کہ کاش حق تعالیٰ کی یہ معصیت چھوٹ جائے اور کوئی دوسرا واعظ ہی اس کو چھڑا دے تو بہت بہتر ہے کیونکہ خود معترض اور ناصح بننے کی

عزت کا خواستگار ہونا خلوص کے خلاف ہے۔ ایک مرتبہ ایک واعظ نے مامون الرشید کو کسی بات کی سختی کے ساتھ نصیحت کی تو مامون الرشید نے واعظ سے کہا ذرا نرمی سے نصیحت کیا کرو دیکھو تم سے بہتر ناصح حضرت موسیٰ کلیم اللہ پیغمبر مجھ سے بدتر بندہ فرعون مصر کی جانب ناصح بنا کر بھیجے گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا کہ اے موسیٰ اور اے ہارون فرعون سے نرمی کے ساتھ باتیں کیجیو حضرت امامہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجیے اس شخص کا یہ کلمہ سن کر لوگ اس کو ڈانٹنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں آؤ، جب وہ شخص پاس آیا تو آپ نے کہا میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں بھلا اگر تمہاری ماں سے کوئی شخص زنا کرے تو کیا تم کو ناگوار نہیں گزرے گا اس نے عرض کیا کیوں نہیں گزرے گا ضرور گزرے گا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر تم ہی بتاؤ کہ دوسروں کو اپنی ماؤں کے ساتھ ایسا ہونا کیونکر گوارا ہوگا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اچھا تمہاری بیٹی کے ساتھ اگر کوئی ایسا فعل کرے تو کیا تم کو پسند ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ" پھر دوسرے اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس کو کیوں پسند کرنے لگے یہاں تک کہ آپ نے بہن اور پھوپھی اور خالہ سب ہی کا نام لے کر دریافت فرمایا اور یوں ہی جواب دیتے رہے کہ پھر دوسرے لوگ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسی بے حیائی کیوں پسند کرنے لگے آخر یہ عورت کہ جس سے زنا کیا جائے کسی کی ماں یا بیٹی یا پھوپھی یا خالہ تو ضرور ہوگی اور جب تمہیں اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے ساتھ بھی کسی کا زنا کرنا گوارا نہیں ہے تو دوسرے مسلمانوں کو ان کے کسی رشتہ دار سے تمہارا زنا کرنا کیونکر گوارا ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے دست مبارک اس کے سینے پر رکھا

اور دعا کی کہ خداوند اس کا قلب پاک کر دیجئے اور گناہ بخش دیجئے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرمایئے اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ اس شخص کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ گناہ زنا ہی تھا۔

ایک مرتبہ مجمع میں حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی گئی کہ حضرت سفیان بن عیینہ نے شاہی تحفہ قبول کر لیا ہے شیخ نے سن کر مجمع میں تو صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ نہیں جی سفیان نے اپنا حق لیا ہوگا اور وہ بھی ناتمام مگر خلوت میں سفیان کو پاس بٹھا کر نہایت نرمی سے نصیحت کی اور فرمایا کہ اے ابو علی ہم اور تم اگر بزرگ نہیں ہیں تو بزرگوں کے محب اور دوست رکھنے والے ضرور ہیں مطلب یہ کہ ہم لوگ چونکہ اس زمرہ میں شمار ہوتے ہیں اس لئے تم کو ایسے افعال سے بچنا چاہیئے جس کو لوگ حجت پکڑیں اور بزرگوں کے نام پر عیب لگائیں۔

دوم:۔ واعظ کو اول اپنی اصلاح کرنی چاہیئے کیونکہ نصیحت کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب کہ ناصح خود بھی باعمل ہو ورنہ لوگ ہنستے اور مذاق اڑایا کرتے ہیں ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ نصیحت کرنے کا جواز یا وجوب اس پر عامل ہونے پر موقوف نہیں ہے اگر کوئی عالم خود عامل نہ بھی ہو تب بھی اس کو نصیحت اور وعظ کا چھوڑ دینا اور گناہوں کے ہوتے ہوئے دیکھ کر سکوت اختیار کرنا جائز نہ ہوگا خوب سمجھ لو کہ یہ خیال بھی ایک شیطانی وسوسہ ہے کہ جب تک خود پورے عامل نہ بن جائیں اس وقت تک دوسروں کو کیا نصیحت کریں گے اگر ایسا خیال معتبر سمجھا جائے تو وعظ اور نصیحت کا سلسلہ مفقود اور اس کا دروازہ بالکل مسدود ہو جائے گا یاد رکھو کہ امر بالمعروف واجب اور ضروری ہے اور عاصی و گنہگار شخص کو بھی وعظ کہہ دینا جائز ہے البتہ واعظین پر یہ دوسرا وجوب مستقل ہے کہ اپنے علم پر عمل کریں اور جس کام کی بھی دوسروں کو نصیحت کریں اس پر خود بھی کاربند ہوں بس اگر

واعظ کو عالم با عمل ہونا چاہیئے تاکہ امر بالمعروف کا اثر ہو

ایک واجب کو ترک کیا اور خود عامل نہ بنے تو دوسرا واجب ترک کرنا کیونکر جائز ہوگا کہ دوسروں کو نصیحت بھی نہ کریں۔

اتباع سنّت

چونکہ اصل سعادت یہی ہے کہ تمام حرکات و سکنات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے اس لیے سمجھ لو کہ آنحضرتؐ کے تمام افعال کی دو قسمیں ہیں

اوّل :۔ عبادات جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ

دوم :۔ عادات مثلاً کھانا پینا۔ سونا، اٹھنا بیٹھنا وغیرہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ دونوں قسم کے افعال میں آپ کا اقتدا کریں کیونکہ حق تعالیٰ نے جس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا حکم فرمایا ہے وہاں کوئی قید نہیں لگائی بلکہ یوں ارشاد فرمایا ہے کہ پیغمبر جو کچھ بھی تم کو دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔ شیخ محمد بن اسلم نے تمام عمر صرف اس خیال سے تربوز نہیں کھایا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربوز کھانے کا انداز معلوم نہیں ہوا تھا ایک بزرگ نے ایک مرتبہ موزہ سہواً اول بائیں پاؤں میں پہن لیا تو اس کے کفارے میں جب تک ایک گون گیہوں خیرات نہ کر دیئے اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے پس معلوم ہوا کہ کامل اتباع اور پوری سعادت مندی یہی ہے کہ عادات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کیا جائے کیونکہ اس میں بیشمار فائدے ہیں اور ذرا سے تساہل سے ایسی نعمت عظمےٰ کو کھو بیٹھنا بے وقوفی ہے۔ اب ہم اس کا سبب اور یہ بات بیان کرتے ہیں کہ اتباع کامل میں کیا فائدے ہیں۔ اس کے تین سبب ہیں۔

اول :۔ تمہیں معلوم ہے کہ دل کو اعضا سے خاص تعلق ہے اور اعضائے بدن کے تمام افعال کا

[illegible]

اثر دل کے اندر پہنچتا ہے۔ لہٰذا جب تک اعضا کی حرکات و سکنات حد اعتدال پر نہ ہوں گی اس وقت تک دل کو کبھی صلاحیت اور نور حاصل نہ ہوگا کیونکہ انسان کا دل آئینہ کی طرح ہے اور آئینہ آفتاب کی روشنی سے اس وقت روشن ہو سکتا ہے جبکہ اس میں تین باتیں موجود ہوں اول یہ کہ اس کو صیقل کیا جائے

دوم یہ کہ اس کا جرم یعنی جسم صاف اور شفاف ہو

سوم یہ کہ اس میں کجی بالکل نہ ہو اسی طرح جب دل کے اندر یہ اوصاف موجود ہوں گے کہ خواہشات نفسانی کے ترک کر دینے سے اس کی صیقل ہو جائے گی اور ذکر الٰہی سے اس میں صفائی پیدا ہو گی اور افعالِ اعضاء کو اعتدال پر رکھنے سے اس میں کجی نہ آنے پائے گی تو اس وقت بے شک اس میں تجلیات باری تعالیٰ کا انعکاس ہوگا اعتدال کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز کو اس کے موقع پر رکھا جائے مثلاً چار سمت ہیں سے ایک سمت یعنی جانب قبلہ کو اللہ تعالےٰ نے عزت بخشی ہے اس لئے تمام نیک کاموں میں خواہ ذکر الٰہی ہو یا تلاوتِ قرآن وضو ہو یا دعاء قبلہ کی جانب منہ کیا جائے اور جو افعال گھنونے کے قابل ہوں مثلاً قضائے حاجت یا بول و براز اور جماع میں ستر کھولنا وغیرہ اس وقت اس جانب سے رخ پھیر لیا جائے ایسا کرنا چونکہ سمت قبلہ کی عزت کا قائم رکھنا ہے لہٰذا یہی اعتدال ہے یا مثلاً حق تعالےٰ نے داہنی جانب کو بائیں جانب پر شرف بخشا ہے اس لئے تمہیں بھی اس کے شرف کا ہر وقت خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر اچھے کام کرنے ہوں مثلاً کلام مجید اٹھانا یا روٹی کھانا تو داہنا ہاتھ آگے بڑھاؤ اور گندے کام کرنے ہوں مثلاً استنجا کرنا۔ ناک سنکنا یا بضرورت کسی ناپاک چیز کو ہاتھ لگانا ہو تو بایاں ہاتھ آگے بڑھاؤ کپڑا پہنو تو اول دائیں طرف اور جوتا پہنو تو اول دائیں پاؤں میں پہنو مسجد میں جاؤ تو پہلے داہنا پاؤں رکھو اور جب باہر نکلو تو اول بایاں پاؤں نکالو الغرض

ہر شئے کے مرتبے کا خیال رکھنا عدل اور انصاف کہلاتا ہے اور اس ظاہری اعتدال سے
قلب بھی معتدل اور مستوی ہو جائے گا اگر یہ رمز تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو تجربہ کر کے دیکھو تم نے
اس کا تجربہ کیا ہو گا کہ جو لوگ سچ بولنے کے خوگر ہوتے ہیں ان کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں
اور جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں ان کے خواب بھی زیادہ جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ راست گوئی
سے قلب میں اعتدال اور درستی و استقامت آجاتی ہے اور دروغ گوئی سے اس میں
کجی پیدا ہو جاتی ہے دیکھو شاعر چونکہ اکثر جھوٹے اور لغو تخیلات کے عادی ہو جاتے ہیں اس
لئے ان کے دل میں کجی پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا جہاں تک ہو سکے دل میں جھوٹے خیالات کو جگہ نہ
دو ورنہ دل کا اعتدال ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

دوسرا رمز یہ ہے کہ دوائیں دو قسم کی ہوتی ہیں بعض وہ کہ جن کے اثر و تاثیر میں مناسبت ہوتی
ہے مثلاً شہد چونکہ گرم ہے اس لئے گرم مزاج والوں کو نقصان دیتا ہے اور سرد مزاج والوں
کو نفع پہنچاتا ہے ایسی دوائیں بہت کم ہیں کیونکہ اکثر دوائیں دوسری قسم میں داخل ہیں یعنی وہ
کہ جن کی تاثیر کسی مناسبت سے نہیں ہوتی اس کا نام خاصیت ہے ظاہر ہے کہ ہر شئے کی خاصیت
یا تو الہام سے معلوم ہوتی ہے یا وحی سے یا تجربہ سے مثلاً سقمونیا دست آور ہے اور رگوں سے
صفرا کو کھینچ لیتا ہے یا مقناطیس کی یہ خاصیت ہے کہ لوہے کو اپنی جانب کھینچتا ہے یہ دونوں
تاثیریں تجربہ ہی سے معلوم ہوئی ہیں اسی طرح اعمال و افعال کی تاثیریں بھی دو ہی طرح کی ہیں
یعنی بعض اعمال میں اور ان کی تاثیروں میں تو کھلی ہوئی مناسبت موجود ہے مثلاً نفس کی خواہشوں
کا پورا کرنا اور دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑ جانا مضر ہے کیونکہ جب مرتے وقت دنیا سے روانگی
ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ ایک نہ ایک دن ضرور ہونا ہے تو اس وقت ضرور ان لذتوں کو چھوڑتے
ہوئے حسرت ہوگی اور جب کچھ نہ بن پڑے گا تو حسرت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا رخصت ہوگا

پس لذتوں میں پڑنے اور ان کے نقصان دہ ضرر میں کھلی ہوئی مناسبت ہے یا مثلاً ذکر الٰہی مفید ہے کیونکہ ذکر کے سبب حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اور معرفت کی بدولت محبت پیدا ہوگی اور محبت خداوندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت کی پائدار لذتوں کا شوق ہوگا لہٰذا دنیا سے جاتے وقت کچھ بھی حسرت نہ ہوگی بلکہ اپنے محبوب سے ملنے کے شوق میں ہنسی خوشی روانہ ہوگا۔ پس ذکر الٰہی اور اس کے ثمرہ و اثر میں بھی مناسبت ظاہر ہے البتہ دوسری قسم کے اعمال اور ان کی تاثیر میں کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی اور یہ وہی خاصیت ہے جو وحی اور نور نبوت کے علاوہ کسی طرح بھی معلوم نہیں ہوسکتی اور اکثر اعمال شریعت چونکہ اسی قسم میں داخل ہیں لہٰذا جب تم دیکھو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مباح کاموں میں سے باوجود دونوں پر قدرت ہونے کے ایک کو ترجیح دی ہے مثلاً استنجا دائیں ہاتھ سے بھی کرسکتے تھے مگر پھر بائیں ہاتھ کو بھی اس کام میں لگایا اور سیدھے ہاتھ کو علیحدہ رکھا ہے تو ظاہر ہے کہ آپ نے اس کی خاصیت معلوم فرما کر ہی ایسا کیا ہے اور ضرور اس میں کوئی خاص نفع ہے جس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا تعجب کی بات ہے کہ محمد بن زکریا طبیب پتھروں اور بوٹیوں کی جو خاصیتیں بتائے وہ تو بلا چون وچرا اور بے سوچے سمجھے صحیح مان لی جائیں اور سید البشر محمد بن عبد اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نور نبوت اور وحی ربانی سے اعمال و افعال کی جو خاصیتیں بیان فرمائیں ان کو نہ مانا جائے۔ اور خلاف عقل بتایا جائے مسلمانو! یقین جانو کہ طبیب روحانی جو کچھ بھی کرے گا ضرور اس میں نفع ہوگا اگرچہ اس کی مصلحت تمہاری عقل اور علم میں نہ آسکے۔

تیسری رمز یہ ہے کہ انسان جانوروں کی طرح آزاد اور بیکار نہیں پیدا کیا گیا بلکہ اس کو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے اس لئے تم کو مناسب ہے کہ جو کام کرو سنت کے موافق کرو تاکہ نفس محکوم اور مطیع بنا رہے اور فرشتہ خصلت بن جاؤ اور یوں

سمجھو کہ بندگی بیچارگی کا نام ہے اس لئے بندہ کو چاہیئے کہ جو حرکت بھی کرے وہ اتباع رسول
کی نیت اور پیغمبر کے حکم سے کرے تاکہ آثار بندگی ہر وقت ظاہر ہوتے رہیں اور ہر دم ریاضت
و اطاعت کا اجر ملتا رہے پابندی وہ چیز ہے کہ اگر فرضاً کوئی شخص اپنا تمام اختیار کسی جانور
کے ہاتھ میں دیدے تب بھی یہ شخص اس سے اچھی حالت میں ہوگا جو سراپا اپنی خواہش پر چلتا ہے
یہ آخری فائدہ حکم شرعی کی ہر وضع سے حاصل ہو سکتا ہے خواہ کسی طرح حکم مقرر ہو جائے
کیونکہ اس کا جو مقصود اصلی ہے کہ ایک خاص طرز کی پابندی ہو ہر طور پر حاصل ہے لہٰذا شرائع
مختلفہ کے احکام بدل جانے پر بھی یہ فائدہ خاصہ محفوظ رہا بخلاف اوّل اور دوسرے فائدہ
کے کہ حکمت اور خاصیت ایک معین چیز ہے اور وہ اختلاف شرائع سے نہیں بدل سکتی پس
اگر تم تینوں رمزوں پر آگہی حاصل کر لوگے تو تم پر تمام حرکات و سکنات میں اتباع سنت کی
ضرورت واضح ہو جائے گی۔

فصل جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ امور عادیہ ہیں اتباع سنت کی ترغیب کے لئے بیان کیا
ہے ان میں بلا عذر اتباع چھوڑ دینے کی تو سوائے کفر خفی یا حماقت جلی کے اور کوئی وجہ سمجھ میں
نہیں آتی مثلاً رسول[1] مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں تنہا
نماز پڑھنے سے ۲۷ درجہ فضیلت ہے اس کے ماننے کے بعد اگر کوئی مسلمان بلا کسی معقول عذر
کے جماعت کی نماز ترک کر دے تو اس کا سبب یا تو اس کی حماقت ہے کہ اگر کوئی شخص
دو پیسہ چھوڑ کر ایک پیسہ لے تو اس کو احمق بتا دے اور خود ستائیس فضیلتیں چھوڑ کر ایک پر
اکتفا کرے تو بیوقوف نہ ہو اور یا نعوذ باللہ یہ خیال ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا
یہ ارشاد محض انتظامی مصلحت کی بنا پر ہے تاکہ اس رغبت سے لوگ ایک جگہ جمع ہو جایا
کریں کیونکہ ستائیس کے عدد اور جماعت سے نماز پڑھنے میں کوئی مناسبت معلوم نہیں

[1] بخاری مسلم ابن ماجہ ترمذی نسائی احمد مالک ۱۲۔

ہوتی پس اگر خدانخواستہ ایسا خیال ہے تو یہ کفر ہے اور کفر بھی ایسا خفی کہ اس کی اطلاع
اپنے آپ کو بھی نہیں ہے لوگوں کا ایسا حال ہو گیا ہے کہ اگر کوئی طبیب یا رمال یا نجومی کوئی بات
بتائے تو اس کی وجہ خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کو فوراً تسلیم کر لیں گے لیکن نبی کے قول میں
مناسبت ڈھونڈتے ہیں بھلا اگر کوئی نجومی یوں کہے کہ ستائیس دن گزرنے پر تم کو ایک مصیبت
کا سامنا ہو گا۔ کیونکہ تمہارے طالع اور زحل میں ۲۷ درجہ کا بعد ہے اور ہر روز ایک درجہ کم ہو
گا اس لئے اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو گھر میں بیٹھے رہو اور باہر نہ نکلو اس کو سن کر بیشک تم گھر کے
پیوند ہو جاؤ گے اور سب کاروبار چھوڑ بیٹھو گے اور اگر کوئی سمجھائے بھی کہ ارے میاں ایک درجہ
اور ایک دن میں کیا مناسبت ہے اور مصیبت اور زحل میں کیا تعلق ہے نیز باہر نہ نکلنے اور مصیبت
کے ٹل جانے میں کیا علاقہ ہے یہ سب واہیات باتیں اور نجومی پنڈتوں کے ڈھکوسلے ہیں ان کا
خیال ہی مت کرو تو تم اس کا کہنا کبھی نہ مانو گے اور اس کو احمق و بیوقوف اور علم نجوم کا منکر سمجھو گے
پھر افسوس صد افسوس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اعمال میں تمام مناسبتوں کو
سمجھنا چاہتے ہو اور اگر سمجھ میں نہ آئیں تو منکر و بد اعتقاد بنے جاتے ہو تم ہی بتاؤ کہ یہ کفر اور انکار رسالت
نہیں ہے حالانکہ ان عبادات کا موثر ہونا تجربہ سے بھی معلوم ہو چکا ہے اور پھر یہ بھی ضروری نہیں
کہ نبی کی دی ہوئی خبروں کی مناسبتیں اور مصلحتیں سب کو معلوم ہو جایا کریں بھلا میں تم سے پوچھتا
ہوں کہ اگر طبیب کوئی دوا بتائے اور اس کی خاصیت تم سے نہ بیان کرے یا نجومی کسی آئندہ واقعہ
پر کوئی حکم لگائے اور اس کی مناسبت تم کو نہ بتلائے تو کیا اس کی بات منظور نہیں کرتے مگر افسوس
نبی و رسول کوئی روحانی علاج فرمائیں اور اس کی مناسبت اور خاصیت کی کمی تو اس کو منظور نہیں
کرتے اس کا سبب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ نجومی اور طبیب چونکہ موجودہ زندگی کے متعلق علاج
بتا رہے ہیں اور اس زندگی کے ساتھ تم کو محبت ہے لہٰذا آنے والی مصیبت یا مرض کے فکر میں

اس کی وجہ اور مناسبت پوچھے تک کا ہوش نہیں رہتا بلکہ دس برس بعد آنیوالی مصیبت کا آج ہی سے فکر و انتظام شروع ہو جاتا ہے حالانکہ وہ محض موہوم اور ایسے لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کا جھوٹ ہزاروں دفعہ تم خود آزما چکے ہو اور جو ٹکے ٹکے پر ایسی باتیں بتلاتے دربدر مارے مارے پھرتے ہیں اور نبی چونکہ طبیب روحانی ہوتے ہیں اس لئے قلبی امراض کا علاج اور دائمی صحت کی تدبیر بتلاتے ہیں مگر اس کی تمہیں مطلق پرواہ نہیں اور اندیشہ و فکر نہیں بلکہ آنے والی آخرت کی زندگی کا جیسا کہ یقین ہونا چاہیئے وہ یقین ہی حاصل نہیں اس لئے ان میں مناسبتیں پوچھتے ہو اللہ تعالیٰ ایسی غفلت سے بچائے جسکی وجہ سے عبادتوں میں اتباع رسول نہ ہو سکے مسلمانوں کی یہی شان ہے کہ جس امر میں بھی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو اس میں بے چون و چرا اقتدا کر لیا کریں مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ہے کہ شنبہ یا پنجشنبہ کے دن پچھنے لگوانے سے برص کا اندیشہ ہے ایک محدث نے اس حدیث کو ضعیف کہہ کر قصداً شنبہ کے دن پچھنے لگوائے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برص میں مبتلا ہو گئے چند روز بعد ایک شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مرض کی شکایت کرنے لگے تو حضرت نے فرمایا کہ جیسا کیا ویسا بھگتو۔ شنبہ کے دن پچھنے کیوں لگوائے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کا راوی ضعیف تھا۔ آپ نے فرمایا حدیث تو میری نقل کرتا تھا عرض کیا کہ یا رسول اللہ خطا ہوئی میں توبہ کرتا ہوں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور صبح کو آنکھ کھلی تو مرض کا نشان بھی نہ رہا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عصر کے بعد سو جانے سے عقل کے جاتے رہنے کا خوف ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کے ایک جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو جب تک اس کو درست نہ کرا لے اس وقت تک صرف ایک

---

[1] حاکم و بیہقی صحیح ۱۲۔

جو نایہن کر ہرگز نہ چلے اور دوسری حدیث میں ہے کہ زچہ کی اول خوراک تر کھجور ہونی چاہیئے اور اگر یہ نہ ہو تو خشک چھوارا ہی سہی کیونکہ اگر اس سے بہتر کوئی غذا ہوتی تو حق تعالیٰ عیسیٰ روح اللہ کے پیدا ہونے پر بی بی مریم علیہ السلام کو وہی کھلاتا نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی تمہارے پاس مٹھائی لائے تو اس میں سے کچھ کھا لیا کرو اور خوشبو لائے تو لگا لیا کرو اسی طرح جو کچھ بھی طبیب روحانی فرما دیں اس میں مناسبتیں نہ ڈھونڈو بے چون و چرا مان لو کیونکہ ان امور میں بیشمار اسرار و رموز ہیں جن کی خاصیتیں ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

خاتمہ اور عبادات کی ترتیب

مذکورہ عبادتوں میں سے بعض عبادتیں ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور تلاوت کلام اللہ کہ تینوں ایک وقت میں پائی جا سکتی ہیں مثلاً روزہ دار شخص نماز میں قرآن شریف پڑھے تو دیکھو ایک ہی وقت میں تینوں عبادتیں حاصل ہو رہی ہیں اور بعض عبادات ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں مثلاً یہ نہیں ہو سکتا کہ ذکر الٰہی بھی ہو اور تلاوت کلام اللہ بھی یا نماز بھی اور مسلمانوں کے حقوق کی خبر گیری بھی ہو اس لئے مناسب ہے کہ ان مختلف عبادتوں کو رات دن کے چوبیس گھنٹوں پر تقسیم کرو کیونکہ اوقات کا انضباط ہونے سے سہولت بھی ہو جائے گی اور جو عبادت کا مقصود ہے وہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ ذکر الٰہی سے اُنس اور جہان فانی سے بیزاری اور نفرت پیدا ہو جائے گی۔ یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس عالم فانی کے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ سے محبت کرے تاکہ اس کو آخرت کی خوبی حاصل ہو لیکن چونکہ محبت بغیر معرفت کے ہو نہیں سکتی اسلئے معرفت الٰہی مقدم اور

لہ بیہقی مگر مضمون جو مضمون ابوداؤد کا ہے وہ قوی ہے ۱۲

ضروری ہے اور معرفت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہر وقت حق تعالیٰ کے دھیان اور یاد میں مشغول رہو چونکہ جتنی بھی عبادات ہیں سب دھیان اور یاد ہی کی غرض سے ہیں اور ان کو مختلف اقسام کا اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ ہر وقت ایک ہی طرح کی عبادت میں مشغول رہنے سے دل گھبرا نہ جائے اور نیز اگر ہر وقت ایک ہی عبادت کی جائے گی تو طبیعت اس کی خوگر ہو جائے گی اور عادت ہو جانے کی وجہ سے ان کی قلبی تاثیر فوت ہو جائے گی ان سے قلبی اثر جاتا رہے گا اس لیے ہر عبادت کے لیے جدا وقت تجویز کر لینا ضروری ہے البتہ جو لوگ فنا اور مستغرق ہو جائیں ان کی ترتیب و تقسیم کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس مرتبہ میں پہنچ کر ایک ہی عبادت رہ جاتی ہے اور ہر وقت ذکر میں مشغولی ہوتی ہے مگر یہ درجہ ایسا نہیں کہ ہر شخص اس کو حاصل کر سکے اس لئے تمہیں اوقات منضبط کرنے کی نہایت ضرورت ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت یہ عبادت اور اس گھنٹہ سے اس گھنٹہ تک یہ عبادت اور دن کو یہ اور رات کو یہ۔ البتہ اگر علم دین پڑھتے پڑھاتے ہو یا کسی جگہ کے حاکم ہو اور رعایا کی حفاظت میں مشغول ہو تو دن بھر اس میں مشغول رہنا دوسری عبادتوں سے بہتر ہے کیونکہ علم دین ہی کی بدولت حکم الٰہی کی تعظیم حاصل ہوتی ہے اور جو نفع اس تعلیم یا مخلوق کی حفاظت و نگہبانی سے لوگوں کو پہنچتا ہے وہ اصل دین ہے اسی طرح عیالدار آدمی کو محنت مزدوری کرنا اور حلال معاش سے بال بچوں اور متعلقین کا پیٹ بھرنا بھی عبادت بدنی سے افضل ہے مگر ان حالتوں میں بھی ذکر الٰہی سے علیحدگی مت اختیار کرو بلکہ جس طرح کوئی عاشق اپنے محبوب کے سوا جس کام میں بھی مشغول ہوتا ہے بحالت مجبوری صرف ہاتھ پاؤں سے مشغول ہوتا ہے اور اس کا دل ہر وقت محبوب کے خیال میں رہتا ہے۔ اسی طرح تم بھی چاہیے جس کام میں مشغول ہو اور اعضائے بدن سے اس کو انجام دو مگر دل کو حق تعالیٰ ہی کے خیال میں مصروف رکھو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ ہاتھ سے کسب

کرنے اور محنت مزدوری سے معاش حاصل کیا کرتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تین چیزیں مرحمت ہوئی ہیں یعنی ہاتھ اور زبان اور قلب سو ان میں سے ہاتھ تو کسب معاش کر لئے ہے اور زبان مخلوق کے واسطے ہے تاکہ پڑھائیں اور سمجھائیں اور باتیں کریں اور قلب دنیا کے کسی شخص کا بھی نہیں ہے بلکہ صرف اللہ جل جلالہٗ کے لئے ہے کہ ہر وقت اس کے حضور میں حاضر رہے۔

اعمال ظاہری کا بیان ختم ہوا۔ عمل کرنے والوں کے لئے اتنا ہی اللہ تعالیٰ یہی کافی ہے حق تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے۔

۲- اخلاقِ ذمیمہ اور قلب کو ان سے پاک کرنے کے دس (۱۰) اصول

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے اپنا قلب پاک بنا لیا وہی فلاح کو پہنچا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "طہارت نصف ایمان ہے"[1] کیونکہ ایمان کے دو جز ہیں یعنی قلب کا ان نجاستوں سے پاک کرنا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان خوبیوں سے آراستہ کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہیں۔ گویا نجاست سے طہارت کرنا ایمان کا ایک جزو ہے اور طاعت سے زینت و آرائش اس کا دوسرا جزو ہے لہٰذا اول وہ اخلاقِ ذمیمہ معلوم ہونے چاہئیں جن سے قلب کو پاک رکھنا ضروری ہے سو ان کے اصول بھی دس ہیں جن میں سے ہر ایک کا الگ بیان کیا جاتا ہے۔

۱- حرصِ طعام

زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنے کی ہوس بیسیوں گناہوں کی جڑ ہے کیونکہ اس سے جماع کی خواہش بڑھتی ہے اور جب شہوت بڑھتی ہے تو مال حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ شہوتیں مال کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں اس کے بعد طلبِ جاہ کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ جاہ

---

[1] مسلم ترمذی۔

کے بغیر مال کا حاصل ہونا دشوار ہے اور حب مال وجاہ کی خواہش پیدا ہوگی تو تکبر۔ ریا، حسد کینہ۔ عداوت غرض بہت سی آفتیں جمع ہو جائیں گی اور دین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہو جائے گا اس لئے حدیث میں بھوک کی زیادہ فضیلت آئی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ آدمی کے لئے بھرنے کے واسطے پیٹ سے زیادہ کوئی برا برتن نہیں آدمی کو ضرورت کے لئے تو چند لقمے کافی ہیں جن سے زندگی قائم اور کمر مضبوط رہے اور اگر اس سے زیادہ ہی کھانا ضروری ہے تو پیٹ کے تین حصے کر لینے چاہئیں کہ تہائی حصہ کھانے کے لئے اور تہائی حصہ پانی کے لئے اور تہائی حصہ سانس کے لئے خالی چھوڑ دیا جائے۔ بھوک میں فائدے تو بے شمار ہیں مگر ہم ان میں سے چند بڑے بڑے فائدوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو اصول کہنا چاہیئے اور در حقیقت آخرت کی سعادت کا حاصل ہونا انہی پر موقوف ہے۔

اول :- قلب میں صفائی اور بصیرت میں روشنی حاصل ہوتی ہے کیونکہ پیٹ بھر لینے سے کند ذہنی پیدا ہوتی ہے اور قلب کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور جب ذکاوت جاتی رہی تو معرفت الٰہی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔

دوم :- دل رقیق ہو جاتا ہے اور مناجات میں مزا آتا ہے کیونکہ جب یہ توبرہ خالی ہو گا تو اپنے مالک کے سامنے سوال والتجا اور دعا کرنے میں لطف آئے گا اور خوف و خشیت و انکسار پیدا ہو گا جو معرفت کے حاصل کرنے کی کنجیاں ہیں۔

سوم :- سرکش نفس ذلیل اور مغلوب ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب دشمن خدا کو شکست ہوگی اور غفلت کا دروازہ بند ہو گیا تو حق تعالیٰ کی جانب توجہ ہوگی اور سعادت کا

---

[1] ترمذی ونسائی وابن ماجہ وحاکم صحیح ۱۲۔

فضائل اعمال مع حکمت

دروازہ کھل جائے گا یہی وجہ ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا پیش کی گئی تو آپ نے منظور نہیں فرمایا اور یوں عرض کیا کہ بارِ الٰہا میں چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھرے تاکہ شکر ادا کروں اور ایک دن فاقہ ہو تاکہ صبر کروں۔

چہارم :۔ آخرت کی مصیبتوں اور عذاب کی تکلیفوں کا دنیا میں بھی کچھ مزا چکھنا چاہیئے تاکہ ان کی اذیت سے نفس خبردار ہو کر ڈرے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنے نفس کو بھوک سے زیادہ کوئی عذاب نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اس میں کسی قسم کے تکلف اور سامان فراہم کرنے کی حاجت نہیں ہے اور جب بھوک کی وجہ سے عذاب الٰہی کا ہر وقت مشاہدہ رہے گا تو حق تعالیٰ کی معصیت کی جانب توجہ بھی نہ ہوگی اور نافرمانی کی جرأت نہ ہو سکے گی۔

پنجم :۔ تمام شہوتیں کمزور ہو جاتی ہیں کیونکہ کسی خواہش کے پورا ہونے کی آرزو نہیں رہتی اور دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں نے پیٹ بھر کر کھایا ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی گناہ مجھ سے صادر ہوا یا کم سے کم گناہ کا قصد تو ہو ہی گیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلی بدعت جو ایجاد ہوئی وہ پیٹ بھر کھانا ہے" پس جب مسلمانوں کے پیٹ بھرنے لگے تو ان کے نفس ان کو دنیا کی جانب کھینچ کر لے گئے۔

ششم :۔ زیادہ نیند نہیں آتی اور عبادت گراں نہیں گزرتی کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے سے نیند کا غلبہ ہوا کرتا ہے اور نیند سے عمر بھی کم ہوتی ہے کیونکہ وہ خدا کی عبادت نہیں کرنے دیتی حضرت ابوسلیمان درانی فرماتے ہیں کہ جنہوں نے شکم سیر ہو کر کھایا ہے ان میں چھ خصلتیں

لہ ترمذی ۲ لہ بخاری کتاب الضعفاء ابن ابی الدنیا کتاب الجوع میں ۱۴۔

پیدا ہوئیں اوّل عبادت کی حلاوت جاتی رہی دوم حکمت۔ فراست اور ذکاوت و نور معرفت کا حاصل ہونا دشوار پڑ گیا سوم مخلوق خدا پہ شفقت۔ اور ترس کھانے سے محرومی ہوئی کیونکہ سب کو اپنا ہی جیسا پیٹ بھرا ہوا سمجھا چہارم معدہ بھاری ہو گیا پنجم خواہشات نفسانی زیادہ ہو گئیں اور ششم یہ حالت ہو گی کہ مسلمان مسجدوں میں آ رہے ہوں گے اور یہ بیت الخلا جا رہا ہوگا اللہ کے بندے بیت اللہ کا چکر لگائیں گے اور یہ کوڑیوں کا گنتی کر رہا ہوگا۔

ہفتم : دنیوی تفکرات کم ہو جائیں گے اور فکر معاش کا بار ہلکا ہو جائے گا کیونکہ جب بھوک کی عادت ہو گئی تو تھوڑی سی دنیا پر قناعت کر سکے گا اور پیٹ کی خواہش پورا کرنے کو دوسروں سے قرض نہ لے گا بلکہ اپنے ہی نفس سے قرض مانگے گا یعنی اس کو خالی رکھے گا شیخ ابراہیم ابن ادہمؒ سے جب کہا جاتا تھا کہ فلاں چیز گراں ہو گئی تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ "ترک کر دو اور اس کی خواہش چھوڑ کر اس کو ارزاں بنا لو" اس سے زیادہ سستی چیز کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو خریدا ہی نہ جائے۔

فصل : چونکہ لوگوں کو شکم سیری اور زیادہ کھانے کی عادت پڑی ہوئی ہے اس لئے یک لخت اس کا چھوڑنا دشوار ہوتا ہے لہٰذا اپنی مقررہ خوراک میں روزانہ ایک لقمہ کم کر دیا کرو تو مہینہ بھر میں ایک روٹی کم ہو جائے گی اور کچھ گراں بھی نہ گزرے گا اور جب اس کی عادت ہو جائے تو اب مقدار اور وقت اور جنس کی طرف توجہ کرو تا کہ رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاؤ یاد رکھو کہ مقدار کے تین درجے ہیں۔

اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے یعنی بس اتنا کھانا چاہیئے کہ جس سے کمی کرنے میں زندگی جاتی رہے یا عقل میں فتور آ جائے اس مرتبہ میں اس سے زیادہ کھانا گویا پیٹ بھر کر کھانا ہے حضرت سہل تستریؒ

کے نزدیک یہی مختار ہے ان کی رائے یہ تھی کہ بھوک کے ضعف کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا شکم سیری کی قوت کے سبب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ روزانہ نصف مد یعنی دو تہائی رطلؓ پر اکتفا کیا کرو حضرت عمرؓ فاروق اور اکثر صحابہ رضوان اللہ اجمعین کی عادت یہ تھی کہ ہفتہ بھر میں ایک صاعؓ جو سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ روزانہ ایک مد کی مقدار کھاؤ پیس اگر اس سے زیادہ کھاؤ گے تو پیٹ کے بندے سمجھے جاؤ گے اور چونکہ مقدار اور خوراک کے بارے میں لوگوں کی طبیعتیں اور حالات مختلف ہوتے ہیں لہٰذا سب کے لئے ایک مقدار معین نہیں ہو سکتی جیسا کہ دیکھا جاتا ہے اس لئے قاعدہ کلیہ یاد رکھو کہ جب انتہائے صادق ہو تو کھانے کی جانب ہاتھ بڑھاؤ اور یہ اشتہا پوری نہ ہونے پائے تو ہاتھ روک لو اور صادق اشتہا کی علامت یہ ہے کہ جیسی بھی روٹی سامنے آجائے اس کو سالن اور ترکاری کے بغیر کھانے کی رغبت ہو کیونکہ جب خالص گیہوں کی خواہش ہوئی یا سالن کے بغیر روٹی کھانا گراں گزرا تو معلوم ہوا کہ بھوک کی سچی خواہش نہیں ہے بلکہ طبیعت کو لذت اور ذائقہ کی جانب ایسا میلان ہے جیسا شکم سیر ہونے کے بعد پھل یا میوہ کا ہوا کرتا ہے ظاہر ہے کہ اس کا نام بھوک نہیں ہے بلکہ تفکر اور تلذذ ہے۔ کھانے کے وقت میں بھی کئی درجہ ہیں۔ اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ کم سے کم تین دن بھوکے رہ کر چوتھے دن کھایا کرو دیکھو حضرت صدیقؓ پے در پے چھ چھ دن تک بھوکے رہتے تھے اور حضرت ابراہیم بن ادھمؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ سات دن بھوکے رہنے کے عادی تھے اور بعض بزرگوں کے فاقہ کی نوبت چالیس دن تک پہنچی ہے یاد رکھو کہ جو شخص چالیس دن تک بھوکا رہے گا اس پر ملکوتی عجائبات اور اسرار میں سے کوئی

ؓ ایک رطل چوالیس تولہ یعنی کچھ اوپر آدھ سیر کا ہوتا ہے ؓ ایک صاع ساڑھے تین سیر انگریزی وزن سے ہوتا ہے

راز ضرور منکشف ہوگا لیکن چونکہ یک لخت اس درجہ کا حاصل کرنا بھی دشوار ہے اس لئے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالو متوسط درجہ یہ ہے کہ دو دن بھوکے رہو اور تیسرے دن کھایا کرو اور ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ روزانہ صرف ایک دفعہ کھاؤ کیونکہ دونوں وقت کھانے سے تو بھوک کی کبھی حاجت ہی نہ ہوگی پس جو شخص دو وقتہ کھانے کا عادی ہے اس کو تو بھوک کا مزہ ہی نہیں معلوم ہو سکتا کہ کیسا ہوتا ہے؟

قلت طعام کے مختلف درجات

جنس میں اعلیٰ درجہ گیہوں کی روٹی کا ترکاری کے ساتھ کھانا ہے اور ادنیٰ درجہ جو کی روٹی کو بلا ترکاری کھانا۔ یاد رکھو کہ ترکاری کی عادت اور مداومت بہت بُری ہے حضرت فاروقؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ صاحبزادے کبھی گوشت روٹی کھاؤ اور کبھی روٹی اور گھی اور کبھی دودھ روٹی کبھی سرکہ روٹی کبھی زیتون کے ساتھ روٹی کھاؤ اور کبھی نمک کے ساتھ اور کبھی سادہ روٹی پر قناعت کیا کرو حضرت فاروقؓ کا یہ ارشاد بھی ان لوگوں کے لئے ہے جن کو ترکاری کی ہمیشہ عادت ہے لیکن جو اہل طریقت اور سالک ہیں ان کو ترکاری کیا معنی ساری ہی مزہ دار چیزوں اور خواہشوں کے پورا کرنے سے منع کیا جاتا ہے بعض بزرگوں نے ایک چیز کی خواہش دس دس بیس بیس برس روکے رکھا ہے اور اس کو پورا نہیں ہونے دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں بدتر لوگ وہ ہیں جن کے بدن عمدہ غذاؤں اور لذیذ طعام سے پرورش پاتے ہیں ایسے لوگوں کی ہمتیں بس طرح طرح کے کھانوں اور قسم قسم کے لباس ہی کی جانب متوجہ ہیں کہ وہ محض منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں بناتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے

جنس طعام کے مختلف درجات

۲۔ فضول گوئی

اس کا قطع کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ یوں تو اعضاء کے تمام کاموں کا اثر قلب

بس پڑتا ہے مگر زبان چونکہ قلب کی سفیر ہے اور جو نقشہ قلب میں کھنچتا ہے اور جس چیز کا تصور دل میں آتا ہے اس کا اظہار زبان ہی کیا کرتی ہے اس لئے اس کی تاثیر قلب پر زیادہ نمایاں ہوتی ہے یاد رکھو کہ جب زبان جھوٹی ہو جاتی ہے تو دل میں بھی صورت کاذبہ کی تصویر کھنچتی اور کجی آجایا کرتی ہے خصوصاً جب کہ جھوٹ کے ساتھ فضول ولغو گوئی بھی شامل ہو تو اس وقت تو قلب بالکل ہی سیاہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کثرت کلام سے قلب مرجاتا ہے اور اس میں معرفت الٰہی حاصل کرنے کی قابلیت ہی نہیں رہتی اسی وجہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ہے کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کا کفیل[2] ہو گیا میں اس کے لئے جنت کا کفیل ہوں حدیث[3] شریف میں آیا ہے کہ زبان ہی کے کرتوت اکثر لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں دھکیلیں گے لہٰذا اس کی حفاظت بہت ضروری ہے مسلمان کو چاہیئے کہ اگر زبان ہلائے تو نیک بات اور کلمۃ الخیر بولے ورنہ چپ رہے کیونکہ جب زبان زیادہ چلنے لگتی ہے تو لغو گوئی بڑھ جاتی ہے اور جب لغو گوئی بڑھ گئی تو خدا جانے کس حد تک پہنچے اور کیا کچھ منہ سے بکتا پھرے حضرت ابو بکر صدیق رضی اپنے منہ میں پتھر رکھ لیتے تھے تاکہ نفس متنبہ رہے اور زبان ضرورت سے زیادہ کام نہ کرے۔

فصل:۔ زبان کے متعلق گناہوں سے بچنے کے لئے اس آیت پر عمل کرنا کافی ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ[4] مِّن نَّجْوَاهُمْ جس کا منشا یہ ہے کہ فضول اور بے فائدہ کلام نہ کرو صرف ضروری بات کے اظہار پر اکتفا کرو اسی میں نجات ہے حضرت[5] انس فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک جوان شہید ہو گیا لڑائی سے فراغت کے بعد شہیدوں کی نعشوں میں اسکی نعش بھی ملی

---

[1] بخاری و ترمذی ۱۲ [2] ذمہ دار کہ ان سے گناہ نہ ہو کیونکہ اکثر گناہ انہیں سے ہوتے ہیں ۱۲ [3] طبرانی و ترمذی وغیرہ ۱۲
[4] نہیں بھلائی ہے ان کی بہت سی سرگوشیوں میں [5] جس سے اس کے زخموں میں کمی آجائے گو شہادت کا ثواب ہے اور حدیث اس ثواب کی نفی نہیں۔

اور دیکھا گیا کہ اس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا تھوڑی دیر بعد اس کی ماں آئی اور فاقہ کی حالت میں اللہ کے نام پر جان دینے والے شہید بیٹے کے پاس بیٹھ کر اس کے منہ سے مٹی پونچھی اور کہا کہ بیٹا تجھ کو جنت مبارک ہو یہ سن کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا خبر ہے ممکن ہے بے فائدہ کلام کرنے کا عادی ہو مسلمان کو وہی بات زبان سے نکالنی چاہیئے جس سے ثواب حاصل ہو اور یا کوئی نقصان رفع ہو اور جس بات کے زبان سے نکالنے میں نہ کوئی ثواب ہوتا ہے نہ کچھ نقصان رفع ہوتا ہے تو وہ عبث اور فضول ہے اور اس سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے جتنی دیر فضول گوئی میں مشغول رہنے ہو اگر یہ وقت ذکر الٰہی میں صرف ہو۔ تو نیکیوں کا کتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے پھر ایسا خزانے کو چھوڑنا اور ڈھیلے جمع کرنا کون سی عقلمندی ہے اور اگر فضول گوئی سے بڑھ کر دروغ گوئی تک نوبت پہنچی اور زبان سے غیبت اور گالیاں اور فحش یعنی ایسی باتیں نکلنے لگیں جن میں نفع تو درکنار الٹا دین کا ضرر اور نقصان ہے تب تو ایسی مثال ہو گی کہ بھرپور خزانہ چھوڑ کر آگ کے الاؤ میں جا گھسے اللہ اس حالت سے پناہ میں رکھے تمام قصے کہانیاں سفرنامے مختلف ملکوں کی تاریخیں اور باشندگان دنیا کے لباس و خوراک و طرز معاشرت و تمدن کے تذکرے، اور تجارتوں حرفتوں صنعتوں کے حالات سب اسی فضول اور عبث کلام میں داخل ہیں جس میں مشغول ہونا مقصود ہے اور آیت مذکورہ کی منشا کے بالکل خلاف ہے۔

فصل: ۔ زبان کے متعلق بیس آفتیں ہیں لیکن چونکہ ہر ایک کی جدا جدا تشریح کا یہ موقع نہیں ہے اس لئے یہاں مختصر طور پر یہاں صرف ان پانچ گناہوں کو بیان کئے دیتے ہیں جن میں لوگ بکثرت منہمک ہیں اور جن سے زبان گویا نجاستوں کی خوگر ہو گئی ہے پہلی آفت[۱] جھوٹ بولنا ہے،

حاشیہ: زبان کی بیس آفتیں

۱۔ بخاری و مسلم

یہاں تک کہ اس کا عادی ہو جاتا ہے اور خدا کے یہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جھوٹ بولنا مسلمانوں کی شان نہیں اور ایمان اور جھوٹ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یاد رکھو کہ جھوٹ بولنے سے دل میں کجی آجاتی ہے اور خواب بھی سچے نظر نہیں آتے مذاق میں بھی دوسروں کے ہنسانے کو جھوٹ نہ بولو اور ہمیشہ جھوٹے خیالات اور خطرات سے قلب کو بچائے رکھو ورنہ قلب میں کجی پیدا ہو جائے گی۔ اور تجربہ اس کا شاہد کہ ایسے آدمیوں کو خواب سچا نظر نہیں آتا ایک مرتبہ کسی عورت اپنے صغیر سن بچے کو بلایا اور کہا کہ آؤ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ اگر بلانے سے بچہ آگیا تو کیا چیز دے گی عورت نے کہا چھوارے دے دوں گی آپ نے فرمایا کہ اگر کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا اور صرف بہلانے کے لئے ایسا لفظ نکلتا تو یہ بھی زبان کا جھوٹ شمار ہوتا البتہ ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سچ بولنے سے کسی ایسے گناہ یا نقصان کا اندیشہ ہو جو جھوٹ کے گناہ و نقصان سے زیادہ ہے مثلاً دو مسلمانوں میں صلح کرا دینے یا جہاد میں دشمن کو دھوکا دینے یا بی بی کو رضامند اور خوش کرنے کے لئے جھوٹ بول دینے کی حدیث[1] میں اجازت آئی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں میں رنج و عداوت رہنے سے جو برا نتیجہ پیدا ہوگا وہ جھوٹ کے نقصان سے بڑھا ہوا ہے اسی طرح جنگ کے راز کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ اگر دشمن کو اطلاع ہوئی تو اس کو حملے کا موقع ملے گا اور ہزاروں پاک جانیں تلف ہو جائیں گی اس لئے اصل بات کا ظاہر نہ کرنا اور جھوٹی بات بنا دینا افضل ہوا اسی طرح خاوند کے بعض اسرار بی بی سے مخفی رہنے کے قابل ہیں پس اگر راست گوئی کے سبب کوئی خیانت اس پر ظاہر ہو گیا۔ اور میاں بی بی میں نا اتفاقی ہو گئی تو جو برا اثر پیدا ہو گا اس میں جھوٹ بولنے کی بہ نسبت زیادہ گناہ ہے

---

[1] مسلم میں ہے ۱۲۔ ۵ اس سے بدعہدی مراد نہیں کہ وہ حرام ہے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ

پس ایسی صورت میں جھوٹ بولنے کی اجازت ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو جائے
تو آسان اور ہلکی مصیبت کو ترجیح دے کر اختیار کر لیتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے کسی شخص
کے بھوکا مرجانے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے مردار بھی حلال ہے اسی طرح اپنا یا اپنے مسلمان بھائی
کا مال ظالم کے ہاتھ سے بچانے کو یا کسی خفیہ رکھی ہوئی امانت کو محفوظ رکھنے کے لئے دوسروں
کے سامنے انکار کر دینا اور جھوٹ بول دینا جائز ہے اور اپنی معصیت و گناہ کا انکار کر دینا بھی
اسی وجہ سے جائز ہے کہ فسق و فجور کا اعلان حرام ہے یا اپنی بیوی سے یہ کہہ دینا کہ میری دوسری
بی بی تمہاری سوت مجھے تم سے زیادہ پیاری نہیں ہے یہ سب باتیں اسی بنا پر جائز ہیں کہ اس
جھوٹ سے ایک ضرر دفع کیا گیا ہے البتہ روپیہ کمانے یا عزت و جاہ حاصل کرنے کی غرض سے
جھوٹ بولنا ہرگز حلال نہیں ہے کیونکہ اگر مال و جاہ نہ بڑھے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا زیادہ
سے زیادہ یہ ہے کہ سچ سے نفع حاصل نہیں ہوتا اور نفع کا حاصل نہ ہونا نقصان نہیں
کہلاتا اس باریکی کو لوگ نہیں سمجھتے اور اکثر اس غرض کے لئے جھوٹ بولا کرتے ہیں حالانکہ
یہ حرام قطعی ہے اور درحقیقت ان کے دین کی تباہی کا یہی سامان ہے کیونکہ ضرورت اور
بے ضرورت میں تمیز نہیں کرتے افسوس کی بات ہے کہ جاہلوں نے خیالی اور فرضی ضرورتوں کو بھی
ضرورت سمجھ لیا ہے حالانکہ شرعی اور واقعی ضرورت جس کا نام ہے وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں
کہ جب تک حالتِ اضطرار اور کسی بڑے نقصان کا غالب گمان نہ ہو اس وقت جیسے
مردار کا کھانا حلال نہیں ہے ایسے ہی جھوٹ بولنا جو شرعاً حرام ہے وہ بھی جائز نہیں
ہے اور اس شدید ضرورت کے موقع پر حتی الامکان تعریض اور توریہ ہی کرنا چاہیئے کہ
کہ نفس کو جھوٹ بولنے کی عادت نہ ہو جائے شیخ ابراہیم رحمہ گھر کے اندر کسی ضروری کام
میں مشغول ہوتے اور کوئی ان کو باہر بلاتا تو خادم سے کہتے تھے یوں کہدے کہ "مسجد میں ڈھونڈ"

اور حضرت شعبیؒ انگلی سے ایک دائرہ کھینچ کر خادمہ سے فرماتے کہ اس گھیرے کے اندر انگلی رکھ کر کہدے کہ یہاں نہیں ہیں" اس تعریض سے اپنا مقصد بھی حاصل ہو جاتا تھا! اور حقیقت میں جھوٹ بھی نہ ہوتا تھا البتہ صورت جھوٹ کی سی تھی اور یہی تعریض و توریہ کہلاتا ہے اس قسم کی تعریضیں معمولی غرض کے لیے بھی جائز ہیں جب کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو جیسے ایک بڑھیا عورت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح کے طور پر یوں فرما دیا تھا کہ "بڑھیا جنت میں کبھی نہ جائے گی" یہ سن کر بڑھیا رونے لگی کیونکہ جو مطلب ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آتا تھا وہ یہی تھا کہ بڑھیا بھی جنتی نہیں ہے حالانکہ مراد یہ تھی کہ بڑھاپے کی حالت سے جنت میں نہ جائیگی بلکہ جب بڑھیا بھی جنت میں جائے گی وہ جوان بن کر جائے گی) یا مثلاً ایک شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لیے اونٹ مانگا تو آپ نے فرمایا اچھا ٹھیرو ہم تمہیں اونٹ کا بچہ دیں گے یہ سن کر سائل نے عرض کیا کہ اسے لے کر کیا کروں گا اس وقت آپ نے تعریض کا مطلب سمجھا دیا کہ میاں بڑا اونٹ بھی تو آخر کسی اونٹ سے ہی پیدا ہوا ہے جس اونٹ سے پیدا ہوا اس کا تو بچہ ہی ہے یا مثلاً ایک شخص سے آپ نے فرمایا کہ تمہاری آنکھ میں سفیدی ہے اور ظاہر ہے کہ سب کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے مگر چونکہ ظاہر یہ مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ پتلی میں عیب اور سفیدی کا مرض ہوتا ہے اس لئے سننے والے کو فکر لاحق ہو کر اچھا خاصا مزاح ہو گیا اس قسم کی تعریضیں بی بی بچوں سے خوش طبعی کے طور پر جائز ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کھانا کھوانے کی صلاح کرے اور تمہیں باوجود بھوک ہونے کے کھانا منظور نہیں ہے تو یہ ہرگز نہ کہو کہ مجھے بھوک نہیں ہے کیونکہ جھوٹ ہو گا بلکہ تعریض کر لو اور یوں کہہ دو کہ" بس اس وقت نہ کھاؤں گا آپ

۱؎ ترمذی ۱۲ ۲؎ ترمذی و ابوداؤد ۱۲ ۳؎ ابن ابی الدنیا و زبیر بن بکار ۱۲

نوشش فرمائیے" وغیرہ

دوسری آفت: غیبت کرنا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے (غیبت کرنا متوفی[1] مسلمان کا گوشت ہی کھانا ہے) پس اس سے پرہیز کرو حدیث[2] میں آیا ہے کہ غیبت زنا سے بھی سخت تر ہے[3] رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[4] کہ شب معراج میں میرا گذر ایسی جماعت پر ہوا جو اپنے منہ اپنے ناخن سے نوچ رہے تھے یہ لوگ غیبت کیا کرتے تھے۔ کسی مسلمان کی پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنی کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گذرے غیبت[5] کہلاتی ہے مثلاً کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا یا کسی کے حسب ونسب میں نقص نکالنا یا کسی کی کسی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گذرے خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز و کنایہ سے یا ہاتھ سے اور آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے یا تعریض کی جائے یہ سب غیبت میں داخل ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھگنا ہونا ہاتھ کے اشارے سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا یا رسول اللہ وہ عورت جو اتنی سی ہے اس پر آپ نے فرمایا اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے اور سب میں بد تر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقدس اور دیندار لوگوں میں ہو رہا ہے کیونکہ وہ غیبت بھی کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں ان کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں۔ مثلاً

غیبت کی تعریف

---

[1] وہ یہ سمجھتا ہے کہ جیسے مردہ کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ایسے ہی جس کی غیبت کی جائے اسے بھی نہیں ہوتی ۱۲ [2] ابن ابی الدنیا [3] اس لئے کہ زنا حق اللہ ہے اور غیبت حق العبد ۱۲ [4] ابوداؤد [5] مضمون حدیث ترمذی [6] ابن ابی الدنیا

مجمع میں کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے اس نے ہم کو امیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے ایسی بے حیائی سے خدا پناہ میں رکھے اس کلمہ سے جو کچھ ان کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ امراء کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور ان کو بے حیا کہنا منظور ہے اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت تقویٰ ظاہر ہے اور ریاکاری کا گناہ کما رہے ہیں اسیطرح مثلاً کہنے لگے کہ فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے اگر اس میں حرص دنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم مبتلا ہو جاتے ہیں اس فقرہ سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تامل سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں اور اپنی طرف حرص کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سننے والا اس کو متواضع سمجھے اور یہی غیبت ہے ساتھ ہی ریاکاری بھی ہے زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں یا مثلاً یوں لگے سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سننے کے شوق میں ان کی جانب کان لگائے تو کہنے لگے "کچھ نہیں فلاں شخص کا خیال آگیا تھا حق تعالیٰ ہمارے اور اس کے حال پر رحم فرمادے اور توبہ کی توفیق دے" اس فقرہ کا بھی جو کچھ منشاء ہے وہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے کیونکہ ان کا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دعا کی نیت سے نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہری الفاظ سے وہم پڑتا ہے اس لئے کہ اگر دعا کرنی مقصود ہوتی تو دل ہی دل میں کیوں نہ کر لیتے سبحان اللہ کہہ کر لوگوں کو متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضروری تھا؟ یا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی بات ہے؟ اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی غیبت مت کیا کرو مگر دل ان کا غیبت کو مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دینداری اور تقویٰ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح کسی مجمع میں

غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بن کر کہنے لگتے ہیں میاں غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم
سننے والے بھی گنہگار ہوتے ہیں یہ لوگ کہنے کو کہہ جاتے ہیں مگر دل ان کو منافق رہتا ہے
کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سنائے جائے
بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سننے کا انتظار رکھتے ہو اور پھر یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کر کے
گناہ سے سبکدوش ہو گئے یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سننے کو دل سے برا نہ سمجھو گے
تو اس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچو گے کیونکہ غیبت کرنے اور سننے والا دونوں برابر
ہیں اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے
البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز نہیں جس کی تفصیل
ہم بیان کرتے ہیں۔

اول: مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسر اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم
رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے البتہ ظالم کے عیوب
کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنہیں ان کو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کر سکنے کی
طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن
یوسف کا ذکر آگیا تھا تو انہوں نے یوں فرمایا کہ حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں
کا بدلہ حجاج سے لے گا اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا اس لئے کہ
بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج
کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں ہے تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت
کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔

مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے

دوم: کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف شرع امر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو

یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی ان بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ ان کی غیبت کرنا ہے۔ مگر جائز ہے۔

سوم:۔ مفتی سے فتویٰ لینے کیلئے استفتاء میں امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے۔ اگرچہ اس اظہار حال سے کسی کی غیبت ہوتی ہو۔ دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا[1] نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدر کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں دیتا اور ظاہر ہے کہ ابوسفیان کی شکایت اور غیبت تھی مگر چونکہ مفتی شریعت سے استفسار کیا جا رہا ہے کہ ایسی صورت میں میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں مگر یاد رکھنا چاہیے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت اسی وقت جائز ہے کہ جب اس وقت اپنا یا کسی مسلمان کا فائدہ متصور ہو۔

چہارم:۔ اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہو کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہے تو اسکو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کر دینا بھی جائز ہے اسی طرح قاضی کی عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحب حق کو اس مقدمہ میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہنچے جائز ہے البتہ اسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس کے نقصان کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلہ اور حکم کا مدار ہو۔

پنجم:۔ اگر کوئی شخص ایسے نام ہی سے مشہور ہو گیا ہو جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے مثلاً اعمش (چندھا) اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلا دو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔

---

[1] بخاری و مسلم ابوسفیان حضرت معاویہ کے والد ہیں اور ہندہ انہیں کی زوجہ ہے ۱۲

ششم :۔ اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کا یہ عیب ظاہر کرنے میں تو اسے ناگوار نہیں گزرتا مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ ان کے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کو خیال بھی نہیں ہوتا تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خالی ہے البتہ اگر اس کو ناگوار گزرے تو حرام ہے کیوں کہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اس کو ناگوار گزرے بلا عذر خاص جائز نہیں ہے[1]۔

فصل نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو حدیث میں آیا ہے کہ آگ جو گھاس میں اثر کرتی ہے غیبت مسلمانوں کی نیکیوں میں اس سے جلد اور زیادہ اثر کرتی ہے یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل جاتے ہیں اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکوکار شخص جس نے دنیا میں مشقتیں اٹھا اٹھا کر نیکیاں جمع کی تھیں جب قیامت کے دن اعمال کو رسے دیکھے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ غیبت کی وجہ سے اس کی نیکیاں اس شخص کے اعمال نامہ میں لکھ دی گئی ہیں جس کی وہ غیبت کیا کرتا تھا تو کس قدر حسرت و افسوس کرے گا مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے ہی نفس کے عیوب بہت ہیں اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اس کے رفع کرنے میں مصروف ہو جاؤ کہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب بتنا تم کو نقصان پہنچائے گا دوسرے کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچائے گا اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جس کے برابر کوئی عیب نہیں کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے اس لئے اول اس کا علاج کرو اور اس کے بعد جو عیب نظر آتے

---

[1] بشرطیکہ کھلم کھلا گناہ نہ کرتا ہو ۱۲

جائیں ان کی تدبیر کرتے رہو اور اگر اتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ سے توبہ کیا کرو اور اس شخص کے پاس جا کر غیبت کی خطا معاف کرا لو اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اس کے لئے دعائے مغفرت مانگو اور خیرات کر کے اس کی روح کو ایصال ثواب کرو۔ غرض چونکہ تم نے غیبت کر کے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی جلد تلافی کرو۔

تیسری آفت :- فضول جھگڑا کرنا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مسلمان باوجود حق پر ہونے کے جھگڑے سے دست بردار ہو جائے تو اس کیلئے اعلیٰ جنت میں محل تیار ہوگا یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ برسر حق ہو کر خاموش ہو بیٹھنا بہت دشوار ہے اور اسی لئے حق پر ہو کر جھگڑے سے علیحدہ ہو جانا ایمان کا کمال شمار کیا گیا ہے جان لو کسی بات پر اعتراض کرنا اور اس کے لفظ یا معنی میں غلطی اور نقص نکالنا جھگڑا کہلاتا ہے اور اکثر یہ دو وجہ سے ہوتا ہے یعنی یا تو کبر کی بنا پر کہ اپنی بڑائی اور لسانی یا تیز زبانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور یا دوسرے شخص کو چپ کرنے اور عاجز بنا دینے کا شوق ہوتا ہے اس لئے مسلمان کو چاہیے کہ جو بات واقعی اور حق ہو تو اس کو تسلیم کرے۔ اور جو بات خلاف واقع یا غلط ہو تو اس پر سکوت اختیار کرے البتہ اگر اس کی غلطی کے ظاہر کرنے میں کوئی دینی فائدہ ہو تو اس وقت سکوت کرنا جائز نہیں ہے مگر پھر بھی اس کا ضرور خیال رکھے کہ جو کچھ بیان کرے وہ نرمی اور سہولت سے بیان کرے تکبر اور سختی کے ساتھ نہ کہے۔

چوتھی آفت :- مذاق اور دل لگی کرنا اور زیادہ ہنسنا ہے اس سے قلب مردہ

لہ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ ۱۲

ہوجاتا ہے اور ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے ایسا شخص لوگوں کی نظروں سے گرجاتا ہے اور بسا اوقات دوسروں کو اس کے ساتھ کینہ و عداوت بھی پیدا ہوجاتی ہے نور معرفت میں تاریکی آجاتی ہے اور تحت الثرےٰ میں پھینک دیا جاتا ہے البتہ تھوڑے مزاح میں کچھ مضائقہ نہیں خصوصاً اگر بیوی بچوں کا دل خوش کرنے کو ہو تو سنت ہے کیونکہ ایسا مزاح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول[1] ہے مگر وہ مزاح درحقیقت واقعی بات تھی کسی قسم کا جھوٹ نہ ہوتا تھا۔ مثلاً ایک بڑھیا سے آپ نے فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت کوئی نہ جائے گی اس کا یہ مطلب تھا کہ جنت میں جو عورت بھی جائے گی وہ جوان ہوکر جائے گی یا مثلاً حضرت صہیب لڑکے تھے اور انہوں نے لال پال رکھا تھا اتفاق سے لال مرگیا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2]۔ کہو جی ابو عمیر تمہارا لال کیا ہوا؟ اسی طرح ایک دفعہ حضرت صہیبؓ چھوارہ کھارہے تھے اور ان کی ایک آنکھ دکھتی تھی تو آپ نے فرمایا: کیوں صاحب آنکھ تو دکھتی ہے اور چھوارہ کھارہے ہو۔ انہوں نے مزاحاً جواب دیا کہ یارسول اللہ دوسری طرف سے کھا رہا ہوں۔ یعنی جس طرف کی آنکھ دکھتی ہے اس داڑھ سے نہیں کھاتا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ محض دلجوئی اور خوش طبعی کے طور پر دوڑے بھی ہیں غرض ایسے مزاح میں کچھ حرج نہیں البتہ اس کی عادت ڈالنی اچھی نہیں ہے۔

پانچویں آفت: مدح کرنا ہے تم نے دیکھا ہوگا کہ اکثر واعظوں اور دنیادار مسلمانوں کی عادت ہے کہ مالدار اور صاحب جاہ و حشم لوگوں کی تعریفیں کرتے ان کی شان میں مدحیہ قصیدے لکھتے اور ان کو نذرانے کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ اس میں چار خرابیاں مدح[3]

---

[1] بخاری و مسلم و ترمذی [2] ابن ماجہ سب راوی ثقہ ہیں [3] ابوداؤد [4] بہت تعریف کرنے والا

کے حق میں ہیں اور دو برائیاں ممدوح[۱] کے حق میں مدح خواں کی خرابیاں تو یہ ہیں۔

اول:۔ ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو واقعہ کے خلاف ہوتی ہیں اور جن کا ممدوح میں نشان بھی نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ صریح جھوٹ ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

دوم: محبت کا لمبا چوڑا اظہار کرتے ہیں حالاں کہ دل میں خاک بھی محبت نہیں ہوتی اور یہ صریح ریا اور نفاق ہے جو گناہ و حرام ہے۔

سوم:۔ اٹکل کے تیر چلائے جاتے ہیں اور جو بات یقینی طور پر معلوم نہیں محض تخمین و گمان کی بنا پر ان کو واقعی ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ آپ بڑے متقی ہیں نہایت منصف ہیں حالاں کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی کی مدح کرنی ہو۔ تو یوں کہا کرو کہ میرا[۲] گمان یہ ہے کہ آپ ایسے ہیں کیوں کہ ظنی باتوں کو واقعی بنانا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

چہارم:۔ اگر ظالم اور فاسق کی مدح کی جاتی ہے اور وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے تو فاسق کو خوش کرنے والا مداح بھی فاسق اور نافرمان ہوا حدیث[۳] میں آیا ہے کہ فاسق کی تعریف سے اللہ تعالیٰ کا عرش کانپ اٹھتا ہے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاسق کی زندگی و عمر کی زیادتی کی دعا کرنے والا شخص بھی فاسق ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ فسق و فجور قائم اور دنیا میں مدت تک باقی رہے ظالم اور فاسق شخص کی تو مذمت کرنی چاہیئے تاکہ گھبرا کر ظلم و معصیت چھوڑ دے نہ کہ تعریف اور ممدوح کو جو دو نقصان پہنچتے ہیں وہ یہ ہیں۔

---

[۱] جس کی تعریف کی جائے [۲] بخاری و مسلم مگر جب کہے کہ واقع میں ایسا سمجھتا ہوں تو جھوٹ ہوگا

[۳] ابن ابی الدنیا و بیہقی و ابو یعلی ۱۲

اول :- یہ کہ ممدوح مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ اس کی ہلاکت و تباہی کی جڑ ہے حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع میں اپنے اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے نفس میں خود پسندی اور بڑائی پیدا کرکے اس کو ہلاک کر دیا۔

دوم :- اپنی تعریف سن کر پھولنا اور اعمال خیر میں سست پڑ جانا۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان بھائی کو کند چھری سے ذبح کر دینا۔ اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے کیونکہ قتل سے دنیا ہی کی زندگی تلف ہو گی اور ان بُرے نتیجوں سے جن کا ذکر ہم نے کیا ہے۔ آخرت کی باعظمت زندگی برباد ہو جائے گی البتہ ان مضرتوں کا اندیشہ نہ ہو تو تعریف میں کچھ حرج بھی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات مستحب اور باعث اجر ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کی مدح فرمائی ہے مثلاً آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ تمام دنیا کے ایمان کو ابوبکرؓ کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکرؓ کا ایمان ہی وزنی رہیگا نیز فرماتے ہیں اے عمر اگر میں نبی بنا کر نہ بھیجا جاتا تو حضرت عمرؓ کو نبی بنایا جاتا گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نبوت و رسالت کی قابلیت کا انہیں سے اظہار فرمایا پس چونکہ صحابہ میں خود پسندی اور کوتاہی عمل کا اندیشہ نہ تھا اس لئے ان میں نشاط پیدا کرنے کے لئے یہ مدح مستحب تھی کہ ان کی طاعات میں ترقی کا وسیلہ تھی۔

۱؎ بخاری و مسلم عراقی کہتے ہیں ملی نہیں انبیا کے علاوہ کیونکہ ہر نبی کا ایمان سارے ولیوں سے زیادہ وزنی ہے ۲؎ ترمذی حسن

فصل اگر کسی شخص کی کوئی مدح کرے تو اس کو چاہیے کہ اپنے اعمال اور خطرات کا وساوس کا دھیان کرے اور سوچے کہ خدا جانے میرا انجام کس حالت پر ہوتا ہے واقعی یہ خوبیاں جو یہ شخص بیان کر رہا ہے اگر مجھ میں موجود بھی ہیں تو بھی ان کا کیا اعتبار نیز اپنی باطنی بیماریوں اور عیوب پر نظر کرے اور خیال کرے کہ یہ پوشیدہ عیب ایسے ہیں کہ اگر اس مداح کو معلوم ہو جائیں تو میری مدح کبھی نہ کرے غرض مسلمان کو چاہیے کہ اپنی تعریف سن کر خوش نہ ہو بلکہ اس کو دل سے مکروہ سمجھے اسی کی جانب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مداح کے منہ میں مٹی بھر دو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جب مدح ہوتی تھی تو یوں دعا مانگتے پھرتے تھے کہ بار الہا میرے جو گناہ انہیں معلوم نہیں وہ بخش دیجیے اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس کا مجھ سے مواخذہ نہ کیجیے اور مجھے ان کے گمانوں سے بہتر بنا دیجیے میں جیسا ہوں آپ ہی خوب جانتے ہیں یہ نہیں جانتے۔

غصہ

غصہ[1] آگ کا شعلہ ہے اس کا زور توڑنا بھی ضروری ہے کیونکہ رسول مقبول[2] صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے پچھاڑنے سے آدمی پہلوان نہیں ہوتا بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو پچھاڑے۔

یاد رکھو کہ جس طرح تلخ ایلوے سے[3] شہد بگڑ جاتا ہے اسی طرح غصہ سے ایمان بگڑ جاتا ہے غصہ بری بلا ہے یہی مار پیٹ گالی اور زبان درازی کھلے گناہ کرانے کا باعث ہے اور اسی سے کینہ حسد بدگمانی اور افشائے راز وہتک عزت کے عزم کے باطنی گناہ سرزد ہوتے

---

[1] مسلم ۱۲۔ [2] بخاری ومسلم واحمد ۱۲۔ [3] حدیث طبرانی وبیہقی ۱۲۔

ہیں غصہ کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے مسلمان بھائی کا خوش کرنا ناگوار گذرتا ہے اور اس کا رنج و تکلیف میں رہنا پسند آتا ہے اور ظاہر کہ سب تباہ کن معصیتیں ہیں۔

فصل اس کا علاج دو طرح کرنا چاہیئے

اوّل تو اس کو ریاضت اور مجاہدہ سے توڑنا چاہیئے مگر اس کو توڑنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غصہ کا مادہ ہی باقی نہ رہے اس لئے کہ اگر مادہ ہی جاتا رہے گا تو کفار سے جنگ اور جہاد کیونکر ہوگا۔ اور فساق و فجار اور مبتدعین کی خلاف شرع باتوں پر ناگواری کس طرح ہوگی ناجائز افعال دیکھ کر غصہ آنا تو ضروری اور شرع کا عین مقصود ہے لہٰذا غصہ کے توڑنے اور ریاضت کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو مہذب اور عقل و شرع کا تابع بنا لیا جائے اور ایسا کر دیا جائے، جیسا کہ شکاری کتا ہوتا ہے کہ جب اس کا مالک اس کو بھگاتا ہے تو وہ بھاگتا ہے اور جب وہ کسی پر حملہ کراتا ہے تو حملہ کرتا ہے ورنہ چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے یہی حالت غصہ کی ہونی چاہیئے اگر شریعت حکم دے اور غصہ کو بھڑکائے تو فوراً بھڑک اٹھے اور اپنا کام کرے ورنہ چپ رہے اور بے حس و حرکت پڑا رہے اور غصہ کو ایسا مہذب بنانے کی تدبیریں یہ ہیں کہ نفس کی باگ رو کو حلم و بردا شت کی عادت ڈالو اور جب کوئی غصہ پیدا کرنے والا واقعہ پیش آئے تو نفس پر جبر کیا کرو اور غصہ کو بھڑکنے نہ دو بس یہی وہ ریاضت ہے جس سے غصہ مطیع و فرماں بردار بن جائے گا۔

دوم غصہ کے جوش کے وقت ضبط سے کام لو اور اس کو پی جاؤ اور اس کا ایک علاج علمی ہے اور ایک عملی علمی علاج تو یہ ہے کہ غصہ کے وقت سوچو کہ غصہ

کیوں آتا ہے ظاہر ہے کہ اس کا سبب حکم خداوندی میں دخیل ہونا اور دست اندازی
کرنا ہے کیونکہ غصہ کرنے والے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام میری مرضی کے موافق کیوں
نہ ہوا اب تم ہی بتاؤ کہ یہ حماقت ہے یا نہیں؟ کیا حق تعالیٰ کے ارادہ کو اپنے ارادہ
اور منشا کا تابع بنانا چاہتے ہو یاد رکھو کہ خدا کے حکم کے بغیر ذرہ نہیں ہل سکتا پھر تم اس
میں دخل دینے والے اس کو ناگوار سمجھنے والے کون؟ دوسرے اس بات کا خیال رکھو
کہ میرا اس شخص پر کیا حق ہے اور خدا کا مجھ پر کیا حق ہے اور پھر خدا کا تمہارے ساتھ
کیا معاملہ ہے اور تم اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتے ہو ظاہر ہے کہ جس شخص
پر غصہ کر رہے ہو اس کے مالک نہیں ہو خالق نہیں ہو۔ رزق تم اس کو نہیں دیتے ، حیات
تمہاری دی ہوئی نہیں ہے اور خداوند تعالیٰ کے تم پر ہر قسم کے حقوق ہیں کہ تم ہر طرح
سے اس کے محکوم و مملوک ہو اور احسان مند ہو بایں ہمہ تم اپنے مالک حقیقی کی بیسیوں
خطائیں اور نافرمانیاں رات دن کرتے ہو اور باوجود احسان و استحقاق کے وہ سب
کو برداشت کرتا ہے اگر ایک قصور پر بھی سزا دے تو تمہارا کہیں ٹھکانا نہ رہے اور تمہارا
حالانکہ کسی پر بھی حق نہیں ہے پھر یہ حالت ہے کہ ذرا سی خلاف حرکت پر غصہ سے باہر
ہوئے چلتے ہو اور اس کو دنیا سے نابود کر دینے کے لئے تیار ہو کر؟ تمہاری اطاعت و
رضامندی خدا کی عبادت و حکم سے بھی زیادہ ضروری ہے اور عملی علاج یہ ہے کہ
جب غصہ آئے تو اعوذ پڑھو کیونکہ غصہ شیطانی اثر ہے اور شیطان کے شر سے جب
پناہ مانگی جائیگی تو وہ اثر زائل ہو جائے گا نیز اپنی حالت بدل دو یعنی اگر کھڑے ہو تو
بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو وضو کر لو اور
اپنا رخسار زمین پر رکھ دو تا کہ تکبر ٹوٹے اور عزت والا عضو جب زمین پر رکھا جائے تو نفس

مرے کیوں کہ حدیث میں آیا ہے اللہ کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے وہ غصہ کا گھونٹ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کو اپنے بی بی بچوں یا ایسے لوگوں پر غصہ آئے جن پر اپنا غصہ جاری کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے اور وہ اس کو ضبط کر جائے اور تحمل سے کام لے تو حق تعالیٰ اس کا قلب امن اور ایمان سے لبریز فرما دے گا۔ یاد رکھو کہ تحمل کی بدولت مسلمان شب بیدار، روزہ دار، عابد و زاہد کا مرتبہ پالیتا ہے۔

حسد

حسد کے یہ معنی ہیں کہ کسی شخص کو فارغ البالی یا عیش و آرام میں دیکھ کر کلیجے اور اس کی نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرے حسد کرنا حرام ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے[۳] کہ میرے بندہ پر نعمت دیکھ کر حسد کرنے والا گویا میری اس تقسیم سے ناراض ہے جو میں نے اپنے بندوں میں فرمائی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۴] کہ حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے البتہ ایسے شخص پر حسد کرنا جائز ہے جو اللہ کی دی ہوئی نعمت کو ظلم یا معصیت پر خرچ کر رہا ہو مثلاً مالدار ہو اور شراب خوری اور زنا کاری میں اڑا رہا ہو لہٰذا ایسے شخص سے مال چھن جانے کی آرزو کرنا گناہ نہیں ہے کیونکہ یہاں درحقیقت مال کی نعمت چھن جانے کی تمنا نہیں ہے بلکہ

---

[۴] ابن ماجہ

ے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے ۔ ابو داؤد ۔ احد یہی مضمون قریب قریب ترمذی میں ہے۔

[۱] ابن ابی الدنیا[۲] ابو داؤد[۳] یہ آیت نہیں بلکہ زکریا علیہ السلام کا قول ہے کہ حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں

اس فسق و معصیت کے بند ہو جانے کی آرزو ہے اس کی شناخت یہ ہے کہ اگر مثلاً وہ شخص اس معصیت کو چھوڑ دے تو اب اس نعمت کے جاتے رہنے کی آرزو بھی نہ ہے یاد رکھو کہ عموماً حسد کا باعث یا تو نخوت و غرور ہوتا ہے اور یا عداوت و خباثت نفس کہ بلا وجہ خدا کی نعمت میں بخل کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ جس طرح مجھ کو کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی ہی حاصل ہو جائے غبطہ کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے کیونکہ غبطہ میں کسی کی نعمت کا زائل ہونا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے آپ کو بھی اس جیسی نعمت کے حاصل ہو جانے کی تمنا ہوتی ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

فصل: حسد قلبی مرض ہے اس کا علاج ایک علمی ہے اور ایک عملی علمی علاج تو یہ ہے کہ حاسد کو جاننا چاہیئے کہ اس کا حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے اس محسود[1] کا جس پر وہ حسد کر رہا ہے کچھ بھی نہیں بگڑتا بلکہ اس کا تو اور نفع ہے کہ حاسد کی نیکیاں مفت میں اس کے ہاتھ آ رہی ہیں برخلاف حاسد کے کہ اس کے دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی۔ دین کا نقصان تو یہ ہے کہ اس کے کئے ہوئے نیک اعمال حبط[2] ہوئے جاتے ہیں نیکیاں چلی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ کے غصے کا نشانہ بنا ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وسیع خزانہ کی بے شمار نعمتوں میں بخل کرتا ہے اور دوسرے پر انعام ہونا چاہتا ہی نہیں اور دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا اور اسی فکر کھلتا رہتا ہے کہ کس طرح فلاں شخص کو ذلت و افلاس نصیب ہو جس پر حسد ہے اس کے لیے

---

[1] حسد کیا ہوا [2] ضبط ۱۲

بھی خوشی کا مقام ہے کہ مجھے رنج پہنچانا چاہتے تھے اور خود ہر وقت کے رنج میں گرفتار ہو گئے لہٰذا اس کے حسد سے اس کی تو مراد پوری ہو گئی اور حسد کرنے والا بڑے خسارہ میں رہا تمہیں سوچو کہ تمہارے حسد کرنے سے محسود کو کیا نقصان ہوا ظاہر ہے کہ اس نعمت میں کسی قسم کی بھی کمی نہیں آئی بلکہ اور نفع ہوا تمہاری نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو گئیں کیسا الٹا قصہ ہوا حاسد چاہتا تو یہ تھا کہ محسود دنیا میں تنگدست ہو جائے اور نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی نعمتیں بحال رہیں اور دین کی نعمت نفع میں ملی اور حاسد نے عذاب آخرت بھی سر پر رکھا اور اپنی قناعت و آرام کی زندگی کو رخصت کر کے ہر وقت کی خلش اور دنیوی کوفت خریدی یہ تو ایسی صورت ہو گئی کہ دشمن کے ڈھیلا مارنا چاہتا تھا اور وہ اپنے ہی آ لگا۔ کہ جس سے اپنی آنکھ پھوٹ گئی اور طرہ یہ کہ دشمن یعنی شیطان کو بھی ہنسنے کا موقعہ مل گیا اگر کسی عالم یا متقی پر حسد کیا جائے کہ اس کا علم و تقویٰ زائل ہونے کی تمنا ہو تو یہ حسد سے بُرا اور بدتر ہے۔ عملی علاج حسد کا یہ ہے کہ حسد کا مقصود تو یہ ہے کہ تم محسود کی عیب جوئی کرو اور رنج و غم کے گھونٹ رات دن پیا لہٰذا تم نفس پر جبر کرو اور قصداً اس کے منشا کی مخالفت کر کے اس کی ضد پر عمل کرو یعنی محسود کی تعریفیں بیان کرو اور اس کے سامنے تواضع اور اس نعمت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرو جو اسے میسر ہوئی ہے جب چند روز تک بہ تکلف ایسا کرو گے تو محسود کے ساتھ تم کو محبت پیدا ہو جائے گی اور جب عداوت جاتی رہے گی تو حسد بھی نہ رہے گا اور اس رنج و غم سے تم کو نجات مل جائے گی جس میں حسد کی وجہ سے تم مبتلا ہو رہے تھے۔

فصل: شاید تم کو یہ شبہ لاحق ہو کہ دوست میں اور دشمن میں فرق ہونا تو انسان کا طبعی امر ہے اور اپنی اختیاری بات نہیں کہ جس طرح اپنے دوست کو راحت میں دیکھ

خوشی ہوتی ہے اسی طرح دشمن کو بھی راحت میں دیکھ کر مسرت ہوا کرے اور جب اختیاری
بات نہیں ہے تو انسان اس کا مکلف بھی نہیں ہو سکتا لہذا میں کہتا ہوں کہ بیشک اتنی
بات صحیح ہے اور اگر اسی حد تک بات ہے تو گناہ بھی نہیں لیکن اس کے ساتھ جتنی بات اختیاری
ہے اس سے بچنے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور وہ دو امر ہیں ایک یہ کہ اپنی زبان اور اعضا
اور افعال اختیاریہ میں حسد کا اثر مطلق نہ ہونے دو بلکہ نفس پر جبر کر کے اس کی ضد پر
عمل کرو جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ دوم یہ کہ نفس میں جو حسد کا مادہ موجود ہے جو
اللہ کی نعمتوں کو بندوں پر دیکھنی پسند نہیں کرتا اس کو دل سے مکروہ سمجھو اور یہ خیال کرو کہ
یہ خواہش دین کو برباد کر دینے والی ہے ان دو باتوں کے بعد اگر طبعی امر باقی رہے یعنی دل سے
اختیار چاہے کہ دوست خوشحال رہیں اور دشمن پامال ہوں تو اب اس کا خیال نہ کرو کیونکہ
جب اس کے آثار پر تم کو قدرت نہیں ہے تو اس پر گناہ بھی نہیں ہوگا مگر دل کی ناگواری
ضروری بات ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر محسود کی نعمت کے زائل کرنے پر تم کو
قدرت حاصل ہو جائے تو اپنی طبیعت سے تمہاری خواہش بھی ہو کہ کاش اس کی نعمت
چھن جائے مگر اپنے ہاتھ پاؤں سے ایسا انتظام نہ کرو یا مثلاً محسود کی نعمت کے قائم رہنے
یا بڑھانے میں مدد دے سکتے ہو تو باوجود اس کے ناگوار گزرنے کے اس کو مدد دو اگر ایسی حالت
ہو جائے تو سمجھو کہ جہاں تک اختیار تھا وفا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہم نے خدا کے حکم پر عمل
کر لیا اور سبکدوش ہو گئے ایسی صورت میں طبعی بات کا دور کرنا اپنے قبضہ میں نہیں ہے،
اور موجود تو ہے، مگر چونکہ اختیاری کاموں نے اس کو چھپا اور دبا لیا ہے اس لئے گویا
معدوم ہو گئی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جن کی نظر عالم دنیا سے اٹھ جاتی ہے تو وہ سمجھ جاتے
ہیں کہ دنیا بھی ناپائیدار ہے اور اس کی تمام نعمتیں بھی فنا ہونے والی ہیں پس اگر اپنا دشمن

فراخی یا وسعت اور آرام ہی ہیں ہے تو کے دن کے لئے اگر اعمال کے سبب مرنے کے بعد دوزخ میں جانے والا ہے تو اس کم نصیب کو اس چند روزہ آرام سے کیا نفع اگر جنتی ہے تو جنت کی نعمتوں کو اس ناپائیدار نعمت سے کیا مناسبت۔ بس حسد کرنا اور دشمن کو دنیا کی کسی خوشی میں دیکھ کر جلنا بہر حال محض بے سود اور عبث ہوا ساری مخلوق خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور سارے آدمی اپنے پیارے خدا کے غلام ہیں پس محبوب کی طرف سے جو انعام ہوں ان کے اثر ان کے غلاموں پر بھی ظاہر ہی ہونے چاہئیں لہٰذا جس کسی پر بھی تمہارے قدرت والے محبوب کی عطاؤں کے آثار ظاہر ہوں تمہارے لئے خوش ہونے کا مقام ہے نہ کہ رنج اور حسد کرنے کا۔

بخل اور محبت مال

بخل بھی ایک بڑا مہلک مرض ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمت میں بخل کرتے ہیں وہ اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ ان کے لئے نہایت بُرا ہے کیونکہ جس میں بخل کریں گے اس کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو بچاؤ بخل سے کہ اس نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا ہے پس مسلمان کو شایان شان نہیں کہ بخل کرے اور جہنم میں جائے اور چونکہ بخل درحقیقت مال کی محبت ہے اور قلب کو دنیا کی طرف متوجہ کر دیتی ہے جس سے اللہ کی محبت کا علاقہ ضعیف اور کمزور ہو جاتا ہے اور بخیل مرتے وقت حسرت بھری نظروں سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا ہے اور جبراً و قہراً آخرت کا سفر کرنا ہے اس لئے اس کو خالق جل جلالہ کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی - حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص

بخل درحقیقت مال کی محبت

مرتے وقت[1] اللہ تعالیٰ کی ملاقات پسند نہ کرے وہ جہنمی ہے جس شخص کے پاس مال نہ ہو وہ بخیل تو نہیں ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے قلب میں مال کی محبت ہو اور اس کی آرزو میں ہو کہ کاش مالدار ہو جائے اسی طرح بعض اہل ثروت سخی ہوتے ہیں مگر چونکہ سخاوت سے ان کو محض اپنی شہرت اور مدح مقصود ہوتی ہے اس لئے ان پر اگرچہ بخل کی تعریف صادق نہیں آتی مگر حب مال کا مضمون ضرور صادق آتا ہے پس بخل کے علاج کے ساتھ حب مال کا بھی علاج ہو جانا چاہیئے یاد رکھو کہ مال کی محبت خدا کے ذکر سے غافل بنا دیتی ہے یہ مال مسلمانوں کے لئے بڑا فتنہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جب انسان مرتا ہے تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ کیا چھوڑا" پس اگر زندگی میں کچھ مال خرچ کر کے آخرت کا ذخیرہ جمع کر لیا تھا تو مرتے وقت خوش ہوگا کہ بھیجا ہوا مال وصول کرنے کا وقت آگیا ورنہ رنجیدہ ہوگا اور اس پر مرنا بہت شاق گزرے گا "درہم کا بندہ تباہ ہو نگوں سار ہو اس کے کانٹا چبھے تو نکالنے والا نہ ملے" یہ حدیث کا مضمون ہے اب تم ہی سوچو کہ جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بد دعائیں دیں اس کا کہاں ٹھکانہ؟

فصل - مال مطلقاً مذموم نہیں ہے اور نہ مذموم کیسے ہو سکتا ہے جب کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے کہ ساری مخلوق جسم کے گھوڑے پر سوار ہو کر سفر آخرت طے کر رہی ہے اور سواری کو اس مسافر خانہ دنیا میں گھاس دانہ کی ضرورت ہے اور وہ مال کے بغیر نہیں مل سکتا کیونکہ جب تک پیٹ نہ بھرے اس وقت تک عبادت نہیں ہو سکتی لہٰذا قوت وحیات قائم رکھنے کی مقدار کے موافق حاصل کرنا ضروری ہوا البتہ اس سے زیادہ مال ومتاع

مال دنیا کی محبت عبادت کا نام

---

[1] ابو داؤد نسائی سنن کبریٰ میں ابن حبان ۱۲

ہلاکت کا سامان ہے کیونکہ مسافر بقدر ضرورت ہی توشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور جہاں
بوجھ زیادہ ہوا تو اس کو سفر کرنا بھی مشکل پڑ جاتا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]
تھا کہ اے عائشہؓ مجھ سے ملنا چاہو تو اتنی ہی دنیا پر قناعت کرو جتنا مسافر کا توشہ ہوتا
ہے کہ جب تک پیوند نہ لگ جایا کرے اس وقت تک کرتا نہ اتارا کرو۔ الٰہی محمد کے متعلقین
کی معاش بقدر کفایت ہی رکھیو اور زیادہ نہ دیجیو ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔ یاد
رکھو کہ ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا تین وجہ سے مضر ہے۔

اوّل:۔ مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور قدرت کے
ہوتے ہوئے صبر کرنا اور گناہ سے بچنا بہت دشوار ہے اور جب ضرورت سے زیادہ
مال ہی نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ گناہ پورا نہ ہو سکے گا۔

دوم:۔ اگر متمول شخص عابد و زاہد بھی ہو اور مباح لذتوں ہی میں پیسہ خرچ کیا تب بھی
اتنا نقصان اس کو ضرور پہنچا کہ اس کے جسم نے چونکہ لذیذ نعمتوں سے پرورش پائی اس لئے
لذتوں کا خوگر ہو گیا اور مال کو چونکہ پائداری نہیں ہے اس لئے اپنی عادتوں کے نباہنے کو
مخلوق کا محتاج بنا رہے گا اور کیا عجب ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے سامنے ہاتھ
پھیلانا یا ان کی چاپلوسی کرنی پڑے تاکہ جن لذتوں کا عادی ہو گیا ہے وہ مرتے دم تک حاصل
ہوتی رہیں اور جب یہ ہوا تو اب نفاق، جھوٹ، ریا، عداوت، بغض اور حسد سب
ہی ظاہر ہونگے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں
کی جڑ ہے اور جب ضرورت سے زیادہ پیسہ نہ ہو تو مباح چیزوں کا مزہ بھی منہ
کو نہ لگے گا۔

۱؎ مسلم و احمد و ترمذی۔ ابن ماجہ ۲؎ بیہقی مرسل لائے ہیں ۲

سوم:۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہو جائے گی کیونکہ کارندوں محرروں اور ملازموں کی نگرانی اور شریکوں سے حساب کتاب کرنے اور ترقی کے اسباب کرنے کی تدبیروں میں ایسی مشغول ہوگی کہ اصل سعادت یعنی ذکر الٰہی کا وقت ہی نہ مل سکے گا اول روپیہ کی تحصیل اور وصولیابی پھر اس کی حفاظت ونگہبانی اور پھر اس کا نکالنا اور کسی کام میں لگانا یہ سب دھندے قلب کو سیاہ کرنے والے ہیں جس سے نور بصیرت جاتا رہتا ہے اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہ ہوگا تو یہ تفکرات اور مخمصے بھی پیش نہ آئیں گے۔

ضرورت کی تعریف اور کفایت کی تحقیق

فصل:۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور بقدر کفایت کس قدر مال کو کہتے ہیں کیونکہ یوں تو ہر شخص کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو جائے یہاں تک کہ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی مل جاتی ہے تب بھی یہی سمجھتا ہے کہ میری ضرورتوں کو کافی نہیں ہے اس لئے جاننا چاہیئے کہ فرضی ضرورتوں کا اعتبار نہیں ہے اور واقعی ضرورت انسان کو صرف پیٹ بھرنے بدن ڈھکنے کی ہے پس اگر زینت وتجمل کا خیال نہ ہو تو سال بھر کے جاڑے گرمی کے لئے دو دینار[1] کافی ہیں جن میں موٹے کپڑے جو گرمی و سردی دفع کرسکیں بآسانی تیار ہو سکتے ہیں اور کھانے میں شکم سیری اور چٹورا پن اگر چھوڑ دیا جائے تو ایک مُد روزانہ کے حساب سے سال بھر میں پانچ سو مُد اناج اور کبھی کبھی معمولی دال ترکاری کے لئے ارزانی کے موسم میں تخمیناً تین دینار کافی ہیں اب حساب لگاؤ کہ کتنے نفر کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے پس محنت مزدوری سے اسی مقدار کے موافق اپنا اور اپنے بال بچوں کا نفقہ روزانہ حاصل کرو اور خرچ کر ڈالو۔ باقی سارا وقت اللہ کی یاد میں خرچ کرو۔ اور اگر اس سے زیادہ کماؤ گے

---

[1] ایک دینار تقریباً ۴؍ کا ہوتا ہے تین دینار تقریباً للعہ ہوئے

اور جمع کروگے تو دنیا دار اور مالدار سمجھے جاؤ اور اگر کوئی زمین، جائداد جس کی سالانہ آمدنی
مذکورہ مقدار کے موافق ہو جائے اس نیت سے خرید لو کہ روزانہ کسب اور محنت مزدوری
سے سبکدوش ہو کر اطمینان کے ساتھ اللہ اللہ کر سکو گے تو فی زمانہ اس میں بھی کچھ مضائقہ
نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جائداد کا خریدنا اور زمین وغیرہ میں روپیہ لگانا اس وقت ناجائز
ہے جبکہ دنیا طلبی کے لئے ہو کہ عزت و جاہ میں ترقی یا دل میں زمیندار بننے کی خواہش ہو
اور مذکورہ صورت میں چونکہ دین ہی کا حاصل کرنا مقصود ہے اس لئے یہ اس ممانعت
سے خارج ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی[1] ہے اس کے ساتھ ہی اس
کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے کہ طبائع اور ہمتیں مختلف ہوتی ہیں ممکن ہے کہ بعض لوگ
مذکورہ قدر کفایت پر قناعت نہ کر سکیں لہٰذا ان کے لئے اس سے دو چند کی بھی اجازت
ہے کیونکہ دین میں تنگی نہیں ہے البتہ اس زیادتی میں نیت یہی ہونی چاہیے کہ چونکہ
تخفیف میں مشقت پیش آتی ہے اور عبادت میں اطمینان نہیں ہوتا اس لئے ہم کو
بہ اطمینان قلب یادِ حق میں مشغول رہنے کے لئے زائد خرچ کی ضرورت ہے نہ کہ
تلذذ[2] اور تنعم کے لئے ۔ بس اس سے زیادہ جو کوئی جمع کر کے رکھے وہ دنیا دار ہے اور
اس کو مال کی محبت ہے جو اس کا دین برباد کرنے والی ہے ۔ یاد رکھو کہ مال
جمع کرنے والوں کی غرض مختلف ہوتی ہے یا تو یہ کہ مزے اڑائیں گے یا
لذتیں پائیں گے اور یا یہ کہ موقعہ اور وقت پر آئندہ صدقات و خیرات
کریں گے ۔ اور زیادہ دور اندیشی اور اس مصلحت کے لئے جوڑ کر رکھتے ہیں کہ اگر کوئی وقت

---

[1] احمد و ترمذی اور حاکم نے صحیح روایت کیا ہے
تم جائداد حاصل نہ کرو کہ دنیا سے محبت کرنے لگو ۱۲ [2] مزہ پانا ۔ نعمت میں رہنا

افلاس آگیا یا محنت مزدوری نہ ہوسکی یا فاقہ کشی کی نوبت آئی تو یہ پسماندہ پونجی کام کرے گی حالانکہ یہ تینوں نیتیں درست نہیں ہیں کیونکہ تلذذ اور تنعم تو خدا سے غافل بنانے والی ہے اور خیرات کی نیت سے مال جمع کرنے کی بہ نسبت تو بہتر یہ ہے کہ مال ہی پاس نہ ہو اب رہا آئندہ کیلئے مال جمع کرنا جس کا نام دوراندیشی ہے سو وہ تو کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ اگر تقدیر میں فاقہ کشی اور مصیبت لکھی ہے تو وہ اس مال کی بدولت ٹل نہیں سکتی اور نیز جس طرح آفت ناگہانی کی طرف سے اطمینان نہیں اسی طرح اس بات سے بھی ناامیدی نہیں ہے کہ حق تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق پہنچا دے جہاں گمان بھی نہ جاتا ہو اور بھلا اس بدگمانی کا موقع ہی کیا ہے کہ شائد کسی وقت میں حق تعالیٰ رزق بند کر لے اور فاقہ کرا دے غلام کو اپنے آقا کے ساتھ تو نیک گمان رکھنا چاہیئے نہ کہ گمان بد۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اس کی ہوس کرنا کہ تمام عمر مالدار یا تندرست ہی رہیں اور کسی وقت بھی کسی قسم کی مصیبت یا رنج ہم کو نہ پہنچے اچھی بات نہیں ہے فراخ دستی اور آرام کی زندگی کو بہتر خیال کر لینا عقلمندوں کا کام نہیں ہے اس لئے کہ مصیبتوں اور پریشانیوں کی بدولت بندوں کو بڑے بڑے درجے ملتے ہیں اسی سے قلب کی صیقل ہوتی ہے اس سے گناہ معاف اور وہ فائدے حاصل ہوتے ہیں جن کا حاصل ہونا آسان نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ پریشانیاں انبیاء علیہم السلام پر آئیں کہ جس کے ساتھ جتنی مناسبت ہوئی اسی نسبت سے اس کو پریشانیاں اور مصیبتیں بھی اٹھانی پڑیں یاد رکھو کہ حق تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے پس تم کو جس حال میں بھی رکھے گا تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہوگی اللہ اپنی

طرف سے راحت کو اپنے لئے انتخاب کرنا اور اس میں آنے والی مصیبت کے لیے ذخیرہ جمع کرنا گویا اپنا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا اور اپنے انتخاب کو انتخاب خداوندی پر ترجیح دینا ہے جو سراسر غلط ہے علاوہ ازیں یہ بھی قابل غور ہے کہ قبل از مرگ واویلا کرنے سے فائدہ کیا اور آئندہ کی دنیوی زندگی یعنی بڑھاپے یا ضعیفی کے زمانہ کی فکر سے نتیجہ کیا؟ نہ تم اس فکر کے لیے پیدا ہوئے اور نہ تمہارے فکر کرنے سے تمہارا رزق جو مقدر ہو چکا ہے کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ تم تو آخرت کے مسافر ہو اور اسی کا سامان فراہم کرنے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہو پس اس کی فکر کرو دنیا کی پروا بھی نہ کرو کہ کتنی ملتی ہے اور کیونکر گزر رہی ہے۔

فصل: کفایت کی مقدار کا جو حساب ہم نے بیان کیا ہے وہ چونکہ تخمینی ہے اسلئے لوگوں کی طبیعتوں، حالتوں، اور موسم کی ارزانی و گرانی کے اختلاف سے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے ہمارا مقصود یہ ہے کہ مال کو دوا کی مثل سمجھو کہ بقدر ضرورت تو مفید و نافع ہوا کرتی ہے اور اس میں اور کچھ زیادتی کر دی جائے تو وہ بیماری کو بڑھا دیتی ہے اور اگر اس میں بہت ہی زیادتی کر دی جائے تو جان ہی سے مار دیتی ہے پس جہاں تک ہو سکے اخراجات و مصارف میں کمی کرو کیونکہ اگر تکلیف بھی ہے تو بس چند ہی روز کی ہے کیونکہ زندگی ہی چند روزہ ہے پس یہ تو جس طرح ہو گی گزر ہی جائے گی اور یہ بھی یاد رکھو کھانے کا مزہ بھوک میں ہی معلوم ہوا کرتا ہے پس جتنے یہاں بھوکے رہو گے اسی قدر جنت کی نعمتوں میں مزہ بھی زیادہ آئے گا۔

فصل: بخل کی حد بھی معلوم ہونی چاہیئے کیونکہ اکثر آدمی خود اپنی حالت میں شک کرتے ہیں اور نہیں سمجھ سکتے کہ بخیل ہیں یا سخی اس لئے جاننا چاہیئے کہ جہاں مال خرچ کرنے

کا شرع حکم دے یا مروت تقاضا کرے وہاں مال خرچ نہ کرنا بخل ہے پس اگر کوئی شخص اپنے بی بی بچوں کو وہ نفقہ تو برابر دیتے جاتے ہیں جو قاضی نے مقرر اور اس پر واجب کر دیا ہے مگر اس سے زیادہ ایک لقمہ بھی دینا گوارہ نہ ہو تو چونکہ یہ سختی اگرچہ شریعت کے خلاف نہیں لیکن مروت کے خلاف ہے اس لئے بخل میں شمار ہے یا مثلاً تم نے کسی دوکاندار سے کوئی شئی خریدی اور ذرا سے نقص یا عیب کی وجہ سے اس کو واپس کر دیا تو اگرچہ یہ واپسی شرعاً جائز ہے مگر چونکہ خلاف مروت ہے اس لئے بخل کہلائے گا یہاں شبہ نہ ہونا چاہیے کہ جب یہ صورتیں مروت کے خلاف ہونے کی وجہ سے بخل میں داخل ہیں تو پھر شریعت نے ان کو جائز کیوں کہہ دیا بات یہ ہے کہ شریعت کا منشا اس قسم کی بے مروتی کی باتوں کو جائز کہہ دینے میں یہ ہے کہ عام لوگوں کی باہمی نزاع دور کرے ۔ اور بخیلوں پر اتنا قلیل بوجھ ڈال کر جس کے وہ متحمل ہو سکیں انتظام دنیوی کو قائم رکھے مگر اس کے ساتھ ہی مروت کا برتاؤ اور جو ضرورتیں اتفاقیہ پیش آجائیں ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے حدیث میں آیا ہے کہ جس مال کے ذریعہ سے آدمی اپنی آبرو بچالے وہ بھی صدقہ ہے مثلاً کسی مالدار کو اندیشہ ہو کہ یہ شاعر میری ہجو کرے گا اور اگر میں اس کو کچھ دے دوں تو اس کا منہ بند ہو جائے گا اور با وجود اس علم کے کچھ نہ دے تو وہ شخص بخیل سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے اپنی آبرو محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی اور بدگو کو بد گوئی کا موقع دیا۔ تو ظاہر ہے کہ مال کی ذات تو مقصود اور محبوب نہیں ہے چنانچہ کوئی اس کو چبا نا یا نگلتا نہیں ہے ہاں البتہ چونکہ اس سے ضرورتیں پوری اور منفعتیں حاصل ہوتی ہیں اس لئے مال مرغوب ہے لہٰذا جس جگہ اس کے خرچ کرنے میں فائدہ ہو وہاں خرچ نہ کرنا غلطی کی بات ہے پس جو شخص باوجود ضرورت کے مال خرچ نہ کرے تو سمجھ لو

کہ اس کو مال کی ذات کے ساتھ محبت ہے اس نفع کے ساتھ جو کہ مال سے مقصود ہے اس کو مطلق سمجھتے نہیں کبھی مال کی محبت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ انسان کو اپنا فائدہ اور نقصان بھی نظر نہیں آتا۔ ایسی حالت بہت خطرناک ہے جس کو جہل مرکب کہنا چاہیے پس ایسی صورت میں عقل و شرع کے پابند بننے کی طرف زیادہ توجہ کرو اور جس جگہ پر خرچ کرنے کا یہ دونوں حکم دیں وہاں بے دریغ مال خرچ کریں یہ تو بخل کا تذکرہ تھا اب رہی سخاوت تو اس کی کوئی حد ہی مقرر نہیں ہے بس اتنا سمجھ لو کہ بخل کی حد سے یا ہر نکل کر جتنا بھی خرچ کیا جائے وہ سب سخاوت میں داخل ہے۔

بخل کا علاج

فصل: بخل کا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ بخل کے نقصانات معلوم کرو کہ آخرت کی تباہی اور دنیا کی بدنامی دونوں اس سے پیدا ہوتی ہیں خوب سمجھ لو کہ مال بخیل کے ساتھ جانے والا نہیں ہے صرف قبر کے گڑھے تک کا دھندا ہے پس دنیا میں انسان کو جو مال دیا گیا ہے صرف اس غرض سے دیا گیا ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورتوں میں خرچ کیا کرے سو اگر تم جان کر اس کو اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں خرچ کرو گے تو بڑی ضروری نعمت یعنی آخرت کی لذتوں سے محروم رہو گے اور اگر دنیا میں اولاد کے لئے چھوڑ مرو گے تو گویا اولاد کو تو آرام دے جاؤ گے مگر خود خالی ہاتھ چلے جاؤ گے اب تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ حماقت کیا ہو سکتی ہے۔ ذرا غور کرو کہ اگر تمہارے پسماندہ بچے صالح اور نیکوکار اٹھیں گے تو خدا ان کی ضرورتوں کا کفیل نہ ہوگا؟ پھر تمہارے جمع کرنے سے کیا نفع اور اگر خدانخواستہ وہ بدکار ہوئے تو ظاہر ہے کہ یہ تمہارا جمع کیا ہوا مال حق تعالیٰ کی معصیت میں خرچ ہوگا اور اس کا تم پر وبال پڑے گا کہ معصیت کے سبب تم قرار پاؤ گے جوں جوں دوسرے لوگ تمہارے مال سے مزے اڑائیں گے

تم پر عذاب بڑھے گا اس قسم کی باتیں سوچنے اور بخل کے نتائج پر غور کرنے سے امید ہے کہ انشاء اللہ بخل سے نجات مل جائے گی اور عملی علاج یہ ہے کہ نفس پر جبر کرو اور خرچ کرنے کی بے تکلف عادت ڈالو ضرورتوں کے وقت خرچ کرنے کی خوبی کا تصور باندھ کر اتنا زور ڈالو کہ خرچ کرنے کی رغبت ہونے لگے اور پھر بند بند برے خیالات اور مذموم اخلاق کو دور کرتے رہو یہاں تک کہ بخل کی جڑ کٹ جائے اور اب مال کا صرف کرنا خالصاً لوجہ اللہ بن جائے۔

رعونت اور حبِ شہرت وجاہ

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ دار آخرت کی بھلائیاں انہیں کے لئے مخصوص ہیں جو زمین پر رہ کر بڑھنا چڑھنا اور فتنہ و فساد کرنا نہیں چاہتے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بکریوں کے گلے میں دو بھیڑیے آ پڑیں تو وہ اتنا نقصان نہ کریں گے۔ جتنا مال وجاہ کی محبت دیندار مسلمان کے دین کا نقصان کرتی ہے۔ خوب سمجھ لو کہ رعونت اور حب جاہ بری بلا ہے ان سے قلب میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے حقیقت میں وہ لوگ بڑے آرام میں ہیں جن کو کوئی جانتا بھی نہیں پریشان حال غبار آلود کہ نہ تو لوگ ان کو پاس بٹھانا پسند کرتے ہیں نہ امراء ان کو اپنی کوٹھی میں گھسنے کی اجازت دیتے ہیں اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو کوئی ان کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتا پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور ذلت و مسکنت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں انہیں میں ایسے بندے ہوتے ہیں کہ اگر کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو حق تعالیٰ ان کی خاطر اس کو پورا فرماتا ہے یاد رکھو کہ جاہ

ؔ خود رائی ۱۲ ؔ عزت ۱۲ ؔ ترمذی و احمد صحیح ہے ۱۲

حصول عزت و ... (handwritten margin note)

انسان کی شہرت ہوئی اور اس کی مسندِ عزت کی جگہ ملی اور لوگوں کے آگے آگے چلنا پسند آیا تو بس تباہی آگئی خدا کے بندے اپنے آپ کو بہت چھپاتے ہیں البتہ بلا طلب و بلا خواہش اگر حق تعالیٰ ہی ان کو ظاہر فرما دے تو اب ان کو اپنا چھپانا مناسب نہیں رہتا دیکھو انبیاء علیہم السلام خلفاء راشدین اور اکثر اولیاء کی دنیا میں شہرت ہوئی ہے مگر چونکہ ان میں سے کسی نے بھی اپنی شہرت کی آرزو یا خواہش نہیں کی بلکہ محض حق تعالیٰ کی اطاعت تھی کہ اس نے جس حال میں بھی رکھا اس پر راضی ہو گئے اس لیے نہ تکبر پیدا ہوا اور نہ حبِ جاہ کیونکہ حبِ جاہ اس کا نام ہے کہ اپنی شہرت کی خود خواہش کرے اور ظاہر ہے کہ اس سے رعونت پیدا ہو جاتی ہے حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

حبِ جاہ اور حبِ مال کا فرق

فصل: حبِ جاہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ انسان لوگوں کے قلوب پر قبضہ کرنا چاہے اور اس کی خواہش کرے کہ ان کے دل میرے مطیع بن جائیں میری تعریف کیا کریں۔ میری حاجت کے پورا کرنے میں لپکیں اور جان تک سے دریغ نہ کریں مال کے ساتھ بھی انسان کو اسی غرض سے محبت ہوتی ہے کہ وہ رفع حاجت کا ذریعہ بنے اور جاہ و شہرت کی خواہش بھی اس لیے ہوتی ہے کہ کوئی ضرورت بند نہ رہے پس مقصود کے اعتبار سے دونوں ایک ہی نفع کے سبب ہیں البتہ چونکہ حبِ جاہ سے مال بھی حاصل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اس کو چرا سکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے اور مال کے ذریعہ سے بسا اوقات جاہ حاصل نہیں ہوتا اور مال میں چوری کا اور لوٹ کا خطرہ بھی رہتا ہے اس لیے حبِ جاہ کا درجہ حبِ مال سے بڑھا ہوا ہے اور چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی کی تعظیم کا اعتقاد لوگوں کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو لامحالہ لوگ اس کی تعریف کرنے اور دوسروں کو اس مضمون میں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں اور جب ان کو اس کی دھن

تنگ جاتی ہے تو بسا اوقات کامیاب بھی ہو جاتے ہیں پس اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار حب جاہ میں بلا تکلف و بلا مشقت کامیابی ہو جاتی ہے برخلاف اس کے مال کے جمع کرنے میں بیسیوں تدبیریں اور حیلے کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی خاطر خواہ مال جمع ہونا مشکل ہوتا ہے اسی وجہ سے انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت و خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ فقرا بھی حب جاہ میں مبتلا پائے جاتے ہیں حب جاہ کے بکثرت ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر آدمی کو اپنی بڑائی اور عزت کی بالطبع خواہش ہوتی ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ میں ایسا بے مثل و یکتائے روزگار ہوں کہ بس میں ہی ہوں حالانکہ یہ حقیقت الٰہیہ ہے اور خداوند تعالیٰ ہی کو شایاں ہے کیونکہ یکتائی اسی کی شان ہے اور تمام مخلوق اس واجب الوجود کے نور قدرت کا پرتو ہے پس جو انسان حب جاہ کے مرض میں گرفتار ہے وہ گویا اللہ عز اسمہٗ کے ہم پلہ ہو جانے کا خواہش مند اور اس کے ساتھ اس نسبت کے قائم رکھنے سے ناراض ہے جو دھوپ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے گویا اس کا نفس فرعون کی طرح انا ربکم الاعلیٰ پکار رہا ہے کہ (میں ہی تم سب کا بڑا پروردگار ہوں) بس اتنا فرق ہے کہ فرعون نے یہ کلمہ زبان سے لوگوں کے سامنے کہدیا تھا اور دوسرے لوگ اس کو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں مگر چونکہ شان یکتائی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی اور اس آرزو میں کامیاب ہونا محال ہے اس لئے انسان کا نفس چاہتا ہے کہ مستقل وجود میں کامیاب نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ ساری مخلوق پر قبضہ ضرور حاصل ہو جائے کہ جس شئے پر جو چاہوں تصرف کروں مگر چونکہ آسمان ستاروں پہاڑ اور دوسری بڑی مخلوقات پر قبضہ ہونا دشوار نظر آیا اس لئے ذرا نیچے اتر کر اس کا منتہیٰ نظر آیا کہ صرف زمین

رہی کی مخلوقات پر مالکانہ تصرف حاصل ہو جائے یعنی حیوانات مسخر ہو جائیں اور معدنیات و نباتات تابع فرمان بن جائیں اور ان علویات آسمانی اور بڑی مخلوقات ارضی کی جن پر مالکانہ تصرف حاصل ہونا ناممکن ہے پوری واقفیت اور تحقیق تام حاصل ہو جائے تاکہ ہاتھ کا قبضہ نہ ہو تو علم ہی کا قبضہ قائم رہے اور دنیا کی آبادی میں سے ذوالعقول مخلوق یعنی انسان اپنے قلوب کے اعتبار سے میرے مطیع و فرماں بردار بن جائیں کہ میری عظمت و بڑائی کے معتقد ہو کر مجھ کو صاحب کمال سمجھنے لگیں ہاتھ باندھے ہوئے میری تعظیم کریں اور میری شہرت کا آوازہ ان ملکوں تک پہنچ جائے جہاں میں خود نہیں پہنچ سکتا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

فصل:۔ انسان ایک دن مرنے والا ہے اور جاہ و شہرت مرنے کے بعد ختم ہو جائے گی پس اگر یہ ناپائیدار شہرت حاصل بھی ہوئی اور مخلوق میں عزت اور جاہ بھی مل گئی تو کیسا ہوا؟ یہ تو کوئی خوبی اور کمال کی بات نہیں کمال تو ایسی چیز کا حاصل کرنا ہے کہ جس میں موت کوئی خلل یا کمی پیدا نہ کرے اور وہ معرفت ہے ○ بے شمار مراتب ہیں اس کی ترقی جاری رہتی ہے لہٰذا اس رعونت اور طلب شہرت کا علاج کرو اور اس کی محبت دل سے نکالو یوں سمجھو کہ اگر مثلاً تمام دنیا تم کو سجدہ بھی کرنے لگے تو کے دن کے لئے آخر ایک دن وہ ہو گا کہ نہ تم باقی رہو گے اور نہ سجدہ کرنے والے باقی رہیں گے تعجب ہے کہ زمانہ تو تمہارے ساتھ یہاں تک بخل کرتا ہے کہ شہر یا قصبہ تو درکنار تمہارے محلہ پر بھی تم کو پورا قبضہ نہیں دیتا اور تم زمانہ کی ہمدردی میں ایسے ڈوبے کہ دائمی نعمت اور سلطنت جاوید چھوڑنے پر راضی ہو گئے کہ دنیا کی اس مکدر و حقیر شہرت اور چند ایسے احمق و ضعیف لوگوں کی تعظیم و تکریم پر نازاں ہو گئے جن کو نہ کسی کی موت و حیات کا اختیار ہے اور نہ کسی

○ اس لئے کہ صاحب معرفت شخص دنیا سے انتقال کر جاتا ہے تب بھی معرفت کے

کے ضرر اور نفع پر دسترس ہے اور اس کی بدولت اس ناپائدار عزت اور عالم ملکوتی
کی شہرت کو کھو بیٹھے جو حق تعالیٰ اور اس کی برگزیدہ و پاک مخلوق یعنی فرشتوں میں
تم کو حاصل ہوتی ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدر ضرورت جاہ کا بھی
محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور ظالم حاکموں کی
دست برد سے بے خوف ہو کر باطمینان قلب عبادت میں مشغول رہ سکے لہٰذا اتنی
طلب جاہ میں مضائقہ نہیں ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کا دھیان رکھنا بھی ضروری ہے
کہ بقدر ضرورت جاہ اپنی عبادتوں میں ریا اور دکھاوا کر کے نہ حاصل کرے کیونکہ ریا حرام
ہے نیز متقی اور صوفیانہ صورت بنا کر بھی مخلوق کو دھوکہ نہ دو کیونکہ اگر درویشانہ یا عالمانہ
صورت کی بدولت مخلوق میں عزت حاصل کرو گے تو خدا کے نزدیک مکار سمجھے جاؤ گے
کہ جو مضمون قلب کو حاصل نہ ہوا اور محض صورت بنا کر اس کا اظہار کیا جائے وہ
دھوکا اور مکر کہلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دھوکہ حرام ہے بہر حال طلب جاہ بڑی خطر
ناک چیز ہے کیونکہ اس کی ہوس انسان کو ایک حالت پر قناعت نہیں کرنے دیتی
پس اگر سچ پوچھو دین انہیں لوگوں کا محفوظ ہے جن کا حال اتنا مخفی و پوشیدہ ہے
کہ ان کو کوئی جانتا ہی نہیں کہ وہ کس زمرہ کے ہیں ۔

بقدر ضرورت جاہ کی طلب جائز ہے

فصل :- اکثر حب جاہ کا سبب اپنی مدح و ثنا کی خواہش ہوا کرتی ہے کیونکہ انسان
کو اپنی تعریف و مدح میں لذت آتی ہے اور لذت آنے کی تین وجہ ہیں ۔

اول :- چونکہ کمال حق تعالیٰ کی صفت ہے اور ہر شخص کو مرغوب ہے کہ میرے اندر بھی یہ
صفت پیدا ہو لہٰذا نفس اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ تعریف
کرنے والا میرے کمال سے واقف ہے اور یہی وجہ ہے کہ بیوقوف اور جاہل شخص

کی تعریف سے اتنی خوشی نہیں ہوا کرتی جتنی کسی ہوشیار اور عقلمند کی مدح سے ہوتی ہے۔

دوم: تسخیر کی خواہش ہر شخص کو ہے اور اپنی مدح سن کر چونکہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مدح کے قلب پر میرا قبضہ اور اثر ہو گیا ہے لہٰذا نفس کو اس میں مزہ آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی صاحب عزت شخص تعریف کرے تو زیادہ مسرت ہوتی ہے اور کوئی محتاج یا بھیک منگا فقیر مدح کرے تو بالکل خوشی نہیں ہوتی کیونکہ اس کے قلب پر قبضہ کرنا کوئی کمال یا خوبی نہیں سمجھی جاتی۔

سوم: یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے آوازۂ شہرت کے بلند ہونے کا ذریعہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ لوگوں کو میری تعریف کرنے کی طرف توجہ ہوئی اور اب یہ آہستہ آہستہ پھیل کر دنیا بھر میں بہت جلد شہرت کرا دیگی لہٰذا مدح سے نفس پھولتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجمع میں تعریف ہونے سے جتنی مسرت ہوتی ہے تنہائی میں مدح ہونے سے اتنی مسرت نہیں ہوتی۔

خوب سمجھ لو کہ اس حب مدح نے لوگوں کو یہ باد کر دیا اسی کی بدولت ہر بیا اور طرح طرح کی معصیت میں مبتلا ہو گئے پس اس کا علاج کرنا چاہیئے غور کرو کہ تعریف کرنے والا کس بات کی تعریف کرتا ہے اگر تمہارے مال اور عزت کی تعریف کر رہا ہے تو سمجھو کہ یہ تو کوئی کمال کی چیز نہیں ہے مسرت تو حقیقی کمال یعنی معرفت الٰہی کے حصول پر ہونی چاہیئے اور وہی کمال تو رونے کا مقام ہے نہ کہ مسرت کا اور اگر تمہارے زہد اور اتقا کی تعریف ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یعنی یا تو یہ کہ درحقیقت تم زاہد اور متقی ہو اور تمہاری تعریف اس بارے میں سچی ہو رہی

ہے اور یا محض تمہیں خوش کرنے کیلئے تمہاری جھوٹی تعریفیں کی جا رہی ہیں اگر سچی تعریف ہے تو اس کا علاج اس طرح کرو کہ دل میں سوچو اور غور کرو کہ ان باتوں کا اپنے اندر آ جانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرما لینا خوشی کی بات ہے نہ کہ دوسروں کا بیان کرنا کیونکہ لوگوں کے اظہار کو قبولیت اور قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں ہے اور اگر زہد و اتقا کی تعریف جھوٹی ہو رہی ہے تب تو خوش ہونا کھلی حماقت ہے کیونکہ اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ کوئی شخص تمہاری تعریف کرنے لگے کہ آپ کی آنتوں اور معدہ میں عطر کی خوشبو آ رہی ہے حالانکہ تم واقف ہو کہ اس میں نجاست اور فضلہ بھرا ہوا ہے اور پھر اس بے جا مدح اور بے موقع بلکہ صریح جھوٹی تعریف پر خوش ہونے لگو تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ بے وقوفی کیا ہو گی اور جاہ شہرت کا علاج ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اس پر عمل کرنے سے امید ہے کہ سب مدح کی جڑ کٹ جاتی ہوگی

دنیا کی محبت

دنیا صرف مال و جاہ ہی کی محبت کا نام نہیں بلکہ موت سے پہلے جس حالت میں بھی تم ہو وہ سب دنیا ہے اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے دنیا کے تمام جھگڑوں بکھیڑوں اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دنیا کی محبت ہے البتہ علم و معرفت الٰہی اور نیک کام جن کا ثمرہ مرنے کے بعد ملنے والا ہے ان کا وقوع اگرچہ دنیا میں ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ دنیا سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی محبت دنیا کی محبت نہیں ہے بلکہ آخرت کی محبت ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان پر فریفتہ

علم اور معرفت الٰہی آخرت کی محبت سے

ہو کر آخرت ضائع کرتا ہے اور کون بقدر ضرورت سفر کا توشہ سمجھ کر اپنی آخرت سنوارتا
ہے یاد رکھو کہ آدمی کو جاہ و مال کے علاوہ زمین کی بھی محبت ہوا کرتی ہے مثلاً مکان
بنائے یا کھیتی کرے۔ نباتات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً جڑی بوٹی ہو کہ اس کو دوا
میں استعمال کرے یا ترکاری و دیگر پیداوار یا پھل پھول ہو کہ اس کو کھائے اور مزے
اڑائے معدنیات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً برتن اور اوزار بنائے یا زیور بنوا کر پہنے یا
نقد جمع کرے حیوانات کی محبت ہوتی ہے مثلاً شکار کرے اور رکھے یا ان پر سواری کرے
اور اپنی زینت بڑھائے اور آدمیوں کی محبت ہوتی ہے مثلاً یہ کہ عورتوں کو منکوحہ اور
خادمہ بنائے یا مردوں کو غلام اور نوکر خدمتگار بنائے انہیں چیزوں کی محبت کا نام
ہوائے نفس ہے جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو خواہش سے روک
لیا اس کا ٹھکانہ جنت ہے یاد رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور اسی
میں اکثر مہلک باطنی امراض مثلاً غرور نخوت کینہ حسد ریا تفاخر اور آگے بڑھنے کی
حرص پیدا ہوتی ہے اور جب انسان کو حیات دنیوی کی درستی و آرائش کا شوق پیدا ہوتا
ہے تو صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس
جاتا ہے کہ اس کو آگے پیچھے اور مبدا و معاد کی کچھ خبر ہی نہیں رہتی اور ظاہر و باطن دونوں
دنیا ہی کے ہو رہتے ہیں قلب محبت دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور بدن اس کی اصلاح
و تدبیر میں مصروف۔ حالانکہ دنیا توشۂ آخرت ہے اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافران
آخرت آسانی اپنا سفر ختم کر سکیں گے مگر بے وقوف اور احمق لوگوں نے اسی کو
مقصود اصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشغلوں اور قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے
کہ کوچ کرنے والے وقت کو بالکل بھول گئے ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی

نیت سے روانہ ہوا در جنگل میں پہنچ کر سواری کے گھاس دانہ اور اس کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں لگ جائے اور ہمراہیوں سے پیچھے رہ جائے افسوس ہے اس کی حالت پر کہ تن تنہا جنگل میں رہ گیا اور قافلہ کوچ کر گیا جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی ختم ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندوں نے موٹی تازی سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا اور اس کو بھی اپنے منہ کا نوالہ بنا گئے۔ یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم اپنے جسم خاکی پر سوار ہو کر سفر آخرت کر رہے ہو اس لئے تم کو چاہیئے کہ اپنی سواری کا گھاس دانہ بقدر کفایت اٹھاؤ اور سفری ضرورتوں میں کام آنے والا سامان مہیا کرکے وہ بیج بو دو جس کو آخرت میں کاٹو۔ اور پھر دائمی زندگی آرام سے گزار سکو اگر اس ماتحت سواری کی پرورش و فربہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کوچ کر جائے گا اور تم منزل مقصود تک نہ پہنچ سکو گے۔ دنیا میں مخلوق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کشتی پر کچھ آدمی سوار ہوں اور کشتی کسی جزیرے کے کنارے پر آ ٹھہرے اور کشتی کا ملاح سواریوں کو اجازت دے دے کہ جاؤ جزیرے میں اتر کر اپنی ضرورتیں پوری کر آؤ مگر ہوشیاری سے کام لینا جگہ خطرناک ہے اور ابھی سفر دور دراز سر پہ ہے غرض سواریاں اتریں اور ادھر ادھر منتشر ہو کر کئی اقسام پر منقسم ہو گئیں بعض تو ضروری حاجت سے فارغ ہوتے ہی لوٹ پڑے اور ان کو فضول وقت گزارنا اچھا نہ معلوم ہوا بس دیکھا کہ کشتی خالی پڑی ہے لہذا اپنی پسند کے موافق ساری کشتی میں اعلیٰ درجہ کی ہوادار اور فراخ جگہ منتخب کرکے وہاں بیٹھ گئے۔ اور بعض جزیرہ کی خوش گوار ہوا کھانے اور خوش الحان پرندوں کی سریلی آوازوں کے سننے میں لگ گئے سبز مخملی فرش اور رنگ برنگ کے پھول بوٹوں اور طرح طرح کے پتھروں۔ درختوں کی گلکاریوں میں مشغول ہو گئے۔ مگر پھر جلدی

مسلمان آخرت کی تیاری میں مشغول رہے

ہوش آگیا اور فوراً کشتی کی جانب واپس ہوئے یہاں پہنچ کر دیکھا کہ جگہ تنگ رہ گئی ہے اور پہاڑ و پر فضا جگہوں پر ان سے پہلے آجانے والے لوگ بستر لگا چکے ہیں لہٰذا اس تنگ ہی جگہ میں تکلیف کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اور چند لوگ اس جزیرہ کی عارضی بہار پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ دریائی خوشنما سیپیوں اور پہاڑی خوبصورت پتھروں کے چھوڑنے کو ان کا دل ہی نہ چاہا بس ان کا بوجھ لاد کر انہوں نے اپنی کمر پر رکھا اور سمندر کے کنارے پر پہنچے کہ کشتی پر سوار ہوں دیکھا کشتی لبریز ہو چکی ہے کہ اس میں نہ اپنے بیٹھنے کی جگہ ہے اور نہ اس فضول بوجھ کے رکھنے کا کوئی امکان ہے اب حیران ہیں کہ کیا کریں ادھر تو بوجھ کے پھینکنے کو نفس گوارا نہیں کرتا اور ادھر اپنے بیٹھنے تک کو جگہ نہیں ملتی غرض قہر درویش برجانِ درویش۔ نہایت دقت کے ساتھ ایک نہایت تنگ جگہ میں گھس بیٹھے اور کنکروں پتھروں کے بار گراں کو اپنے سر پر لاد لیا اب ان کی حالت کا تم ہی اندازہ کر لو کہ کیا ہوگی کمر الگ دکھے گی گردن جدا ٹوٹے گی اور جس مصیبت و تکلیف کے ساتھ وقت کٹے گا اس کو ان کا ہی دل خوب سمجھے گا اور بعض لوگ جزیرہ کے دل افروز حسن پر ایسے عاشق ہوئے کہ کشتی اور سمندر سب بھول گئے پھول سونگھنے اور پھل کھانے میں مصروف ہو گئے اور کچھ خبر ہی نہ رہی کہ کہاں جانا ہے اور یہاں رہ کر کن درندوں اور موذی جانوروں نے ان کے نازک اور خوبصورت بدنوں کو ٹکڑے کر دیا یہی حال بعینہٖ دنیا داروں کا ہے اب تم خود غور کر کے سمجھ لو کہ کن لوگوں پر کونسی مثال چسپاں ہوتی ہے۔

فصل جو شخص اپنے نفس کی ماہیت سے واقف ہو گیا اور معرفت الٰہی حاصل کر لی اور جس نے دنیائے دنی کی خفیفت سمجھ لی وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت

کے بغیر آخرت کی جاوید نعمتیں ہرگز نہیں مل سکتیں اور حق تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دنیا کی محبت کا جمع ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی کا جمع ناممکن ہے اور جب تک انسان دنیا سے منہ نہ پھیرے گا کہ ان فانی تعلقات کو منقطع کرے اور بقدر ضرورت دنیا پر قناعت کر کے یہ اطمینان ہر لحظہ فکر و ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے اس وقت تک حق تعالیٰ کی محبت پیدا نہ ہو گی اگر تمہاری ایسی حالت ہو جائے اور نور بصیرت کے مشاہدے سے یہ اسرار منکشف ہو جائیں تب تو کسی کے سمجھانے اور بتلانے کی حاجت ہی نہیں ورنہ شریعت کے تابع بن کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کسقدر مذمت فرمائی ہے تقریباً تہائی قرآن اسی دلفریب سبزہ زار بلا حاصل کی برائیوں سے بھرا ہوا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ جنہوں نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ جہنمی ہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۱] کہ تعجب ہے ان بندوں پر جو عالم بقا کو سچا سمجھیں اور پھر اس ناپائیدار پر فریفتہ ہوں۔

خوب سمجھ لو کہ جو لوگ دنیا کو مقصود سمجھ کر اس کے کمانے میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ سدا پریشان رہتے ہیں کیونکہ ان کی طلب کبھی ختم نہیں ہوتی اور ان کی فکر کبھی رفع نہیں ہوتی ان کی آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی ان کا رنج و غم کبھی دور نہیں ہو سکتا۔

حدیث میں[۲] آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ابوہریرہؓ

---

[۱] زہر قاتل لاعلاج ۱۲۔ [۲] ابن ابی الدنیا مرسل ۱۲ [۳] ابن ابی الدنیا۔ مرسل ۱۲

کا ہاتھ پکڑا اور ایک کوڑے پر لا کھڑا کیا جہاں مردوں کی کھوپڑیاں اور نجاست و غلاظت کے ڈھیر اور بوسیدہ ہڈیاں اور پھٹے پرانے کپڑے پڑے ہوئے تھے اور فرمایا دیکھو ابوہریرہ یہ ہے دنیا کی حقیقت ایک وقت وہ تھا کہ ان کھوپڑیوں میں بھی تمہاری طرح امیدیں اور آرزوئیں جوش میں ہوتی تھیں اور حرص و ہوس سے لبریز تھیں اور آج کس برے حال میں کوڑے پر پڑی ہیں کہ چند روز میں خاک ہو جائیں گی۔ اور ان کا نام و نشان بھی نہ رہے گا اور دیکھو یہ غلاظت اور فضلہ جو تم کو نظر آ رہا ہے وہ تمہاری غذا ہے جس کے پیٹ کے اندر بھی حلال اور حرام کا بھی امتیاز نہیں ہوتا ایک دن تھا کہ رنگ برنگ کے کھانے بن کر تمہارے پیٹ میں تھا اور آج یہاں کوڑے پر کس گندی حالت میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی بو سے لوگ بھاگتے اور گھنیاتے ہیں دیکھو یہی پرانے چیتھڑے کسی وقت تمہارے چمک دمک والے لباس تھے اور آج ان کو ہوائیں ادھر ادھر اڑائے پھرتی ہیں اور کوئی پرسان حال نہیں ہوتا اور دیکھو یہ ہڈیاں کسی دن سواری کے جانور اور مویشی تھے کہ جن پر لوگ جانیں دیتے اور قتل و قتال کیا کرتے تھے اے ابوہریرہ یہ دنیا کی حقیقت ہے جس کا قابل عبرت انجام دنیا میں ظاہر ہو گیا بس جس کو رونا ہے روئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک دن دنیا کی حقیقت منکشف ہوئی انہوں نے دیکھا کہ ایک بدصورت بڑھیا سنگار کئے ہوئے زیور و پوشاک پہنے بنی ٹھنی بیٹھی ہے آپ نے پوچھا کہ اے بڑھیا تو کتنے لوگوں سے نکاح کر چکی ہے بڑھیا نے جواب دیا کہ بے شمار آدمیوں سے۔ آپ نے فرمایا ان شوہروں کا انتقال ہو گیا یا تجھ کو طلاق دے بیٹھے؟ دنیا نے جواب دیا کہ طلاق دینے کی ہمت تو کس کو ہوتی ہے میں نے سب کو مار ڈالا یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

نے فرمایا کہ تیرے موجودہ شوہروں پر افسوس ہے کہ ان کو گزشتہ شوہروں کی حالت پر عبرت نہیں ہوتی مسلمانو! ہوشیار ہو اور سنبھلو دنیا بڑی بے وفا ہے۔ اس سے بچو اس کا جادو ہاروت وماروت کے سحر سے زیادہ اور جلد اثر کرتا ہے۔ اگر پرانا نمک جو کی روٹی کے ساتھ کھا کر اور ٹاٹ پہن کر زندگی گزار دو گے تب بھی گزر جائے گی مگر آخرت کی فکر کرو کہ وہاں کی رتی برابر نعمت کا نہ ملنا بھی بڑی تکلیف کا سبب ہے۔

فصل: ۔بعض لوگ دھوکا کھا جاتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا بدن کتنا ہی دنیا میں مصروف رہے مگر ہمارا دل دنیا سے فارغ اور خالی رہتا ہے یاد رکھو یہ شیطانی وسوسہ ہے بھلا کوئی شخص دریا میں چلے اور پاؤں نہ بھیگے یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر تم کو دنیا کی طلب ہوگی اور ضرورت سے زیادہ دنیا کمانے کی تدبیروں میں لگے رہو گے تو ضروری بات ہے کہ پریشان رہو گے اور دین کو ہاتھ سے کھو بیٹھو گے یہ بھی یاد رکھو کہ دنیا کی یہ طلب کبھی ختم نہ ہوگی اور اس کی حرص ہمیشہ بڑھتی رہے گی کیونکہ دنیا کی مثال سمندر کے کھارے پانی کی سی ہے کہ جتنا پیو گے اسی قدر پیاس زیادہ لگے گی بھلا جو چیز ایک دن تم سے چھوٹ جانے والی ہے اس میں مصروف ہونا اگر اپنے رنج کا سامان کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے میں نہایت نرم ہے مگر منہ میں قاتل و مہلک زہر لئے ہوئے ہے اس بےوفا کی مفارقت یقینی ہے لہٰذا اس کے ہاتھ آجانے پر خوش ہونا اور ہاتھ نہ آنے پر رنج و ملال کرنا دونوں فضول ہیں دنیا کے زر و مال کو اپنے اطمینان کا ذریعہ سمجھنا بڑی حماقت ہے جہاں ہمیشہ رہنا نہیں وہاں اطمینان کیسا۔ دنیا کی

دنیا کی طلب ختم نہیں ہوتی

مثال ایسی ہے جیسے کسی مہمان نواز نے اپنا مکان آراستہ کیا اور شیشہ و آلات سے سجا کر مہمانوں کو بلا کر اور ان کو اس میں بٹھا کر عطر اور خوشبو اور پھولوں سے بھرا ہوا طباق ان کے سامنے رکھ دیا ظاہر ہے کہ صاحب مہمان کا مطلب اس سے یہ ہے کہ طباق میں رکھے ہوئے پھولوں کو سونگھو اور پاس والوں کے آگے سرکا دو کہ وہ اب اسی طرح نفع اٹھائیں اور بخوشی خاطر برابر والوں کے سامنے کر دیں یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے طباق پر تم ہی قبضہ کر بیٹھو پس اگر کوئی شخص آداب مجلس سے واقف نہ ہوا اور طباق کو اپنا نذرانہ سمجھ کر اپنی بغل میں دبالے تو اس کی حماقت پر تمام حاضرین مجلس ہنسیں گے اور اس کا مذاق اڑائیں گے اور اس کے بعد یہ نتیجہ ہوگا کہ مالک مکان زبردستی اس سے طباق چھین کر دوسروں کے سامنے رکھ دے گا تم ہی سوچو کہ اس وقت اس کو کیسی ندامت ہوگی۔ اسی طرح دنیا حق تعالیٰ کی میزبانی کی جگہ ہے اس کا حق تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ مسافران آخرت آئیں اور بقدر ضرورت اس طرح نفع اٹھائیں جس طرح مستعار چیزوں سے نفع اٹھاتے اور اپنی حاجتیں رفع کیا کرتے ہیں اس کے بعد بخوشی خاطر اس کو دوسروں کے حوالہ کر کے اپنا راستہ لیں اور آخرت میں آ پہنچیں پس مستعار چیزوں سے دل کا لگانا حقیقت میں چلتے وقت اپنے آپ کو شرمندہ اور رنجیدہ بنانا ہے ۔

نخوت و کبر

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر کرنے والے کا بہت برا ٹھکانہ ہے کبریائی خاص میری چادر ہے پس جو شخص بھی اس میں شریک ہونا چاہے گا میں اس کو قتل کر دوں گا

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا جو لوگ باوجود صاحب عزت و مال ہونے کے تواضع کرتے اور عاجزی و انکساری کے ساتھ لوگوں سے ملتے ہیں ان کو مبارک ہو کہ ان کے بڑے درجے ہیں ان کی دنیا میں بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت میں بھی

تکبر کی حقیقت اور اس کے آثار

تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو صفاتِ کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتا ہے مثلاً راستہ میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنا یا اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اس پر غصہ ہونا کوئی اگر تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا کوئی اگر نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھانا حق بات معلوم ہونے پر بھی اس کو نہ ماننا اور عوام الناس کو ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں نعوذ باللہ منہا۔ چونکہ تکبر بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے اس لئے جہنم کا پورا ذخیرہ ہے۔

کبریائی حق تعالیٰ کی صفت ہے

اوّل:۔ کبریائی کہ وہ حق تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص اور اسی کی شان کو زیبا ہے بس انسان ضعیف البنیان جس کو دوسرے کا اختیار تو درکنار اپنے ہی نفس کا اختیار نہیں اس صفت الٰہی میں شریک ہونے کی کس طرح جرأت کر سکتا ہے اور چونکہ متکبر شخص باوجود اس ذلت و ضعف کے حق تعالیٰ کی مشارکت چاہتا۔ اور اس صفتِ کمالیہ

۱؎ حاکم صحیح ۱۲۔

ہیں اسکے ساتھ منازعت کرتا ہے اس لئے پرلے درجے کا احمق اور خبیث النفس سمجھا جائے گا۔

دوم: تکبر کی وجہ سے حق بات کے انکار کی نوبت آتی ہے جس سے دینی سعادت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور متکبر اللہ کی مخلوق کو بہ نظر حقارت دیکھنے لگتا ہے اور یہ بات حق تعالیٰ کو بہت ناگوار ہے کان لگا کر سنو ایک بزرگ کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کو اپنی طاعت میں چھپا رکھا ہے لہٰذا کسی عبادت کو کتنی چھوٹی کیوں نہ ہو حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ اس کی رضامندی اس میں چھپی ہوئی ہو اور اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنی ناراضی اور غصہ کو معصیت میں چھپا دیا ہے پس کسی معصیت کو کیسی ہی ذرا کیوں نہ ہو کبھی معمولی نہ سمجھو۔ کیا خبر ہے شاید اسی میں اس کی ناراضگی اور غصہ چھپا ہوا ہو اسی طرح اپنی ولایت و قرب کو اپنے بندوں میں مخفی رکھا ہے لہٰذا کسی بندہ کو کیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہو کبھی حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ شائد اسی عمل میں اس کی رضامندی ہو جس کا ظہور اس کے انتقال کے وقت دفعتہً ہو جائے

سوم: تکبر نفس کو کوئی شخص پسندیدہ صفت نہیں سمجھتا تکبر کرنے والا تواضع سے محروم رہتا ہے حسد اور غصہ کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا ریاکاری کا چھوڑنا اور نرمی کا برتاؤ اس کو دشوار ہوتا ہے کسی مسلمان بھائی کی خیر خواہی اس سے ہو نہیں سکتی غرض اپنی عظمت اور بڑائی کے غرہ میں مست اور ہمہ صفت موصوف ہونے کے خیال باطل میں ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفس امارہ کی اصلاح سے بالکل محروم رہتا ہے۔ چونکہ جب تک یہ بدخصلت دفعہ نہ ہو جائے آئندہ بھی اس کی اصلاح کی توقع نظر نہیں آتی لہٰذا اس کے علاج میں جلدی کرنی چاہیئے اول تو یہی سوچنا چاہیئے کہ ہماری حقیقت اور

اصلیت کیا ہے ظاہر ہے کہ ابتدا تو نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے اور انتہا مردار تو تھڑا اور کیڑے مکوڑوں کی غذا۔ اب رہی متوسط حالت کہ جس کا نام زندگی اور حیات دنیا ہے سو اس کی حالت یہ ہے کہ منوں نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَهَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ الخ کہ انسان محض معدوم نیست تھا اور اس قابل ہی نہ تھا کہ ذکر و بیان میں آسکے اس کے بعد مٹی بنا اور پھر نطفہ ہوا پھر مضغہ گوشت بنا۔ نہ کان تھے نہ آنکھ اور نہ حیات تھی نہ طاقت اس کے بعد حق تعالیٰ نے سب کچھ دیدیا مگر اس پر بھی بیسیوں امراض کا ہر وقت نشانہ بنا ہوا ہے بھوک اور پیاس کا جدا محتاج ہے اور ذراسی تکلیف میں بیکار ہو کر بیٹھ جاتا ہے کسی شئے کا علم چاہتا ہے مگر نہیں ہو سکتا نفع حاصل کرنا چاہتا ہے مگر نقصان ہو جاتا ہے کوئی لحظہ موت سے امن نہیں خدا جانے کس وقت بیمار ہو جائے کس وقت عقل چھن جائے کس وقت کوئی عضو بیکار ہو جائے اور کس وقت روح پرواز کر جائے پھر انجام کار موت کا شکار اور اس کے بعد تنگ و تاریک گھاٹیوں کا سامنا ہونا ہے حساب کتاب حشر و نشر پیش آنے ہیں جنت و دوزخ میں دائمی زندگی کا فیصلہ اور شاہنشاہی فرمان کا صادر ہونا، بھلا نہیں بتاؤ کہ ایسے گرفتار مصیبت اور ذلیل و ناکارہ غلام کو زبردست قدرت والے جبار و قہار شاہنشاہ کی ہمسری کا خیال کیونکر زیبا ہو سکتا ہے جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اگر نجاست اس کے ہاتھ کو لگے تو دو دو مرتبہ دھوئے اور پھر اسی نجاست کو ہر وقت پیٹ میں لئے پھرے اس کو تکبر کرنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

انسان کو عموماً چار باتوں میں تکبر ہوتا ہے۔ علم۔ تقویٰ حسب و نسب اور مال و جمال اور چونکہ ہر ایک کا علاج جداگانہ ہے لہٰذا ہم ہر مضمون کو مفصل جدا جدا بیان

کرتے ہیں علما تکبر سے بہت کم خالی ہوتے ہیں کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہیں ہے لہٰذا اس کو حاصل کر کے دو خیال پیدا ہو جاتے ہیں۔

اول: یہ کہ اللہ کے یہاں ہمارے برابر دوسروں کا رتبہ نہیں ہے

دوم:۔ یہ کہ لوگوں پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہے پس اگر لوگ تواضع کے ساتھ پیش نہ آئیں تو ان کو تعجب ہوا کرتا ہے پہلا تکبر دینی تکبر ہے اور دوسرا تکبر دنیوی ہے ایسے عالم کو جاہل کہنا چاہیئے کیونکہ علم کا منشا تو یہ تھا کہ انسان اپنے شریر نفس کی حقیقت اور پروردگار جل جلالہٗ کی عظمت کو معلوم کرتا اور سمجھتا کہ خاتمہ کا اعتبار ہے اور اس کا حال کسی کو معلوم نہیں پس جو شخص اپنے آپ کو قابل عظمت سمجھے ہوئے ہو تو گویا وہ اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشہ سے بے پرواہ ہے اور یہ بڑی معصیت ہے کیونکہ جاہل شخص اگر کسی گناہ کے ارتکاب میں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے تو کچھ عجیب نہیں مگر عالم چونکہ جان بوجھ کر معصیت کر رہا ہے اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتا چنانچہ سب جانتے ہیں۔ کہ قانون دان شخص کا جرم عام لوگوں کے جرم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے پس تعجب ہے کہ عالم ہو کر جاہل بن گیا۔ اور باوجود اس کے اپنی جہالت سے بے خبر ہے، اسی کا نام جہل مرکب ہے، یاد رکھو کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے کیونکہ حقیقی علم انسان کو جتنا بھی زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر اس کا خوف اور خشیت بڑھے گی حق تعالیٰ نے تو اپنے پیارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے متبع مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے۔ جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی زبانوں پر ہی رہے گا نہ حلق سے نیچے اترے گا اور نہ قلب تک اس کا اثر پہنچے گا لوگوں سے کہیں گے

کہ ہم قاری ہیں ہم عالم ہیں ہمارے برابر دوسرا نہیں، سن لو یہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہوں گے سلف صالحین کے حالات دیکھو ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ نماز میں امام بنے اور سلام پھیر کر کہنے لگے کہ صاحبو اپنے لئے کوئی دوسرا امام تلاش کرلو یا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیا کرو۔ میں امامت کے لائق نہیں ہوں کیونکہ اس وقت میرے نفس میں یہ خطرہ آیا کہ چونکہ میرے برابر ساری جماعت میں کوئی شخص نہ تھا۔ لہٰذا مجھ کو امام تجویز کیا گیا۔

یاد رکھو کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا خاتمہ بخیر ہی ہو جائے اور کیسا ہی جاہل کیوں نہ ہو یہ یقینی نہیں ہے کہ اس کا انجام بخیر نہ ہو اور بری حالت میں مرے جب عالم کو اتنا سمجھتے ہو تو پھر تکبر کس بنا پر کرتے ہو کیا علم پر عمل کرنا تم پر فرض نہیں ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک عالم لایا جائے گا درجہنم میں ڈال دیا جائے گا اس کی آنتیں اس کے گرد اس طرح گھومتی ہونگی جس طرح چکی کے گرد گدھا گھومتا ہے یا کولہو کا بیل چکر لگاتا ہے لوگ تعجب کے ساتھ پوچھیں گے کہ آپ یہاں کیسے آئے وہ کہے گا کہ میں اپنے علم پر عمل نہ کرتا تھا دوسروں کو نصیحت کیا کرتا تھا۔ مگر اپنی خبر نہ لیتا تھا۔ (اللھم احفظنا منہ)

دیکھو حق تعالیٰ نے بلعم باعورؔ کو جو بڑا زبردست عالم تھا اس کتے کی مثل فرمایا ہے جو زبان باہر نکالے ہو اور علمائے یہود کو گدھا فرمایا ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں اور یہ اسی لئے کہ وہ شہواتِ نفسانی میں گرفتار تھے تکبر کرتے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود غافل تھے بس ان واقعات اور احادیث میں خود غور کرو گے تو تکبر جاتا رہے گا اور اگر اس پر بھی نہ جائے تو سمجھو کہ بے فائدہ علوم

لہ اے اللہ ہم کو اس سے محفوظ رکھ ۱۲ کلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ایک عالم

Marfat.com

یعنی منطق و فلسفہ اور مناظرہ وغیرہ کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنے کا ثمرہ ہے اور یا اپنی خیانت باطنی کا اثر ہے کہ اس کی وجہ سے دوا نفع نہیں دیتی بلکہ الٹا مضر پڑھانی ہے پس ان کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کرو۔

دوسرا:- سبب تقویٰ اور زہد ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد بھی اکثر تکبر کرنے لگتا ہے اور بعض کی تو یہاں تک حالت ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو ایذا پہنچانے کو اپنی کرامت سمجھنے لگتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص سے ان کو ایذا پہنچے تو جھلا کر کہتے ہیں کہ دیکھنے رہو اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے اس نے ہم پر ظلم تو کیا ہے مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملے گی کہ یاد ہی تو رکھے گا اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ شخص بیمار پڑ گیا یا مرگیا تو اپنے دعوی کا ثبوت بھی پیش کرتے اور خوش ہو کر کہتے ہیں کہ دیکھا اللہ کے نیک بندوں کو ایذا دینے کا کیا نتیجہ رہا اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیاء علیہم السلام کو ہزار ہا ایذا پہنچائیں مگر کسی نے بھی انتقام کا فکر نہیں کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایذا دینے والے کفار مشرف بہ ایمان ہو گئے اور ان کے دامن دنیا و آخرت کی بہبودی سے بھر گئے اگر حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے دشمنوں سے انتقام لیتے یا ان کے لئے موت چاہتے تو بھلا خدا کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی، کیا کوئی عابد، ولی، کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے استغفر اللہ عابد کو تو ہر شخص کے سامنے تواضع کرنی چاہیئے مثلاً کسی عالم گنہگار کو دیکھے تو اس کے سامنے علم کی وجہ سے جھک جائے اور اس کے گناہ کا خیال نہ کرے کیونکہ علم کی بڑی فضیلت ہے اور جاہل فاسق کو دیکھے تو یوں سمجھے کہ کیا خبر ہے، شاید اس کی باطنی حالت مجھ سے بدرجہا بہتر ہو اور اس میں کوئی ایسی محمود صفت ہو جو اس کے ظاہر کی برائی کو چھپالے اور میرے اندر کوئی ایسی خیانت ہو جس کا باعث میری ظاہری عبادتیں بھی

تکبر کی دس صورتیں ہیں ایک علم سے تکبر

مٹ جائیں ۔

سو حق تعالیٰ تو قلوب کو دیکھتا ہے صورت کو نہیں دیکھتا اور کسی کے قلب کا حال سوائے علام الغیوب کے دوسرے کو معلوم نہیں پھر تکبر کیسا اس کے علاوہ یہ کہ خود تکبر بھی تو ایک باطنی خیانت ہے پس اپنی حالت کا بدتر ہونا تو خود ظاہر ہو گیا کہ اپنے اندر تکبر موجود ہے اور وہ شخص جو فاسق نظر آرہا ہے تکبر سے خالی ہے بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص ایک مرتبہ ایک عابد کے پاس اس نیت سے آبیٹھا کہ حق تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرما دے گا اس کو پاس بیٹھا دیکھ کر عابد اپنے دل میں کہنے لگا۔ کہ مجھے اس سے کیا نسبت کہاں یہ اور کہاں میں، اس کے بعد اس سے کہا کہ جاؤ دور ہو، اسی وقت اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ ان دونوں سے کہہ دو کہ از سر نو عمل کریں، کہ پہلا کیا کرایا برا اچھا یا بھلا دونوں کا حبط کر دیا گیا کہ فاسق کے گناہ محو ہو گئے اور عابد کی نیکیاں مٹ گئیں آئندہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے اسی طرح ایک گستاخ شخص ایک عابد کی گردن پر جبکہ وہ سجدہ کی حالت میں تھا سوار ہوا عابد نے غصہ ہو کر کہا واللہ دفع ہو اللہ تیری کبھی مغفرت نہیں کرے گا اسی وقت الہام ہوا کہ بلکہ اے متکبر تیری مغفرت کبھی نہ ہو گی کیا یہ میری مغفرت تیرے ہاتھ میں ہے کہ قسم کھا کر سختگی کے ساتھ ہمارے ایک بندہ کو اس سے ناامید بناتا ہے حضرت عطا سلمیؒ باوجود نہایت درجہ متقی اور عابد و زاہد ہونے کے جب کبھی تیز ہوا چلتی یا بادل گرجتا تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ مجھ بدنصیب کی وجہ سے لوگوں پر مصیبت نازل ہوتی ہے، پس اگر عطا مر جائے تو ان مصیبتوں سے لوگوں کو خلاصی مل جائے، دیکھو اس اخلاص اور کثرت عبادت پر ان کو کس قدر

تواضع اور خدا کا خوف تھا اور اس زمانہ میں تو یہ حالت ہے کہ دو چار ظاہری اعمال پر نازاں ہونے اور حق تعالیٰ پر احسان جتلانے اور اس کی حکومت و سلطنت جبروتی کی باگ اپنے ہاتھ میں لینی چاہتے ہیں کہ کسی کو ماریں کسی کو جلائیں حالانکہ ان عبادتوں میں ریا و سمعہ[له] کا احتمال جدا ہے اور انجام و خاتمہ کا خطرہ الگ،

تیسرا سبب :۔ نسب ہے کہ اپنے آپ کو شریف اور عالی خاندان سمجھ کر تکبر کرتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے نسب میں غور کرو کہ وہ کیا چیز ہے ظاہر ہے کہ ہر شخص اسی سے پیدا ہوا ہے پس دوسروں کے خصائل اور غیروں یعنی باپ دادا کی خوبیوں پر ناز کرنا کیسی غلطی کی بات ہے اگر آباؤ اجداد کو گویا ئی مرحمت ہو تو یقیناً وہ بھی کہیں کہ صاحبزادہ دوسروں کے محاسن پر فخر کرنے والا تو کون تو تو ان کے پیشاب کا کیڑا ہے جنہوں نے قابل فخر کام کئے تھے پس پیشاب کے کیڑے اور ناپاک نطفہ کو تو اپنی اصلیت دیکھنی چاہیئے نہ کہ آباؤ اجداد کے قابل تعریف اور بہادرانہ کام کہ میرے باپ ایسے بہادر تھے اور دادا ایسے سخی تھے پھر اگر دنیا داروں کے نسب پر تکبر اور فخر کیا جائے تب تو حماقت کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں کیا خبر ہے کہ وہ نسب کہاں گئے۔ ممکن ہے کہ جہنم کا کوئلہ بن گئے ہوں اور آرزو کرتے ہوں کہ کاش کتے اور سور پیدا ہوتے تاکہ اس مصیبت سے نجات ملتی، پس ان کی اولاد ہونے پر ناز کریں اور اگر دینداروں کے نسب پر فخر و ناز ہو کہ ہم ایسے شیخ اور ولی کی اولاد میں ہیں تو اس تکبر میں دوسری حماقت ہے کیونکہ ان کو جو کچھ عزت اور شرف حاصل ہوا تھا وہ ان کی دینداری اور تواضع کی بدولت ہوا تھا۔ سو جب وہ اپنی دینداری

نسب پر تکبر کرنا نادانی ہے (حاشیہ)

له دکھاوا اور سنانا ۱۲

پر خود ہی متکبر نہ تھے تو ان کی اولاد کس عزت و شرافت پر تکبر کرتی اور ان کی ناخلف اولاد قرار پاتی ہے دیندار آباؤ اجداد کا تو یہ حال تھا کہ وہ بعض وقت انجام و خاتمے کے خوف سے لرزا ٹھتے اور تمنائیں کیا کرتے تھے کہ کاش گھاس ہوتے کہ کوئی جانور چر لیتا کاش پرند ہوتے کہ کوئی شکاری جانور یا انسان کھا لیتا بھلا جن کو علم و عمل دونوں حاصل تھے وہ تو تکبر سے کوسوں بھاگتے تھے اور تم باوجود یکہ دونوں صفتوں سے بے بہرہ ہو محض ان کی اولاد ہو کر نسب پر فخر کرتے اور متکبر بنے جاتے ہو

چوتھا سبب:۔ مال و جمال ہے کہ آدمی اپنے مال یا حسن پر فخر کرتا ہے۔ سو ان چیزوں پر بھی تکبر کرنا حماقت ہے۔ بھلا مال جیسی ناپائدار چیز کہ ڈاکہ پڑ جائے یا کوئی جمل لگ جائے تو سب جاتا ہے اور اسی طرح جمال جیسی عارضی چیز کو مہینے بھر بخار آئے تو سارا حسن و جمال خاک میں مل جائے اور چیچک نکل آئے تو صورت کا روپ بدل جائے فخر کے قابل کس طرح ہو سکتے ہیں حسین صورت اگر اندرونی نجاستوں میں غور کرے تو اپنے ظاہری جمال پر کبھی فخر نہ کرے یاد رکھو کہ جس حسن و جمال کو بناؤ اور آرائش کی حاجت ہے وہ ہرگز فخر کے قابل نہیں ہے اگر ہفتہ غسل نہ کیا جائے تو دیکھو کہ بدن کے رنگ و بو کا کیا حال ہوتا ہے میل کچیل، ناک، تھوک، بول و براز جیسی نجاستوں سے سارا بدن بھرا ہوا ہے پھر بھلا نجاست کے ڈھیر اور غلاظت کی کوٹھڑی کو کیا زیبا ہے۔ کہ اپنے آپ کو صاحب جمال سمجھے اور اس پر نازاں اور متکبر ہو

مال و جمال پر تکبر اور اس کا علاج

خود پسندی

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے نفس کو پاک و صاف اور اچھا نہ سمجھا کرو۔ یہ حرف

کافروں کی شان ہے کہ اپنے اعمال اور اپنے آپ کو اچھا سمجھیں حدیث میں آتا ہے کہ خود پسندی تباہ کر دیتی ہے کیونکہ آدمی جب اپنے آپ کو نیکوکار سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور سعادت اخروی سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت بشیر ابن منصور نے ایک مرتبہ دیر تک نماز پڑھی اتفاق سے ایک شخص ان کو دیکھ رہا تھا چونکہ خود پسندی کے احتمال کا موقعہ تھا اس لئے نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے کہ میاں میری اس حالت سے دھوکا نہ کھانا شیطان نے چار ہزار برس اللہ کی عبادت کی عبادت کی مگر انجام اس کا جو ہوا وہ سب کو معلوم ہے غرض مسلمان کی شان نہیں ہے کہ اپنی عبادت کو عبادت اور طاعت کو طاعت سمجھے کیونکہ اول تو قبولیت کا علم نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ عبادت واقع میں عبادت ہوئی یا یوں ہی بیکار گئی دوم یہ کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال کوئی جانتا نہیں کہ کس حال پر ہوتا ہے۔ خود پسندی بھی تکبر کی ایک شاخ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تکبر میں دوسرے لوگوں سے اپنے نفس کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور خود پسندی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے نفس کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا اور حق تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا یعنی ان کو اللہ کا فضل و کرم نہ سمجھنا اور ان کے زوال سے بےخوف ہو جانا خود پسندی اور عجب کہلاتا ہے اور اگر یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ حق تعالےٰ کے نزدیک اپنے آپ کو ذی مرتبہ اور باوقعت سمجھنے لگے تو یہ ناز کہلاتا ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے موذی دشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے سے حیرت ہوتی ہے کہ ہم جیسوں کی دعا قبول نہ ہو اور ہمارے دشمن پامال نہ ہوں یاد رکھو کہ اپنی عبادت پر نازاں ہونا اور اپنے آپ کو مقبول خدا اور کسی

خود پسندی کا علاج

خود پسندی اور عجب اور ناز

قابل سمجھنا بڑی حماقت ہے البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہو اور اس کے چھن جانے
کا خوف بھی دل میں رکھو اور اتنا ہی سمجھو کہ نعمت حق تعالیٰ نے فلاں علم یا عمل کے سبب
مجھ کو مرحمت فرمادی ہے اور وہ مالک و مختار ہے جس وقت چاہے اس کو مجھ سے
لے لے تو خودپسندی نہیں ہے کیونکہ خودپسند شخص نعمت کا منعم حقیقی کی
جانب منسوب کرنا بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

نازکی علامت

خودپسندی بڑی جہالت ہے لہٰذا اس کا علاج کرنا چاہیے پس اگر غیر اختیاری
خوبیوں مثلاً قوت وزور یا حسن وجمال پر عجب ہو تب تو یوں سوچو کہ ان چیزوں کے
حاصل ہونے میں میرا دخل ہی کیا ہے کہ ناز کروں حق تعالیٰ کا محض فضل واحسان ہے
کہ اس نے بلا استحقاق یہ خوبیاں مجھ کو عطا فرمادیں علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں
معرض زوال میں ہیں کہ ذرا سی بیماری وضعف لاحق ہوا تو سب جاتی رہیں پس دوسرے
کے ناپائدار عطیہ پر عجب کیسا اور اگر عمل وعلم یا زہد وتقویٰ اور عبادت یعنی اختیاری
افعال پر ناز ہو تو اس پر غور کرو کہ یہ کمالات اور محاسن کیونکر حاصل ہوئے اگر حق تعالیٰ عطا
نہ فرماتا تو کوئی کمال کیوں کر حاصل ہوتا، اسی کا حکم تھا، کہ کوئی مانع پیش نہیں آیا ورنہ
میں مجبور تھا، کہ خود کچھ بھی نہ کرسکتا تھا یہ ضرور مسلم ہے کہ انسان کو اختیار وارادہ دیا
گیا ہے جس سے وہ اچھے یا برے کام کرتا ہے مگر اختیار وارادہ کی عطا بھی اسی خدا کی ہے
اور پھر تمام اسباب کا مہیا کر دینا اور کامیابی دینا غرض ابتدا سے لے کر انتہا تک سب
کچھ خدا ہی کے اختیار میں ہے پس ایسی حالت میں ناز کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اگر
خزانہ کی کنجی بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اور وہ خزانہ کھول کر تمہارے سپرد کر دے اور تم اس
میں جواہرات اپنی خواہش کے مطابق اپنے دامن میں بھر لو اور پھر ناز کرنے لگو کہ میں نے

خودپسندی کا علاج

اتنا روپیہ حاصل کیا تو ظاہر بات ہے کہ احمق سمجھے جاؤ گے کیونکہ اگرچہ جواہرات کے سمیٹنے والے تم تھے مگر خزانہ تو شاہی تھا، اور کنجی بادشاہ ہی کے ہاتھ میں تھی اسی نے تم پر احسان کیا اسی نے کنجی عطا فرمائی اور اسی کی اجازت سے تم خزانہ کی کوٹھری میں داخل ہوئے پھر اتنی بے اختیاری پر تم کو اپنے فعل پر ناز اور خود پسندی کیونکر درست ہو سکتی ہے۔

فصل:- تعجب تو اس پر آتا ہے کہ عاقل اور سمجھ دار پڑھے لکھے ہوشیار لوگ اس موقعہ پر جاہل بن جاتے ہیں اور اپنی عقل وعلم پر ناز کرنے لگتے ہیں کہ اگر کسی جاہل و بیوقوف کو تونگر پاتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ ہم تو عالم وعاقل ہو کر مال سے محروم رہیں، اور یہ جاہل و ناداں ہو کر مالدار و متمول بن جائے بھلا کوئی پوچھے علم وعقل تم کو نصیب ہوا اور جاہل اس نعمت سے محروم رہا۔ ایسا کیوں ہوا کیا ایک نعمت کو دوسری نعمت کا سبب سمجھ کر اس پر استحقاق جتلاتے ہو اگر علم اور مال دونوں چیزیں تم ہی کو دیدی جاتیں اور جاہل فقیر دونوں سے محروم رہتا تو یہ بات درحقیقت زیادہ تعجب کی تھی کہ مخلوق میں ایک کو تو سب کچھ مل گیا اور دوسرے کو کچھ بھی نہ ملا بھلا کوئی بادشاہ تم کو گھوڑا مرحمت فرمادے اور دوسرے شخص کو غلام دیدے تو کیا یوں کہنے کی تم کو ہمت ہے کہ واہ صاحب اس کو غلام کیوں دیا گیا اس کے پاس گھوڑا تو ہے ہی نہیں اور میں چونکہ گھوڑا رکھتا ہوں لہٰذا غلام بھی مجھ ہی کو ملنا چاہیئے تھا۔ ایسا خیال کرنا بڑی بے وقوفی اور جہالت کی بات ہے عقلمندی کی بات یہی ہے کہ عطائے خداوندی پر شکر کرو اور سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ابتداءً بلا استحقاق مجھ پر کرم فرمایا اور عقل وعلم جیسی نعمت بخشی جس کے مقابلہ پر مال کی کوئی حقیقت ہی نہیں اور پھر شکر گزاری وعبادت کی توفیق مرحمت فرمائی اور دوسروں کو اس سے محروم رکھا حالانکہ یہ محرومی بھی کسی جرم

عطائے خداوندی پر شکر کرنا چاہیئے

سابق کی سزا یا قصور کا بدلہ نہیں ہے پس جب ایسا خیال کرو گے تو خوفِ الٰہی پیدا ہو گا اور سمجھو گے کہ جس نے بلا استحقاق انعام فرمایا ہے وہ اگر بلا قصور اس نعمت کو چھین بھی لے تو کوئی چون و چرا نہیں ہو سکتا اور کیا خبر ہے کہ یہ نعمت مکر اور استدراج[1] ہو اور وبالِ جان اور عذاب کا سبب بن جائے کیونکہ حق تعالٰی فرماتا ہے کہ ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہو گئے اور پھولے نہ سمائے تو یکایک ان کو پکڑ لیا جب یہ خیالات ذہن نشین ہوں گے تو خشیت اور خوف تم سے کسی وقت بھی دور نہ ہو گا اور کسی نعمت پر نازاں اور خوش نہ ہو گے پس عجب سے بآسانی نجات مل جائے گی۔

ریا

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اعمال میں اخلاص پیدا کرے اور اپنے اعمال اور طاعتوں کو ریا و نمود سے بچائے کیونکہ ریا شرکِ اصغر ہے حدیث[2] میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو جزا اور سزا دے گا اور انعامات عطا فرمائے گا تو ریا کاروں کو حکم دے گا کہ تم انہیں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کو نماز میں پڑھتے اور عبادتیں کیا کرتے تھے اپنی عبادتوں کا ثواب اور طاعت کا صلہ بھی انہیں سے تو دیکھو کیا دیتے ہیں دوسری طویل حدیث[3] میں آیا ہے کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کی شہنشاہی عدالت میں غازی اور عالم اور سخی کی پیشی ہو گی اور تینوں اپنے جہاد فی سبیل اللہ

---

[1] ڈھیل ۱۲ [2] احمد و بیہقی راوی ثقہ ہیں ۱۲ [3] مضمون مسلم ۱۲

تعلیم و تعلم اور مشغلہ علم و دین اور اپنی خیرات و صدقات کا اظہار کریں گے حکم ہوگا کہ یہ سب اعمال چونکہ تم نے محض دکھاوے اور نام کے لئے اسی غرض سے کئے تھے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص غازی ہے فلاں شخص بڑا سخی ہے سو یہ باتیں حاصل ہوگئیں کہ دنیا میں تم کو شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں نے تم کو غازی اور عالم اور سخی کہہ کر پکارا پھر جس مقصود کے لئے اعمال کئے تھے جب وہ حاصل ہوگیا تو اب کیا استحقاق رہا۔ اور یہاں کیا چاہتے ہو لہذا جاؤ جہنم میں، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۱] کہ جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریا ہوگا اس کو حق تعالے ہرگز قبول نہ فرمائے گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بگوش ہوش سنو۔ اور عبرت پکڑو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنے سر اور داڑھی اور ہونٹوں کو تیل سے چکنا کر لیا کرے تاکہ لوگ اس کو روزہ دار نہ سمجھیں اور خیرات کرے تو اس طرح کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو اور نماز پڑھے تو پردہ ڈال لیا کرے تاکہ کوئی دیکھے نہیں اسی لئے حضرت فاروق اعظم نے ایک شخص کو جو اپنا سر جھکائے بیٹھا تھا تنبیہ کے طور پر یوں فرمایا تھا۔ کہ میاں گردن اٹھاؤ خشوع قلب سے ہوا کرتا ہے نہ کہ گردن سے۔ ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت اور منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا مندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہوگیا کیوں کہ رضائے خلق و حصول

ریا کی اصلیت

---

[۱] یہ حدیث نہیں بلکہ یوسف بن اسباط کا قول ہے ۱۲ شرح احیاء العلوم

منزلت مقصود ہے لہٰذا اس کا نام شرک اصغر ہے یاد رکھو کہ ریا چھ طرح سے ہوا کرتا ہے۔

اوّل بدن کے ذریعہ سے مثلاً شکستگی وضعف اور غنودگی اور پلکوں کا جھپکانا ظاہر کیا جائے تاکہ اس روزہ دار اور شب بیدار خیال کریں یا مثلاً غمگین صورت بنالے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ان کو آخرت کی بڑی فکر ہے یا مثلاً پراگندہ بال رہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ دین میں اس قدر مشغول ہیں کہ بال سنوارنے کی بھی فرصت نہیں اور نہ خط بنوانے کا موقعہ ملتا ہے۔ یا مثلاً آواز پست اور آہستہ نکالے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ریاضت ومجاہدہ کرتے کرتے اتنا ضعف ہو گیا ہے کہ آواز تک نہیں نکلتی۔

دوم: ہیئت کے ذریعہ سے مثلاً رفتار میں نرمی اور ضعف ظاہر کرنا یا سر جھکانا مونچھوں کا منڈوالینا۔ سجدہ کے نشان کا باقی رکھنا۔ آنکھ کا بھینچنا اور ایسی صورت بنانا جس سے لوگ سمجھیں کہ حالت وجد میں ہیں یا مکاشفہ میں مشغول ہیں اور فکر کے اندر مستغرق اور محو ہیں

سوم: شکل وشباہت ولباس میں مثلاً صوف اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننا پنڈلی تک پائنچہ چڑھانا کپڑوں کا بوسیدہ اور میلا کچیلا رہنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ صوفی صاحب ہیں حالانکہ تصوف سے اتنے کورے ہیں کہ اس کی حقیقت وماہیت بھی نہیں جانتے یا چوغہ یا ڈھیلی آستینوں کا جبہ پہننا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس درجہ متقی ہیں کہ راستے کے غبار تک سے پرہیز کرتے ہیں کہ خدا جانے کس کی ملکیت ہو گی پھر ان میں بھی دو قسم کے ہوتے ہیں بعض تو وہ لوگ ہیں جو صوفیوں اور دینداروں کے دلوں میں قدرومنزلت کے طالب ہوتے ہیں اور ہمیشہ اسی ہیئت سے میلے کچیلے پرانے کپڑے پہنے اور اس حالت میں رہتے ہیں کہ اگر کوئی نیا کپڑا جس کا پہننا شرعاً مباح ہو اور سلف نے بھی ایسا لباس

پہنا اور استعمال کیا ہو ان کو دیا جائے کہ اسکو پہن لیجیے تو ان کو ایسا ناگوار گذرتا ہے جیسے کسی نے ذبح کر دیا اور وجہ اس کی یہی ہے کہ اس سے ان کا مطلب فوت ہوا جاتا ہے کیوں کہ لوگ صاف ستھرا کپڑا پہنے دیکھیں گے تو ان کی وہ قدر نہ کریں گے جو میلے کپڑوں میں کرتے تھے بلکہ یوں کہیں گے کہ اب صوفی صاحب کے زہد میں کمی آگئی اور تصوف کا رنگ بدل چلا اور بعض لوگ امیروں اور تاجروں میں وقعت پیدا کرنے کے خواہشمند ہونے اور سوچتے ہیں کہ اگر پرانے پھٹے کپڑے پہنے تب تو امرا کی نظروں میں وقعت نہ ہوگی بلکہ ان کو ہمارے پاس بیٹھنے سے بھی نفرت ہوگی اور اگر لباس فاخرہ پہنا تو لوگ زاہد اور صوفی نہ سمجھیں گے۔ لہٰذا ایک نئی صورت اختیار کرتے ہیں کہ بیش قیمت باریک کپڑوں کا گیروا یا آسمانی رنگ کا رنگوا لیتے ہیں اگر ان کی قیمت دیکھئے تو شاہانہ لباس کے برابر ہے اور رنگ و روپ ملاحظہ کیجیئے تو درویشانہ صوفیانہ ہے اس طرح پر اپنا مطلب حاصل کرنے اور ریاکار بنتے ہیں چنانچہ اگر ان کو پھٹے کپڑے پہننے کو نہ دیئے جائیں اور کہا جائے کہ ان کو پہن لیجیئے تو سخت ناگوار گذرتا ہے کیونکہ ایسے کپڑوں کا پہننا امیروں کی نظروں سے گر جانے کا سبب ہے اور اگر پشمینہ یا بانات یا کوئی دوسرا بیش قیمت کپڑا جو شرعاً مباح اور جائز ہوا نہیں پہنائیے تو بھی وہ موت سے زائد ہے کیونکہ اس کو پہن کر لوگوں میں زاہد اور صوفی نہ سمجھے جائیں گے اور گویا درویشوں کی جماعت سے خارج ہو جائیں گے اس سے معلوم ہوگیا کہ ان کا لباس ریاکاری کا لباس ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

چہارم: گفتگو اور زبان سے ریا کیا جائے جیسا کہ تم نے بعض دنیا دار واعظوں کو دیکھ ہوگا کہ زبانیں موڑ موڑ کر مقفیٰ و مسجع عبارتیں بنا بنا کر سلف صالحین کی نقل

اناالیتے اور محض دکھاوے کی غرض سے کبھی آواز کا لہجہ رقیق بناتے ہیں اور کبھی غمگین کہ دل میں تو اثر خاک بھی نہیں مگر بناوٹ اور تصنع یوں بتا رہا ہے کہ بڑے عالم اور صوفی ہیں کہ بالکل سلف کا نمونہ ہیں، اسی طرح مثلاً حفظِ حدیث اور مشائخ وعلمائے زمانہ سے ملاقات کا دعویٰ اور اظہار کرنا کہ فلاں بزرگ کی ہم نے زیارت کی اور فلاں شیخ سے ملے یا مثلاً کسی حدیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونے کا جلدی سے حکم لگا دینا تاکہ لوگ محقق اور محدث سمجھیں، یا بدکاری ومعصیت کے تذکرے پر زبان سے آہ اور ہائے افسوس کے کلمے نکالنا یا خلاف شرع باتوں سے نفرت ظاہر کرنا اور کڑھنا حالانکہ ان کے دل میں رنج یا نفرت کا اثر نام کو بھی نہیں ہوتا بلکہ سب کچھ محض اس غرض سے ہوتا ہے کہ لوگ ان کو پارسا اور اللہ والا متبع شریعت سمجھیں۔

پنجم:۔ عمل میں ریا مثلاً قیام زیادہ کرنا رکوع وسجدہ میں دیر تک رہنا سر جھکانا کسی طرف توجہ نہ کرنا۔ پلکوں کو جھکائے رکھنا وغیرہ تاکہ لوگ ان کو عابد وزاہد اور باعفت وپارسا سمجھیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ ان کے دل ان خوبیوں سے بالکل کورے اور خالی ہیں اور اس کی شناخت یہ ہے کہ جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں۔ تو گھوڑا سا دوڑا دیتے ہیں اور اگر کسی کو معلوم کرلیں کہ وہ ان کی نماز کو دیکھ رہا ہے تو فوراً سکینتؔ ووقار کے ساتھ نماز کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے لگتے ہیں تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ ان کی نماز خشوع وخضوع سے بھری ہوئی ہے تم ہی بتاؤ کہ یہ ریا نہیں تو اور کیا ہے۔

ششم:۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں کی کثرت اور مشائخ کا بکثرت تذکرہ کرنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ ان کے بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات ہوئی ہے اور بعض لوگ اس کے

ؔ آہستگی

ایمان اور اعمال ایمان ریا

خواہاں ہوتے اور تدبیر کرتے ہیں کہ کسی طرح سلاطین و امرا و علماء و صلحا ان کی زیارت کرنے کو آنے لگیں۔ تاکہ ان کی شہرت ہو جائے کہ فلاں شخص ایسے بزرگ ہیں کہ ان کی خدمت میں ایسے ایسے بڑے لوگ حاضر ہوتے اور بادشاہ و عالم سب ہی ان کی آستانہ بوسی کو اپنی عزت سمجھتے ہیں یاد رکھو کہ یہ سب دین میں ریاکاری ہے اور ریا حرام اور کبیرہ گناہ ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

فصل - ریا کے حرام ہونے کی دو وجہ ہیں۔

ریا کے حرام ہونے کی وجہ

اوّل :- تو یہ کہ اس میں لوگوں کو دھوکا دیکر اپنا معتقد بنانا لازم آرہا ہے۔ اور دھوکا دینا حرام ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایسی طرح روپیہ دے کہ دیکھنے والے یوں سمجھیں کہ اس کو ہبہ کر رہا ہے حالانکہ وہ ہبہ نہیں کرتا بلکہ اس کو قرض دیتا ہے تو چونکہ اس میں دھوکا لازم آرہا ہے اس لئے یہ بھی معصیت ہے چہ جائیکہ بناوٹ اور تصنع کی صورت بنا کر لوگوں کے خیالات میں اس بات کا ڈالنا کہ یہ نیکوکار اور قابلِ تعظیم ہیں اور اس طرح پر لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا سوا اس کے دھوکا ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے پھر ایسے مکار شخص کو فاسق کیوں نہ کہا جائے

دوم :- ریاکاری حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں خادم بن کر کھڑا ہو اور اس کھڑے ہونے سے اس کی غرض اپنے آپ کو شاہی خدمت گار اور ذلیل و محتاج غلام ظاہر کرنے کی نہ ہو بلکہ بادشاہ کے غلاموں سے کسی کو تکنا یا کسی کنیز کو گھورنا مقصود ہو تو ظاہر ہے کہ وہ بادشاہ کے دربار کا گستاخ سمجھا جائے گا اور بے ادبی کا مجرم قرار پائیگا اسی طرح جب عبادت ہی حق تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہ ہوئی بلکہ اس کے بندوں کی رضا مطلوب ہوئی کہ وہ

اس کو نیکوکار سمجھیں اور اس کے معتقد ہوں تو گویا بندوں کو خدا کی بہ نسبت اپنے نفع اور نقصان پر زیادہ قادر سمجھا اور دل میں بندوں کی یہاں تک عظمت سمائی کہ عبادت بھی انہیں کے نذر گزار دی یہی وجہ ہے کہ ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے پھر اس غرض اور نیت میں جتنا فساد زیادہ ہوگا اس قدر گناہ بھی زیادہ ہوگا۔ کیونکہ

بعض ریاکاروں کا مقصود تو صرف یہی ہوتا ہے کہ لوگ ہماری عزت کیا کریں اور ہمیں مقتدا سمجھیں اور

بعض کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگ ہم کو دیندار سمجھ کر ہمارے پاس امانتیں رکھیں ہم کو اپنی اوقاف کا متولی بنائیں، یا یتیموں کے مال ہماری سپردگی میں دیں پس ان کو اپنے قبضے میں لا کر کھانے اڑانے کا موقع ملے ظاہر ہے کہ اس کا گناہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے اور

بعض کا یہ منشا ہوتا ہے کہ ہم کو نیک بخت سمجھ کر عورتیں اور لڑکے ہمارے پاس آنے لگیں اور اس ٹٹی کی اوٹ میں شکار کھیلنے یعنی زنا و لواطت کرنے کا بخوبی موقع ملے یا ان ضعیف دل عورتوں اور بچوں سے مال ہمارے ہاتھ آئے اور اس کو فسق و فجور اور لہو و لعب میں خرچ کر سکیں۔ ظاہر بات ہے کہ اس کا گناہ پہلی دونوں صورتوں سے زیادہ ہے کیونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو معصیت کا آلہ اور جبار و قہار کی مخالفت کا وسیلہ بنا لیا ہے (والعیاذ باللہ)

فصل:۔ اسی طرح جن عبادتوں میں ریا ہوتا ہے وہ بھی مختلف درجے کی ہیں کہ ان میں بعض کا گناہ بعض سے بڑھا ہوا ہے۔

اوّل۔ اصل ایمان میں ریا جیسے منافق کہ اس کے دل میں ایمان تو نام کو بھی نہیں مگر

اس نے اپنی صورت مسلمانوں کی سی بنا رکھی ہے تاکہ لوگ کافر سمجھ کر اس کے جان اور مال کو حلال نہ سمجھ لیں یا مثلاً ملحد و مرتد جس کا ایمان جاتا رہا مگر وہ کسی مصلحت یا لحاظ سے اپنے آپ کو مسلمان ہی ظاہر کر رہا ہے اس ریا کا گناہ بہت سخت ہے چنانچہ کلام مجید میں مذکور ہے کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے۔

دوسرا درجہ:۔ اصل عبادتوں میں ریا کرنے کا ہے مثلاً لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور اگر تنہا ہوں کہ کوئی شخص پاس نہ ہو تو نہ نماز ہے نہ زکوٰۃ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت یہ محض لوگوں کو دکھلانے کی تھی مگر اللہ تعالےٰ تو دلوں کے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ عبادت کس نیت سے ہو رہی ہے لہٰذا اس کا درجہ اگرچہ پہلے درجہ سے کم ہے مگر تاہم سخت اور شرکِ اصغر ہے۔

تیسرا درجہ:۔ جو سب سے ادنیٰ ہے یہ ہے کہ فرائض عبادتوں میں تو ریا نہ ہو مگر مستحب اور نوافل عبادتیں لوگوں کے دکھلانے کو کی جائیں مثلاً اگر لوگ موجود ہوں تو نفلیں زیادہ پڑھے اور فرضوں کو بھی سنبھال کر ادا کرے جب عرفہ[1] اور عاشورہ[2] کا دن آئے تو اس کا روزہ بھی ضرور رکھے اگر زکوٰۃ کا وقت ہو تو لوگوں کی موجودگی میں اس مد کے اندر عمدہ نفیس مال نکالے اور اگر سفر وغیرہ کی حالت یا خلوت و علیحدگی کا وقت ہو تو نہ نماز ٹھیک طرح ادا ہو نہ وہ نفل نمازیں قائم رہیں اور نہ نوافل روزے رکھے جائیں فرض نماز بھی پڑھے تو کوے کی سی ٹھونگیں گویا ازبر یاد ہے اسی طرح زکوٰۃ دیتا ہے مگر سر کے اوپر سے محض بوجھ اتارنے کے لئے ردی مال میں سے دیتا ہے پس اس کا گناہ ایمان اور فرائض میں ریا کرنے کے گناہ سے کم ہے مگر یہ بھی حرام اور دین کی بربادی کے لئے کافی ہے۔

---

[1] ۹ ذی الحجہ [2] عاشورہ ۱۰ محرم ۱۲

ریا کے قصد میں تفاوت کی وجہ سے گناہ میں کمی بیشی

یہ بھی یاد رکھو کہ ریا کے قصد میں تفاوت کی وجہ سے کبھی گناہ کے اندر بھی کمی بیشی ہو جاتی ہے مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ عبادت سے مقصود محض دکھاوا ہو کہ عبادت کا قصد ہی نہ ہو مثلاً بلا وضو لوگوں کے دکھانے کو نماز پڑھنا یا لوگوں کے دکھا دے کو روزہ رکھنا کہ خلوت میں گئے اور افطار کر لیا پس اس کا گناہ تو نہایت ہی سخت ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ عبادت بھی مقصود ہو اور اس کے ساتھ ہی اس میں ریا کی بھی آمیزش ہو سو اس کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ :۔ تو یہ ہے کہ مقصود محض عبادت ہے جس کی شناخت یہ ہے کہ اگر تنہا ہوتا تب بھی نماز پڑھتا۔ جیسے لوگوں کی موجودگی میں پڑھ رہا ہے مگر چونکہ دوسرے نے نماز پڑھتے ہوئے اس کو دیکھا ہے اس لئے اس کی طبیعت خوش ہو گئی اور نماز کا پڑھنا اس کو گراں معلوم نہ ہوا پس اگر اتنی ہی بات ہے تب تو امید ہے کہ حق تعالیٰ اس عبادت کو قبول فرمالے اور اس پر ثواب بھی مرحمت فرمادے باقی یہ دوسری بات ہے کہ اس ریا کی سزا بھی دے یا اس کی وجہ سے عبادت کے اجر و ثواب میں کمی فرمادے۔

دوسرا درجہ :۔ یہ ہے کہ عبادت کا قصد تو مغلوب ہو اور دکھاوے کا خیال غالب ہو یعنی یہ حالت ہے کہ جتنی عبادت لوگوں کی موجودگی میں کرتا ہے تنہائی اور خلوت کی حالت میں اتنی عبادت ہرگز نہیں ہو سکتی پس یہ عبادت جس کی ریا کاری کی یہ حالت ہو کسی طرح بھی قبول ہونے کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس میں عبادت کا بھی اگرچہ ذرا سا قصد شامل ہے مگر وہ اتنا مغلوب ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے لہٰذا اس کو صریح ریا کاری سمجھا جائے گا اور ایسی عبادت پر سخت عذاب کا اندیشہ ہے۔

تیسرا درجہ :- یہ ہے کہ عبادت اور ریا دونوں مساوی اور برابر ہیں مثلاً عبادت سے جس قدر طاعت خداوندی مقصود ہو اسی قدر لوگوں کو دکھلانا بھی مقصود ہو یہ ایسی حالت ہے جس میں نفع اور نقصان چونکہ برابر ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس پر نہ عذاب ہو اور نہ ثواب ملے مگر چونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "حصہ شرکا میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز میری ذات ہے لہٰذا کچھ عجیب نہیں کہ اس صورت میں بھی نقصان کو نفع پر ترجیح دے کر عبادت کو باطل کہا جائے پس غیب کی خبر تو خدا کو ہے کہ ایسے شخص سے کیا معاملہ ہوگا مگر بظاہر بہرحال یہ حالت گناہ سے خالی معلوم نہیں ہوتی۔

فصل :- ریا کبھی تو جلی و ظاہر ہوتی ہے مثلاً یہ حالت کہ تنہائی میں ایسی عبادت نہیں ہوتی جیسی لوگوں کے سامنے ہوتی ہے اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص تہجد پڑھتا تو ہمیشہ ہے مگر جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کے سامنے تہجد کے لیے اس کا نشاط اور مسرت زیادہ ہوجاتی ہے پس یہ بھی تو ریا ہے مگر پہلے کی نسبت اس میں خفا ہے اور اس سے زیادہ مخفی وہ ریا ہے کہ کسی کے موجود ہونے سے نشاط میں بھی زیادتی نہ ہو مگر اثنائے عبادت میں یا عبادت سے فارغ ہونے کے بعد اگر کوئی شخص اس عبادت پر مطلع ہوجائے تو اس کے دل میں ایک قسم کی فرحت اور خوشی پیدا ہوجاتی ہے اس سے معلوم ہوا۔ کہ دل کے اندر ریا اس طرح چھپا ہوا ہے جیسے راکھ کے اندر آگ چھپی ہوتی ہے کہ دوسروں کے مطلع ہونے پر اسی لئے تو سرور پیدا ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ خفی ریا یہ ہے کہ اطلاع سے بھی خوشی نہ ہو لیکن اس کا آرزومند ہے کہ کاش لوگ میری تعریف کریں سلام اور مصافحہ میں ابتدا اور معاملات میں میری رعایت کریں اور اگر کوئی شخص ان کے ساتھ کچھ برائی کر بیٹھتا ہے تو اس کو تعجب ہوتا

ہے یاد رکھو کہ یہ بھی ریا ہے کیونکہ ان خیالات اور آرزوؤں سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر اپنی طاعت و عبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے اور اگرچہ لوگوں سے اس نے اپنے ریا کو چھپا رکھا ہے مگر اس کا اتنا اثر ضرور ظاہر ہے کہ توقیر اور احترام کی خواہش ہے اس قسم کے ریا بھی جن سے صدیقین ہی خالی ہوتے ہیں گناہ میں داخل ہیں اور اعمال کے ساقط ہو جانے کا اندیشہ ہے البتہ اگر اس عبادت پر لوگوں کے مطلع ہو جانے سے خوشی اس بنا پر ہوئی ہو کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے نیک عمل اور فعل جمیل ہی کا اظہار فرمایا اور ہماری کسی معصیت یا فعل قبیح پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا محض اپنے فضل سے شان ستاری کا ظہور فرمایا اگرچہ میں تو طاعت ہو یا معصیت دونوں میں سے کسی کا اظہار بھی نہیں چاہتا تھا مگر خیر الحمد للہ لوگ مطلع ہوئے تو فعل جمیل پر ہی ہوئے فعل شنیع پر نہ ہوئے یا مثلاً اس وجہ سے خوشی ہو کہ اس عبادت پر لوگوں کے مطلع ہونے سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن بھی مجھ سے اچھا ہی معاملہ فرمائے گا کیونکہ دنیا میں ستاری فرمانا علامت ہے کہ آخرت میں بھی رسوائی سے بچائے گا اس وجہ سے خوشی ہو کہ اس اطلاع کے سبب دوسروں کو بھی ہمت ہو گی اور میرا یہ فعل دوسروں کی عبادت کا سبب بن جائے گا تو اس قسم کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی عبادت پر بھی کوئی مطلع ہو جائے تو اس اطلاع سے بھی اس کو اتنی ہی خوشی ہوتی ہو کیونکہ کسی کی عبادت دیکھ کر لوگوں کا اس عبادت میں رغبت و ہمت کرنا اپنی عبادت ہو یا دوسرے کی دونوں صورت میں حاصل ہے پس اگر مطلع ہونے والے کی اس عبادت میں رغبت و ہمت کرنے کا سوال اسی خوشی کا سبب ہوا ہو گا تو اپنا نفس اور غیر دونوں اس خوشی میں ضرور مساوی ہوں گے۔ چونکہ ریا کا مادہ نظر سے پوشیدہ ہوتا اور لوگوں کے

دلوں پر چپکے چپکے حملہ کر کے برا اثر ڈالا کرتا ہے لہٰذا متقدمین نے اس میں بہت ہی
کچھ احتیاط ملحوظ رکھی اور اپنی عبادتوں کو لوگوں کی نظروں سے بیحد مخفی رکھا ہے حضرت
علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن فقراء سے خطاب ہوگا کہ کیوں صاحبو! کیا
ہم نے تمہارے لئے ارزانی نہیں رکھی تھی کیا تم لوگ اسلام میں ابتدا نہیں کرتے تھے
کیا تمہاری ضرورتیں دوسروں کی بہ نسبت جلد رفع نہیں ہوتی تھیں پس چونکہ تم اپنے اعمال
کا بدلہ دنیا میں ہی لے چکے ہو لہٰذا یہاں تمہارے لئے کچھ نہیں رہا۔ پس اے مسلمانو! اگر خلاصی
چاہتے ہو تو لوگوں کو چوپایوں اور بچوں کی طرح لایعقل سمجھو کہ ان کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں
برابر ہوں ان کا جاننا اور نہ جاننا ان کی واقفیت اور ناواقفیت غرض کوئی بھی قابل اعتبار
نہ رہے پس چونکہ خدا ہی کا جاننا کافی ہے لہٰذا اپنی عبادت اسی کو دکھلاؤ کیونکہ وہی
جزا دے سکتا ہے اور وہی عبادت کا قدردان ہے باقی اس کے سوا تو دنیا اور دین میں کوئی
بھی ایسا نہیں جو کسی کو کچھ بھی دے سکے اگر ایسا کرو گے تو اپنی عبادتوں سے ضرور نفع پاؤ گے
ورنہ سخت ضرورت کے دن یعنی میدان حشر میں خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔

فصل:۔ شاید تمہارا یہ خیال ہو کہ اس قسم کے خفی ریا سے تو بچنا محال ہے البتہ جلی
ریا سے آدمی بچ سکتا ہے پھر نا معلوم کون سی عبادت صحیح ہے اور کون سی فاسد لہٰذا
ہم اس کی بھی تشریح کئے دیتے ہیں عبادت میں ریا تین قسم کی ہوتی ہے یا تو

اوّل ہی سے ہو مثلاً نماز کا پڑھنا اول سے لے کر آخر تک سارا محض لوگوں کے دکھانے
اور نمازی کہلانے کو ہو یہ صورت تو نماز کے لئے مفسد ہے کہ ایسی نماز ہی صحیح نہ ہوگی کیونکہ
اس میں عبادت کی نیت ہی نہ ہوئی اور بلا نیت کے کوئی عبادت معتبر نہیں ہے اور اگر
کوئی شخص نماز تو جلوت ہو یا خلوت دونوں صورتوں میں پڑھتا ہے مگر اول وقت میں

کونسی ریا مفسد عبادت ہے

عبادت میں ریا کی قسمیں

پڑھنا ریا کی نیت سے ہوتا ہے تو اس صورت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرض ادا ہو جائے گا۔ البتہ اول وقت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں ریا موجود ہے اب رہی یہ بات کہ ریا کا قصد عبادت میں شامل ہوا سو اس کا گناہ جدا ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اثنائے عبادت اور تکمیل طاعت میں ریا ہو مثلاً نماز پڑھنے میں کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آگئی یا کوئی تماشا شروع ہونے لگا تو دل للچایا کہ نماز توڑ کر ادھر متوجہ ہوتے۔ پس اگر ایسی حالت ہے کہ تنہائی کا موقع ہوتا اور کسی کا لحاظ مانع نہ ہوتا تو ضرور نماز کو توڑ دیتا مگر چونکہ آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اس لئے ان کی شرم اور اس خیال سے کہ دیکھنے والے یوں کہیں گے کہ ذرا سے فضول شغل کے لئے میاں نے اپنی نماز توڑ دی نماز کو نہ توڑے اور با دلِ ناخواستہ پڑھے جائے تو اس نماز کو بھی باطل کہیں گے کیونکہ عبادت میں اول سے لے کر آخر تک نیت کا قائم رہنا ضروری ہے اور جب درمیان میں ریا کی وجہ سے نیت عبادت جاتی رہی تو نماز بھی جاتی رہی یا مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف دیکھتا ہوا پاکر اس خیال سے کہ میری عبادت پر یہ لوگ مطلع ہوگئے ہیں اس کی طبیعت کو اس قدر خوشی ہوئی کہ عبادت کی اصل نیت بالکل مغلوب ہوگئی اور نماز کا کوئی رکن ایسی حالت میں ادا ہوا جس میں لوگوں کی آگاہی کے سرور کو زیادہ دخل تھا تو غالب ہے کہ یہ نماز بھی صحیح نہیں ہوئی کیونکہ اس میں اگرچہ نیت منقطع نہیں ہوئی مگر تاہم ایسی مغلوب ہوگئی ہے کہ اس کا عدم اور وجود برابر ہے پس اس نماز کو بھی باطل کہا جائے گا۔ ہاں اگر ایسی معمولی خوشی ہو کہ وہ نیت پر غالب نہ آئے اور عبادت کا محرک اور اصل باعث رضائے حق اور حکم خداوندی ہی رہے تو یہ نماز تو صحیح ہو جائیگی مگر قصد ریا کا گناہ ضرور ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عبادت سے فارغ ہو جانے کے بعد ریا ہو مثلاً لوگوں کے اس عبادت پر آگاہ ہو جانے سے اس کو مسرت ہو یا لوگوں سے خود ہی اس کا اظہار فخر کے انداز پر کرتا پھرے تو اس کو عبادت کے صحت اور فساد سے کوئی علاقہ نہیں اس لئے کہ جس وقت ریا ہوا ہے اس وقت عبادت ختم ہو چکی تھی۔ البتہ اس مسرت اور اظہار کا گناہ ہوگا اور پھر عبادت کا اظہار صراحتہً یا کنایۃً یا تعریضاً جس طرح اور جس حیثیت سے ہوگا اس سے ریا کے جلی اور خفی ہونے کا اندازہ خود ہو سکے گا کہ صراحتہً اظہار ہے تو ریا بھی جلی ہے اور اظہار اشارۃً ہے تو ریا بھی خفی ہے۔

ریا کے سبب اور علاج

فصل :- ریا بڑا مہلک مرض ہے اس کا علاج پوری مستعدی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ یاد رکھو کہ ریا کا سبب اکثر یا تو حُبِ مدح اور اپنی تعریف کی خواہش ہے یا مال دنیا کی حرص و طمع اور یا مذمت کا خوف و اندیشہ مثلاً کوئی شخص میدان جنگ میں اس غرض سے بہادری دکھلائے کہ لوگ اس کو شجاع کہیں یا اس نیت سے عبادت کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار و پرہیز گار کہیں تو یہ حُبِ مدح ہے اور اس کا علاج وہی ہے جو حُبِ مدح کے علاج میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ شہرت اور دنیا کی نیک نامی محض فرضی اور وہمی ناقابل اعتبار کمال ہے آج مرے کل دوسرا دن۔ تعریف کرنے والے اور ان کی تعریفیں اور قصیدے اور سپاس نامے یہیں رہ جائیں گے اور کسی سے کچھ بھی نفع حاصل نہ ہوگا حقیقی کمال وہ ہے جو مرنے کے بعد بھی ساتھ رہے یعنی معرفت الٰہی کہ اس کو کبھی فنا ہی نہیں اس کے علاوہ ریا میں خصوصیت کے ساتھ یہ خیال کرنا بھی اس مرض کے لئے مفید ہے کہ یہی بہادری اور یہی عبادت جو آج مجھ کو لوگوں کی زبان سے شجاع اور عابد کہلا رہی ہے کل کو قیامت کے دن حشر کے میدان میں

ساری مخلوق کے سامنے مجھ کو رسوا اور ذلیل کرلے گی کہ میرا نام فاجر و مکار اور ریاکار پکارا جائے گا اس پر طرہ یہ کہ میرا کیا کرایا سب بیکار ہو جائے گا اور وہ اعمال جن کو بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ جمع کیا تھا۔ ضبط ہو جائیں گے پس لوگوں کی خوشنودی اور دنیا کی اس ناپائیدار مدح کے معاوضہ میں حق تعالیٰ کا غصہ اور محشر کی رسوائی اور ذلت خریدنا کس قدر عقل کے خلاف ہے علاوہ ازیں یہاں دنیا میں جن کی رضامندی چاہتے ہو اگر حق تعالیٰ چاہے تو ان کو بھی تم سے ناراض کر دے اور مدح کے بدلے وہی لوگ الٹی ہماری مذمت کرنے لگیں کیونکہ قلوب اور زبانیں تو سب اس کے قبضہ میں ہیں پس چند روزہ موہوم و منحمل تعریف کو حق تعالیٰ کی رضامندی پر جو کہ اصل سعادت ہے کیوں کر ترجیح ہو سکتی ہے۔

اسی طرح مذمت کا خوف ریا کا باعث ہو تو یہ بات ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ اگر میں عند اللہ پسندیدہ ہوں تب لوگوں کی مذمت مجھ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی پھر ڈروں تو کیوں ڈروں۔ خصوصاً جب کہ یہ بات یقینی ہے کہ مخلوق کی اس مذمت کے موہوم اندیشہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کو ناراض رکھنا دنیا میں بھی ذلیل اور رسوا کر دینا ہے بھلا اگر یہ باطنی ریا لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مجھے لوگوں کی مذمت سے ڈر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے میں نیکوکاروں کی سی صورت بناتا اور پرہیزگار بنا پھرتا ہوں تو پھر اس خوف سے کچھ بھی نفع نہ ہوگا۔ اور جس بات کا اندیشہ ہے وہ سامنے آ جائے گی کہ مکاری کھلنے کی وجہ سے مذمتیں ہونے لگیں اور اگر اخلاص کے ساتھ حق تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لئے طاعت کروں تو جن لوگوں کی مذمت کا مجھے خوف ہے وہ بھی میرے دوست بن جائیں گے اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائے گی۔

ریا کا تیسرا سبب حرص اور طمع ہے پس اگر یہ وجہ ہو تو خیال کرنا چاہیے کہ جس چیز کی طمع ہے اس کا حاصل ہو جانا ایک موہوم بات ہے اور اس ریا کی بدولت حق تعالیٰ کی رضامندی کا ہاتھ سے جانا رہنا یقینی ہے پھر بھلا کس نفع کی موہوم امید پر خدا کے غصّہ کو سر پر لینا کون پسند کرتا ہے چونکہ حق تعالیٰ منقلبؑ القلوب ہے اس لیے یاد رکھو کہ ریا کاری سے جس دنیوی مطلب کے لئے عبادت کر رہے ہیں وہ بھی نہ حاصل ہو سکے گا بلکہ مخلوق کے سامنے طمع کرنے میں ذلت اور رسوائی جدا اٹھاؤ گے ان کے احسانمند الگ ہو گے کہ ہمیشہ گردن نیچی رہے گی اور اگر بے طمع ہو جاؤ گے تو حق تعالیٰ تمہاری تمام ضرورتوں کا کفیل ہو جائے گا اور پھر اخلاص کی بدولت جو کچھ دائمی لذیذ نعمتیں تم کو آخرت میں ملیں گی وہ اس کے علاوہ ہوں گی غرض ان یقینی اور سچی باتوں کو ذہن نشین کر لو گے تو ریا کا نام و نشان بھی نہ رہیگا اور حق تعالےٰ اخلاص کی توفیق بخش دے گا۔

فصل: ۔ اس کے بعد غالباً تمہیں یہ فکر ہو گی کہ ریا سے نفرت تو بیشک پیدا ہو گئی مگر بعض عبادتوں میں مخلوق کے مطلع ہونے پر ایکا ایک جو ریا پیدا ہو جاتا ہے اس کا علاج معلوم نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کی تدبیر بھی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلوت میں بیٹھ کر تنہائی کی حالت میں عبادت کیا کرو اور اپنی عبادت کو ایسا چھپایا کرو کہ جیسا اپنے عیوب اور معصیتوں کو چھپایا کرتے ہو۔ دیکھو حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کسی شخص نے ایک مرتبہ دنیا اور دنیا داروں کی مذمت بیان کی تو شیخ نے جواب دیا کہ ہمارے حلقہ میں آج سے مت بیٹھا کرو کیونکہ تم اس کے اہل نہیں اس لیے کہ جو کام تمہیں چھپانا چاہیے تھا اس کو تم نے مجمع میں ظاہر کر دیا۔ یاد رکھو کہ عبادت کا

ۓ دلوں کو پلٹ دینے والے

اخفا شروع میں دشوار معلوم ہوگا مگر چند روز ایسا کروگے تو اس کی عادت پڑ جائے گی۔ بلکہ خلوت کی عبادت و مناجات میں لذت آنے لگے گی۔ بایں ہمہ اس کا لحاظ رکھو کہ جس وقت بھی اپنی عبادت پر لوگوں کی اطلاع سے دل میں مسرت پیدا ہو تو فوراً پہلی باتوں کو یاد کرو اور سوچو کہ کمزور مخلوق کا میری عبادت پر مطلع ہو جانا میرے لئے ذرہ برابر بھی نافع نہیں ہے لہٰذا اس بے نفع بات پر میرا خوش ہونا فضول اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بن جانا بڑی خطرناک حالت ہے پس جس وقت یہ خیال کروگے تو وہ مسرت کراہت سے بدل جائے گی اور جب کراہت کا پلہ بھاری ہوگا تو عبادت اسی اخلاص کی طرف لوٹ جائے گی جو مقصود ہے اور چونکہ اس سے زیادہ مضمون کے تم مکلف بھی نہیں ہو اس لئے اگر اس پر بھی قلب میں مسرت کا اثر باقی رہے تو یہ طبعی بات ہے جس کا فکر و خیال کرنا فضول ہے کیونکہ یہ اختیاری نہیں ہے اور جو بات اختیاری نہیں ہوتی اس پر مواخذہ بھی نہیں ہوا کرتا الغرض تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ اپنی عبادت کو بالقصد ظاہر اور لوگوں میں شائع اور مشہور کرتے نہ پھرو اور اگر بطور خود لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جائے اور اس پر تم کو مسرت لاحق ہو تو اس کو مٹانے کی کوشش کرو کہ جس طرح ممکن ہو اس کو کراہت سے بدلو تاکہ اس مسرت کا کسی عمل پر کوئی اثر نہ پیدا ہو۔ اس کے بعد جو کچھ حالت رہے اب اس کا دور کرنا چونکہ تمہاری قدرت سے باہر ہے لہٰذا اس کا مطلق فکر نہ کرو۔

فصل:۔ اس نیت سے عبادت کے ظاہر کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے کہ لوگوں کو رغبت ہوگی اور وہ بھی میری طرح حق تعالیٰ کی عبادت کرنے لگیں گے مگر ہاں نیت کا صاف اور خالص ہونا ضروری ہے اگر نفس امارہ اس حیلہ سے تمہارا شکار کرنا چاہے یا اس سے کسی چھپی ہوئی خواہش کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو ہرگز اس کی جرأت نہ کرنا بلکہ عبادت کے مخفی

ہی رکھنے کے پابند بنے رہنا اور اس کی علامت یہ ہے کہ عبادت کا اظہار تمہارے دل کی خواہش پر قائم رہے کہ اگر دوسرے لوگ اس بوجھ کو اٹھالیں اور کسی دوسرے ہی کی عبادت دیکھ کر لوگوں کو رغبت پیدا ہو جائے تو بہت اچھا ہے لہٰذا دل کو ٹٹول لیا کرو کہ اس میں کیا خواہش ہے کیونکہ اگر یہ خواہش ہوئی کہ میری ہی عبادت دوسرے لوگوں کو رغبت کا ذریعہ بنے اور میں مقتدا بنوں اور مخلوق میری مقتدی[1] ہو تو بس یہی ریا اور طلب شہرت و حُبِ جاہ ہے کیوں کہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ اخلاص جاتا رہا اسی بنا پر اپنے گناہوں کا چھپانا اور ظاہر نہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس سے واقف ہو کر لوگ فاسق نہ کہیں۔

گناہوں کے مخفی رہنے پر خوشی اور آشکارا ہونے پر رنجیدہ ہونے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے عام ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم کی موافقت کے باعث ہو کہ وہ معصیت کے چھپانے کو پسند اور اظہار کو ناپسند فرماتا ہے یا اپنے پر سے ایذا رفع کرنے کے سبب سے ہو کہ معصیت کے فاش ہونے پر لوگوں کو میری مذمت اور برائیاں کرنے کا موقع ملے گا۔ اور اس سے میرے دل پر صدمہ ہوگا اور یہ صدمہ اختیاری نہیں ہے بلکہ طبیعت کا اقتضا ہے اور یا حق تعالیٰ کی شان ستاری ہونے کی وجہ سے ہو۔ بہر حال کسی نیت سے بھی کیوں نہ ہو گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں ہے البتہ عبادت پر اس نیت سے خوش ہونا کہ لوگ تعریف کریں گے اور متقی و عابد سمجھیں گے بیشک حرام ہے کیونکہ یہ خوش ہونا گویا عبادت کی اجرت لینا اور مخلوق کی مدح کو اپنی طاعت کا معاوضہ بنانا ہے اور یہ ناجائز ہے اس مضمون کو دوسرے طریقہ سے یوں سمجھو کہ معصیت کے ظاہر ہونے میں عموماً حیا اور شرم آتی ہے اور حیا چونکہ ریا نہیں ہے اس لئے اس غرض سے معصیت کا چھپانا اور اس پر خوش ہونا

---

[1] پیروی کرنیوالی اور جس کی پیروی کی جائے وہ مقتدا ۱۲

بھی حرام نہیں ہے برخلاف عبدیت کے اس کے ظاہر ہونے پر خوش ہونے کی وجہ بجز اس کے کہ عبادت کا معاوضہ موہوم اور دنیائے دنی کا فائدہ قرار دیا ہے اور کوئی معقول وجہ نہیں ہے لہٰذا حرام ہے ہاں ریا کے خوف سے طاعت اور عبادت کا چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں ہے بلکہ عبادت کو کرتے رہو اور اگر اس میں ریا پیدا ہو تو اس کے دور کرنے کی کوشش رکھو البتہ اگر ایسے کام جن کو مخلوق سے تعلق ہو مثلاً نماز میں امام بننا یا مقدمات میں قاضی پنچ قرار پانا یا قضا، یا وعظ گوئی اگر ان امور میں ریا کا غالب اندیشہ ہو کر نفس ضرور شرارت کرے گا اور نیت میں اخلاص بالکل قائم نہ رہے گا، تو بیشک ان کاموں سے بھاگنا چاہیئے کیونکہ سلف کا یہی طرز تھا، اور ضرور اسی میں بہتری ہے اب رہے نماز، روزہ اور صدقات کے اعمال سو ریا کے اندیشہ سے ان کو ترک کرنا جائز نہیں ہے البتہ اگر بالکل ہی اخلاص نہ ہو اور اول سے آخر تک رضائے حق تعالیٰ اور عبادت خداوندی کی قطعی نیت نہ ہو اپنی جیسی محتاج مخلوق کے دکھلانے کو یہ کام کئے جائیں تو اس وقت ان کا کرنا بھی حرام اور چھوڑ دینا اولیٰ ہے اور اگر کسی نیک کام کے تم عادی اور پابند ہو اور اتفاق سے لوگ جمع ہو جائیں تو اس وقت ریا کے احتمال کی وجہ سے اپنے معمول کو ترک مت کرو بلکہ عادت کے موافق اپنا کام کرو اور ریا کو جہاں تک ہو سکے دفع کرو کہ پاس نہ آنے پائے۔

ریا کے اندیشہ سے معمولات ترک نہیں کرنے چاہئیں

خاتمہ

حسنِ خلق اور اس میں نفس کا دھوکا

اخلاقِ مذمومہ جس سے نفس کا تزکیہ کرنا ضروری ہے یوں تو بہت ہیں مگر اصول یہی دس ہیں جن کو ہم بالتفصیل ذکر کر چکے ہیں اور ان میں باہم ایسا تعلق ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا اور دوسرے کے ساتھ تیسرا لگا ہوا ہے اس لئے جب تک سب ہی سے نجات نہ ملیگی اس وقت تک نفس قابو میں نہ آئے گا اور ایک کی اصلاح کرنا اور دوسرے سے بے پرواہ رہنا کچھ مفید نہ ہوگا کیونکہ جو شخص دس بیماریوں میں گرفتار ہو وہ تندرست اسی وقت کہا جا سکتا ہے جبکہ اس کی دسوں بیماریاں جاتی رہیں جس طرح کوئی خوبصورت آدمی اسی وقت حسین کہلا سکتا ہے جبکہ ہاتھ پاؤں، آنکھ کان غرض سارے اعضا متناسب اور خوبصورت ہوں۔ اسی طرح انسان کو حسنِ خلق اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ اس کی تمام باطنی حالتیں قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم[1] فرماتے ہیں کہ مسلمان وہی ہے جس کا خلق کامل ہو اور مومنین میں افضل وہی ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہو[2] بس اسی اصل کا نام دین ہے اور اسی کی تکمیل کے لئے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے حسن خلق کی تحقیق اور تحدید اور ثمرات و نتائج میں محققین کے اقوال مختلف ہیں مگر ہم اختصار کے طور پر اس کی تحقیق کرتے ہیں ۔

---

[1] اصل عربی کتاب میں یہ حدیث نہیں ہے [2] طبرانی صحیح ۱۲

جاننا چاہیے کہ خَلق اور خُلق خ کے فتحہ اور ضمہ یعنی زبر اور پیش کے ساتھ جدا جدا لفظ ہیں خلق سے مراد صورت ظاہری ہے اور خلق سے مراد صورت باطنی ہے چونکہ انسان جس طرح جسم سے ترکیب دیا گیا ہے اور ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان وغیرہ اعضا اس کو مرحمت ہوئے ہیں جن کو قوت بصارت یعنی چہرہ کی آنکھیں ادراک کر سکتی ہیں اسی طرح انسان روح اور نفس سے ترکیب دیا گیا ہے اور اس کا ادراک بصیرت دل کی آنکھیں کرتی ہیں یہ ترکیب ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور ان دونوں ترکیبوں میں حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جدا جدا صورت اور قسم قسم کی شکلوں پر پیدا فرمایا ہے کہ کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے، اور کوئی صورت و سیرت بُری اور بھونڈی ہے ظاہری شکل و ہیئت کو صورت کہتے ہیں اور باطنی شکل و ہیئت کو سیرت کہتے ہیں ہاں سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي[1] آیہ کریمہ میں روح کو اپنا کر ذکر فرمایا اور قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي[2] میں اس کا اظہار فرمایا کہ روح امر ربانی ہے اور خاکی نہیں ہے کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب فرمائی اور اِنّی خالق بشرا من طین ـ ارشاد ہوا ہے؎ اس مقام پر روح اور نفس سے ہماری مراد ایک ہی شئے ہے یعنی وہ شئے جو حق تعالیٰ کے الہام و القا سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اشیاء کی معرفت اور ادراک حاصل کرتی ہے بہر حال ثابت ہوا کہ زیادہ قابل لحاظ امر ربانی یعنی سیرت انسانی ہی ہے کہ جب تک اس باطنی ترکیب کی شکل و ہیئت میں حسن موجود نہ ہوگا اس وقت تک انسان کو خوب سیرت نہیں کہا جا سکتا اور چونکہ

حسن خلق اور حسن سیرت کا بیان

---

[1] طبرانی صحیح ۱۲ [2] بیشک میں نے پیدا آدم کو مٹی سے ۱۲

اس صورت کے اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں کی سیرت کو بھی حق تعالےٰ نے باطنی اعضاء مرحمت
فرمائے ہیں جن کا نام قوتِ علم ۔ قوت غضب ۔ قوت شہوت اور قوتِ عدل ہے لہٰذا
جب تک یہ چاروں اعضاء درست اور مناسب حد اعتدال تک نہ ہوں گے اس وقت
تک سیرت کو حسین نہ کہا جائیگا ان باطنی اعضا میں جو بھی کمی بیشی اور افراط و تفریط ہو
کہ پاؤں مثلاً گز بھر کا ہو اور ہاتھ تین گز کے یا ایک ہاتھ مثلاً آدھ گز کا ہو اور دوسرا ہاتھ
گز بھر کا تو ظاہر ہے کہ ایسا آدمی خوبصورت نہیں کہا جائے گا ۔ پس اس طرح اگر کسی کی
قوت غضبیہ مثلاً حد اعتدال سے کم ہے اور قوت شہوانیہ مناسب اعتدال سے بڑھی
ہوئی ہے تو اس کو خوب سیرت نہیں کہہ سکتے اب چاروں اعضائے مذکورہ کا
اعتدال و تناسب اور حسن بیان کرتے ہیں

اوّل :۔ قوت علم ۔ اس کا اعتدال اور حسن تو یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ سے اقوال
کے اندر سچ اور جھوٹ میں امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق اور باطل میں تفریق
کر سکے اور اعمال میں حسن اور قبح یعنی اچھا اور برا پہچان سکے پس جس وقت یہ صلاحیت
پیدا ہو جائے گی تو اس وقت حکمت کا وہ ثمرہ پیدا ہو گا جس کو حق تعالےٰ بایں ہمہ ارشاد
فرماتا ہے کہ جس کو حکمت نصیب ہوئی اس کو خیر کثیر عطا ہوئی اور در حقیقت ۔ تمام
فضیلتوں کی جڑ دراصل یہی ہے ۔

دوم و سوم قوتِ غضب و قوت شہوت ان کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ دونوں قوتیں
حکمت اور شریعت کے اشارے پر چلنے لگیں اور مہذب و مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت
کی فرمانبردار بن جائیں کہ جس طرف بھی ان کو شریعت چلائے بلا عذر و بے تامل اسی جانب
لپکیں اور شکار پر حملہ کریں اور جس وقت ان کو روکنا چاہے تو فوراً رک جائیں اور جب

ہوکر اپنی جگہ بیٹھ جائیں۔

چہارم قوت عدل۔ اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوت غضبیہ اور شہوت دونوں کی باگ اپنے ہاتھ میں لے اور ان کو دین اور عقل کے اشارے کے ماتحت بنائے رکھے گویا عقل کو حاکم ہے اور یہ قوت عدل اس کی پیش کار ہے کہ جدھر حاکم کا اشارہ پاتی ہے فوراً اسی جانب جھک جاتی ہے اور اسی کے موافق احکام جاری کر دیتی ہے اور قوت غضبیہ اور شہوانیہ گویا شکاری مرد کے مہذب کتے اور فرماں بردار گھوڑے کی طرح ہیں کہ ان میں حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ اور اجرا ہوتا ہے پس جس وقت یہ حالت قابل اطمینان اور لائق تعریف ہو جائے گی اس وقت انسان حسن الخلق اور خوب سیرت کہلائے گا اور اس کی بدولت انسان کے تمام اخلاق و عادات درست ہو جائیں گے۔

قوت غضبیہ: کے اعتدال کا نام شجاعت ہے اور یہی عند اللہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس میں زیادتی ہوگی تو اس کا نام تہور ہے اور اگر کمی ہوگی تو بزدلی کہلائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حالتیں ناپسندیدہ ہیں حالت اعتدال یعنی شجاعت سے لطف و کرم۔ دلیری و جودت، بردباری و استقلال نرمی و ملاطفت اور غصہ کے ضبط کا مادہ اور ہر کام میں دور اندیشی و وقار پیدا ہوتا ہے اور اس میں زیادتی ہوتی ہے تو ناعاقبت اندیشی، ڈینگ مارنا، شیخی بگھارنا، غصہ سے بھڑک اٹھنا تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور اگر اس میں کمی ہوتی ہے، تو بزدلی و ذلت بے غیرتی اور کم حوصلگی خساست اور وہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو چھچھوراپن کہلاتی ہیں اور شہوت کی حالت اعتدال کا نام پارسائی ہے پس اگر شہوت اپنی حد اعتدال سے بڑھ جائے گی تو حرص و ہوا کہلائے گی، حالت معتدلہ یعنی پارسائی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس سے

جو خصائل پیدا ہوتے ہیں - وہ سخاوت، حیا، صبر، قناعت ۔ اتقا کہلاتے ہیں طمع کم ہو جاتی ہے خوف وخشیت اور دوسروں کی مدد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور حد اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص ولالچ ۔ خوشامد، چاپلوسی امراء کے سامنے تذلل[1] اور فقرا کو بنظر حقارت دیکھنا بے حیائی ۔ فضول خرچی ریا، تنگ دلی ۔ نامردانگی اور حسد وغیرہ خصائل بد پیدا ہوتے ہیں اور قوت عقل میں اگر اعتدال ہوتا ہے تو انسان مدبر و منتظم اور ذکی اور سمجھدار ہوتا ہے کہ اس کی رائے صائب ہوتی ہے اور ہر مضمون میں اس کی طبیعت چلتی اور جودت دکھاتی ہے اور اگر حد اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکہ بازی، فریب دہی اور مکاری کہلاتی ہے اور اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہوگا تو کند ذہنی وحماقت اور بے وقوفی کہلائے گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلد دوسرے کے دھوکے میں آجائے گا غرض جس وقت یہ ساری قوتیں حد اعتدال پر رہیں گی تو اس وقت انسان کو حسن الخلق یعنی خوب سیرت کہا جائے گا کیونکہ اعتدال سے گھٹنا اور بڑھنا دونوں حالتیں حسن سے خارج ہیں ۔ خیر الامور اوسطہا ۔

قوت عقل کے اعتدال و افراط و تفریط کا اثر

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے ہاتھ گردن میں باندھ کر نہ ڈال لو کہ بخل کرو اور نہ بالکل کھول دو کہ اسراف کرنے لگو نیز فرماتا ہے کہ ہمارے بندوں کی یہ نشان ہے کہ نہ وہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے بین بین حالت پر رہتے ہیں ۔

حسن خلق بین الافراط والتفریط ہے

فصل ان بداخلاقیوں کی اصلاح چونکہ ریاضت اور مجاہدہ سے ہو سکتی ہے ۔ لہٰذا اگر کسی میں کوئی خلق برا موجود ہو تو اس کو چاہیئے کہ نفس پر جبر کرے مثلاً اگر بخل کی عادت ہو تو جبراً وقہراً اس کو ترک کرے اور نفس کو ناراض کر کے خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور

---

۱ ذلیل ہونا کم ہیچ ہیچ ۱۲

اگر فضول خرچی کا خوگر ہو تو نفس کو فرضی سخاوت سے روکے اور خرچ کرنا بند کرے تاکہ صحیح خرچی کی عادت ہو جائے پھر جب حالت اصلاح پر آ جائے گی تو وہی بین بین حالت پیدا ہو جائے گی جو حق تعالیٰ کو پسند ہے مگر یہ نہ سمجھنا کہ جبراً و قہراً خرچ کرنے سے سخی یا بہ تکلف عاجزی کرنے سے متواضع کہلاؤ گے، نہیں ہرگز نہیں۔ سخاوت اور تواضع تو اس طبعی حالت کا نام ہے جو بلا تکلف دینے نفس مال کو موقع پر خرچ کرائے اور دوسروں کے سامنے انکساری کا مضمون خود بخود ظاہر کرائے نہ کہ بہ تکلف۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان شاء اللہ اس جبر و قہر اور تکلف کے ساتھ خرچ کرنا یا لوگوں کے سامنے جھکنا اصل سخاوت اور تواضع کا وسیلہ بن جائے گا کیونکہ بہ تکلف ایک کام کو کرتے رہنے سے اس کی عادت ہو جایا کرتی ہے اور جب عادت ہو جائے گی، تو خصلتِ محمودہ دل ایسا متصف ہو جائے گا کہ وہ عمدہ خصلت طبعی بن جائے گی۔

جس طرح حسن ظاہری میں کمی بیشی ہوا کرتی ہے۔ کہ کوئی زیادہ خوب صورت ہوتا ہے اور کوئی کم اسی طرح حسن باطنی میں بھی لوگ متفاوت ہوتے ہیں پس سب سے زیادہ خوب سیرت تو سرورِ عالم رسول مقبول سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کی شان میں آیہ کریمہ[1] انک لعلی خلق عظیم نازل ہوئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس مسلمان کو آپ کے اخلاق کے ساتھ جتنی مناسبت ہوگی اسی قدر اس کو حسین سیرت کہیں گے اور ظاہر ہے کہ سیرت باطنی میں جس قدر بھی جس کو حسن حاصل ہوگا اسی قدر اس کو سعادت اخروی حاصل ہوگی کہ کامل درجہ کا حسین معشوق اور محبوب بن جاتا ہے اور پرلے درجے کا قبیح و بد باطن شخص کمال بغض و نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا،

---

[1] یا نبی تم بڑے خلق پر پیدا کیے گئے ہو

اور دریا نی حالت میں محبت کے ہزار ہا درجے نکلیں گے جن پر ان کی مقدار و کیفیت کی مناسبت سے ثمرات اور نتائج مرتب ہوں گے پس خوب سیرتوں اور بد سیرتوں کے افراد کی جانچ اس پیمانہ سے بآسانی کی جا سکتی ہے۔

فصل :- انسان کو اپنے نفس کی حالت معلوم کرنے میں اکثر دھوکا ہو جاتا ہے۔ کہ بدخلق شخص بھی کبھی اپنے آپ کو خلیق اور خوب سیرت سمجھنے لگتا ہے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو غصہ آجاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ واسطے غصہ آیا ہے جو خوب سیرتی کے لئے ہونا ہی چاہیئے یا مثلاً اپنی عبادتوں کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے اور نفس یہ دھوکہ دے کر مطمئن بنا دیتا ہے کہ تم نے تو اس غرض سے عبادتوں کا اظہار کیا ہے تا کہ لوگ اس کام کی رغبت اور اس میں تمہارا اقتدا کریں یا مثلاً عابد زاہد متقی، پابند صوم و صلوٰۃ بنتا ہے اور با وجودیکہ یہ سب ریا اور دکھاوے کی نیت سے ہوتا ہے مگر نفس اس عیب کو ظاہر نہیں ہونے دیتا غرض اسی طرح یہ نفس امارہ بڑے بڑے دھوکے دیا کرتا اور بدحالی میں مبتلا رکھنے کے لئے اپنے آپ کو خوبی بنا کر ظاہر کیا کرتا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ اپنی حالت کسی اپنے مخلص اور صاف گو دوست سے پوچھو کہ وہ تمہیں کیا سمجھتا ہے کہ تمہاری خصلتوں اور عادتوں کا دوسرے لوگ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کیونکہ جن سے سابقہ اور واسطہ پڑتا ہے اور ان کو تمہارے اخلاق کے امتحان کا موقع ملے وہی اچھی طرح جانچ سکتے ہیں پس اگر تمہارے دوست کو تمہاری خیر خواہی ملحوظ ہوگی تو وہ بے تکلف تم کو بتا دے گا کہ تمہاری فلاں عادت خراب ہے۔ پس تم کو اسی کی اصلاح میں مشغول ہو جانا چاہیئے اور اگر چند عادتیں خراب ظاہر ہوں تو اغلب کی فکر پہلے اور جس کا نتیجہ زیادہ خراب نکل رہا ہو اس کا علاج سب سے مقدم سمجھو۔ مثلاً دنیا کی

محبت اور یہ ایسی بلا ہے کہ جس سے شاذ و نادر ہی کوئی شخص محفوظ ہوگا حالانکہ یہی دنیا
گناہوں کی جڑ ہے پس اس کا علاج مقدم اور سب سے زیادہ ضروری سمجھنا چاہیئے اور
وہ یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر سوچا کرو کہ آخر دنیا کی جانب مجھ کو اس قدر توجہ اور آخرت
سے روگردانی کیوں ہے اگر خلوت میں فکر کروگے تو سمجھ میں آجائے گا کہ سوائے جہالت
اور غفلت کے کوئی وجہ نہیں ہے تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ تمہاری عمر سو برس کی بھی
ہوئی اور تمہیں تمام زمین کی سطح بھی سلطنت میں مل گئی مگر پھر کیا؟ آخر فنا ہونا ہے عنقریب
وہ دن آنے والا ہے کہ نہ تم رہو گے اور نہ یہ سلطنت و ملک رہے گا یہ سب تو فنا ہو جائیں
گے مگر اس کی بدولت ابدی سلطنت جس کے ختم ہونے کا کوئی وقت ہی نہیں تمہارے
ہاتھ سے ضرور جاتی رہیگی اور اگر ابدی یعنی خلود[1] دوام کی مقدار تمہارے خیال میں آسکے تو
یوں تصور کرو کہ تمام دنیا اس کنارہ سے لیکر اس کنارے تک اناج سے بھری ہوئی ہے
اور ایک پرندہ پورے ایک ہزار برس میں وہاں سے لبریز دنیا میں سے ایک دانہ اٹھا
لیتا ہے پس اسی طرح ہزار سال میں اناج کا ایک ایک دانہ اٹھانے پر بھی ایک نہ ایک
دن یہ دنیا اناج سے ضرور خالی ہو جائے گی پس یہ مدت بھی جس کی ہزاروں ہزار گنا یہ
تمہاری گنتی ختم ہوتی ہے ابد اور دوام کے نام سے موسوم نہیں ہو سکتی کیونکہ ابد اور
دوام اس مدت سے بھی لکھوکھا اور کروڑہا گنا زیادہ ہے کیونکہ وہ تو انتہائی بےشمار مدت کا
نام ہے جس کی کہیں انتہا ہی نہیں پھر بھی اس عارض اور فنا ہو جانے والی سلطنت کی جانب
توجہ کرنا اور ابدی، دائمی مملکت سے بے پرواہ اور مستغنی بننا نفس نے کیوں پسند کر لیا، پھر
یہ بھی سوچو کہ ذرا سی دنیا کی معمولی تجارت میں تم کیسی کیسی مصیبتیں اٹھا لیتے اور طلب

دنیا کی محبت کا علاج

---

[1] ہمیشہ رہنا!

ریاست میں کیسے کیسے دشوار سفر کر لیتے ہو، حالانکہ ان مصیبتوں اور دشواریوں کے بعد بھی مال اور ریاست کا ملنا بالکل موہوم ہے ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی موت آجائے اور تجارت کا نفع یا سفر کا انجام دیکھنا نصیب نہ ہو یا اگر ریاست بھی مل جائے تو ممکن ہے کہ وہ عیش و آرام اور سکون حاصل نہ ہو جو ریاست سے مقصود ہوتا ہے بہر حال ایسی موہوم دنیوی راحت کی توقع پر بھی یہ صعوبتیں اور مصیبتیں گراں نہیں گزرتیں کیونکہ اپنے خیال میں جتنی عمر اپنی سمجھے ہوئے ہو اس کے مقابلہ پر تکلیف و محنت کے ایک یا دو برس کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے اور یوں خیال کرتے ہو کہ برس روز سفر میں رہنے کی تکلیف کے سبب عمر بھر کا عیش مل جائے گا حالانکہ جو نسبت تمہاری تمام دنیا کی عمر کو ابد اور دوام کے ساتھ ہے اس کا ایک شمہ بھی ایک برس کو تمہاری خیالی عمر کے ساتھ ہر گز حاصل نہیں ہے پھر دنیا کی زندگی کو اگر آخرت کی ابدی نعمت کے حاصل کرنے میں صرف کرو اور اس چند روزہ محنت اور تکلیف کو وہاں کی دائمی لذت کے لئے گوارہ کر لو تو کیا مشکل ہے مگر یہ ہو سکے؟ نفس نے ایک شوشہ چھوڑ دیا اور دھوکہ میں ڈال رکھا ہے غفلت کئے جاتے ہو اور کہتے ہو کہ خدا وند کریم ہے، معاف کرنے والا ہے سب کچھ بخش دیگا اور برا عمل کئے ہوئے ہم کو جنت میں بھیج دیگا بھلا میں پوچھتا ہوں کہ کھیتی اور تجارت میں ایسا کیوں نہیں خیال کر لیتے کیا آخرت کا خدا کوئی اور ہے اور دنیا کا کوئی اور۔ اور جب دونوں کا خدا ایک ہی ہے تو دنیا کے کمانے کے متعلق اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر گھر میں کیوں نہیں بیٹھتے اور کیوں نہیں خدا پر بھروسہ کرتے کہ جب وہ رزاق اور رفادر ہے تو بلا محنت کئے ہوئے بھی ہمارا پیٹ بھر دیگا اور کیوں نہیں اس کی امید رکھتے ہیں کہ وہ کسی ویرانے کا دبا ہوا خزانہ ہم کو سوتے میں دکھا دے گا جس سے بلا محنت و مزدوری کے ہم مالا مال ہو جائیں گے مگر افسوس ہے کہ یہاں تو یوں جواب دیتے ہو

نفس کا دھوکہ کہ خدا کریم ہے اور اس کی بدولت ہم سے غفلت

کہ معاش کے اسباب کا اختیار کرنا ضروری بات ہے کیونکہ مدفون خزانہ کا ہاتھ لگ جانا تو ایک اتفاقی امر ہے کہ شاذ و نادر کبھی کسی کے لئے ایسا اتفاق بھی پیش آجاتا ہے مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا پس ایسا ہی آخرت کے متعلق بھی سمجھو کہ خراب اعمال اور بدکاریوں پر معافی و مغفرت کی توقع کرنا اس سے بھی زیادہ شاذ و نادر ہے کیونکہ حق تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ انسان کو وہی ملے گا جو وہ کرے گا اور متقی بندے فاسق و فاجر لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے وغیرہ وغیرہ" دنیا کے معاملات میں تو اسباب کے اختیار کرنے کو ضروری بھی نہیں فرمایا بلکہ ان سے بے توجہ بنایا اور یوں فرمایا ہے کہ کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ جس کا رزق ہمارے ذمہ نہ ہو تعجب ہے کہ دنیا کمانے میں تو خدا پر بھروسہ نہیں ہے اور آخرت میں بدعملیوں کی معافی پر وثوق اور بے جا توقع رکھ کر اپنا دین برباد کر رہے ہو خوب یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے جس نے مخلوق کو تباہ اور اعمال سے کاہل بنا کر عبادت و طاعت سے روک رکھا ہے۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

بے عمل کو توقع بخشش شیطانی دھوکا ہے

فصل:۔ اور اگر تم یہ کہو کہ چونکہ دنیوی معاملات کے نتائج تو آنکھوں سے دیکھتے اور رات دن تجربہ کرتے ہیں اور آخرت کے معاملات میں سے کوئی واقعہ بھی کسی نے مشاہدہ نہیں کیا اس وجہ سے دنیا کی تحصیل میں رغبت ہوتی ہے اور دین کی طلب میں غفلت ہے کیونکہ جس شئے کو آدمی نے دیکھا نہیں اس کی واقعی تصدیق دل کے اندر نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی بات ہے کہ ہر شخص نقد کو ادھار پر ترجیح دیا کرتا ہے لہٰذا طلب دنیا میں ساری تکلیفیں برداشت کر لی جاتی ہیں اور دین کے متعلق نوافل تو درکنار اصل ارکان اور فرائض بھی ادا ہونے مشکل و دشوار پڑ جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ تمہارے قلب کی آنکھیں روشن فرما دے اور تم صاحب بصیرت بن جاؤ تو پھر دینی امور کے انجام بھی دنیا

ہی کی طرح تمہارے مشاہدے میں آجائیں گے اور اگر بصیرت حاصل نہ ہو تو بصیرت والوں جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے ارشادات میں غور کرو اور دیکھو کہ اس بڑی جماعت میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو آخرت کی دائمی نعمت اور دائمی تکلیف کا قائل نہ ہو اور یہ یقینی بات ہے کہ آخرت کی دائمی بہبودی حق تعالیٰ کی طرف توجہ کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تک دنیا کی طرف سے منہ پھیر دگے اس وقت تک حق تعالیٰ کی جانب توجہ کیونکر ہو گی پس جب ان باتوں کو سوچو گے تو تم کو آخرت پر سچا ایمان اور قلب کو امور غیبیہ پر سکون و اطمینان حاصل ہو جائے گا کیونکہ جو شخص خود اندھا ہو اس پر لازم ہے آنکھ والے شخص کا تابع ہو کر چلے کیونکہ راستہ کی اونچ نیچ اور منزل مقصود تک پہنچنے والی سڑک اسی کو نظر آرہی ہے بھلا اگر طب کے اندر دخل نہ ہو اور بیمار ہو جاؤ تو تمہیں بتاؤ کہ اس وقت طبیب کے کہنے پر تم کو چلنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ خصوصاً اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ جس پر تمام اطبا کا اتفاق ہو تو اس میں تو تم کو کسی قسم کا شک بھی نہ ہو گا بس یہی حال عقائد کا سمجھو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور تمام اہل بصیرت حضرات روحانی طبیب ہیں اور وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ آخرت ضرور ہونے والی ہے اور اس چند روزہ زندگی کے نیک و بد اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے لہٰذا اس میں شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے ہاں چند آدمی ایسے بھی ہیں جو روح کی حقیقت کو سمجھے ہی نہیں کہ وہ کیا چیز ہے ان کی نظر اسی روح جسمانی تک قاصر رہ گئی جس کے ذریعہ سے انسان حس و حرکت کرتا ہے یعنی وہ بخارات جو قلب سے اٹھتے ہیں اور بدن کی تمام رگوں میں پھیل جاتے ہیں پس انہوں نے اسی کو انسانی روح سمجھ لیا حالانکہ یہ روح حیوانات میں بھی موجود ہے پھر انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا ہوا خوب

روحِ انسانی کی حقیقت

سمجھ لو کہ روح انسانی کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ روح امرِ ربی[1] ہے پس یہی وہ روح ہے جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں اور روح الٰہی کی حقیقت کو چونکہ یہ کوتاہ نظر طبیب اور منجم نہیں سمجھ سکتے لہٰذا ان کو دھوکا ہوا اور آخرت کے منکر ہو کر دہریہ بن گئے کہ جب بدن سے نکل گئی اور بدن کا حس و حرکت جاتا رہا تو وہ مٹی ہو کر مٹی میں مل گیا اور رل رلا گیا کہ نہ اس کو اب راحت کا شعور ہو سکتا ہے نہ تکلیف کا۔ ان کم سمجھ لوگوں کی سمجھ پر افسوس ہے کہ اول تو ایک جمِ غفیر کے مقابلہ پر ان معدودے چند لوگوں کا قول ہی قابلِ التفات نہیں ہے اور اگر کچھ ہو بھی تو میں پوچھتا ہوں کہ تم بالکل یقینی سمجھتے ہو یا تھوڑا بہت اس میں جھوٹ کا بھی احتمال ہے تو اب تم ہی بتاؤ

احتیاط اور عقل کی بنا پر آخرت کی فکر مقتضی

کہ احتیاط کس بات کو چاہتی ہے؟ ظاہر ہے کہ احتیاط کا مقتضیٰ یہی ہے کہ آخرت کیلئے سامان جمع کرو اور اس کی فکر کرو کیونکہ اگر مثلاً تم بھوکے ہو اور کھانا بھی سامنے رکھا ہوا ہے مگر کوئی شخص وثوق کے ساتھ بیان کرے کہ اس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے اور دوسرا شخص کہے کہ نہیں اس میں زہر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ احتیاط کی بنا پر تم اس کھانے سے ضرور پرہیز کرو گے اور یہ سمجھو گے کہ اگرچہ اس میں زہر ہونے کا یقین نہیں ہے مگر پھر بھی اس کا شبہ اور احتمال چونکہ ضرور ہے لہٰذا ایک وقت بھوکا رہنا اس مشکوک کھانا کھانے سے بہتر ہے کیونکہ اس کی ایک شق میں مرجانے کا احتمال ہے اور دوسری صورت میں موت سے تو حفاظت ہے ہاں اگر ہے تو تھوڑی سی بھوک ہی کی تکلیف ہے جس کو آسانی سے برداشت کر سکتے ہیں کہ ذرا لذت اگر حاصل نہ ہوئی نہ سہی زندگی تو باقی رہے گی اگر زندگی ہے تو سب کچھ ہے دیکھو ایک شاعر باوجود کثافتِ عقل کے کیا کہتا ہے اس کے عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ منجم و طبیب

---

[1] میرے رب کا حکم

نے مجھ سے کہا کہ مرجانے والے انسان دوبارہ کبھی زندہ نہ ہونگے میں نے ان کو جواب دیا کہ جاؤ دور ہو اور اگر تم سچے ہو تو میرا تو اس وقت بھی کوئی نقصان نہ ہوگا بس اتنا ہی کہ اعمال کچھ کام نہ آئیں گے سو نہ سہی تکلیف تو نہ ہوگی اور اگر تم جھوٹے نکلے تب تو ظاہر ہے کہ میں نفع میں رہا اور خسارہ تم کو اٹھانا پڑا کہ تم آخرت کے منکر ہونے کی وجہ سے اس کا کچھ بھی سامان ساتھ نہ لائے اور یہیں دنیا ہی میں اس کا فکر کر کے تباہ ہو آیا تھا۔ الغرض دنیا میں رہ کر دینی امور کی سعی کرنے اور نیک اعمال کا ذخیرہ فراہم کرنے کی صورت میں تو بہر حال نفع ہی نفع ہے اور اگر تم یہ کہو کہ ہمیں تو جاہل نجومی اور زندیق طبیب کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جھوٹ کا مطلق احتمال ہی نہیں تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو تو نعوذ باللہ دھوکہ ہو گیا پس نہ آخرت کوئی چیز ہے اور نہ ثواب اور عذاب کوئی بات ہے اگر خدا نخواستہ تمہارا خیال ایسا ہو جائے تو اب تمہارا مرض لا علاج ہے کیونکہ تمہارے مزاج کا فساد اور عقل کی رکاکت[1] صراحتہً ظاہر ہو گئی اور پھر بھی تم اس کو عقلمندی سمجھتے ہو کہ بلا دلیل ایک وہمی اور لغویات کو یقینی اور یہی بتلاتے ہو ایسی صورت میں علاج اور صحت کی کیا صورت ہو سکتی ہے پس ہم بھی ایسے شخص کو نصیحت کرنے سے منہ پھیر لیں گے البتہ چلتے چلتے اتنا پھر سمجھا ئیں گے کہ اچھا میاں اگر دنیا ہی تمہاری محبوب ہے اور یہیں کی راحت اور آرام کے شیدا ہو تب بھی ہمارے کہنے کے موافق تاپابند اور دنیا کے تعلقات کا کم کرنا تم کو ضروری ہے کیونکہ جو مزہ اور راحت و آرام آزادی میں ہے وہ پابندی میں نہیں ہے پس اگر تم نفس کے پابند ہو گئے اور خواہشات و تعلقات میں جکڑ گئے تو یاد رکھو کہ ہر قسم کی ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے گی کہ جوتیاں کھاؤ گے اور اپنی جیسی محتاج مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور خوشامد

---

[1] کمزوری و سستی ۱۲

کرتے پھرو گے دیکھو دنیا کے تعلقات اور کھیڑے ایسے بُرے ہوتے ہیں کہ بہتیرے کافر جن کو آخرت پر ایمان نہ تھا وہ بھی تو ان سے گھبرا اٹھے اور تارک الدنیا ہو کر جوگی اور راہب بن گئے انہوں نے بھی اتنا سمجھ لیا کہ دنیا دل لگانے کے قابل چیز نہیں ہے کیونکہ اس ناپائدار جہان کو ایک دن چھوڑنا ضرور پڑے گا اور یہاں رہ کر جس کسی سے بھی محبت یا علاقہ رکھا جائیگا وہ بہت جلد منقطع ہو جائے گا کہ ہم اس کو چھوڑ کر رخصت ہو جائیں گے اور یا وہ ہم کو چھوڑ کر روانہ ہو جائیں گے اور ظاہر ہے کہ اس مفارقت کا انجام سوائے مصیبت و رنج اور صدمہ و تکلیف کے کچھ بھی نہیں ہے پس جب کافروں کو آخرت کا بالکل انکار ہونے کی صورت میں دنیا کے تعلقات ترک کرنے کے اندر راحت معلوم ہوتی ہے تو تم پھر بھی مسلمان کہلاتے جاتے ہو پھر معلوم نہیں کہ ان تعلقات میں پھنسنے کو راحت کا سامان کس طرح سمجھتے ہو اور اگر کسی شخص کو دنیا کی الجھنیں اور ناپائداری بھی نظر نہ آئے اور ترک خواہشات و تعلقات کو عقلاً بھی مفید نہ سمجھے کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حق تعالےٰ نے فرمایا ہے ذرھم یاکلوا ویتمتعوا۔ الخ کہ اے محمدؐ ان کو چھوڑو کہ کھائیں اور مزہ کریں اور ان کی امیدیں ان کو غفلت میں ڈال رکھیں سو عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

بحمداللہ دوسری قسم کا مفصل بیان ختم ہو گیا حق تعالیٰ شانہٗ لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اس تحریر کو وسیلہ ہدایت بنائے آمین بجاہ سید المرسلین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ وصفیہٖ

محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۝

اخلاق حمیدہ اور قلب کو ان کے ساتھ آراستہ کرنیکے دس اصول

توبہ

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو بلاشبک۔ وہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے "۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ گویا بیگناہ ہوگیا۔[1] حق تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے جتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی بے آب وگیاہ اور دہشت ناک جنگل میں پہنچ جائے اور اس کی سواری معہ توشہ کے جو اس پر رکھا ہوا تھا گم ہو جائے کہ وہ اس کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھک جائے اور اس وجہ سے کہ سواری کے بغیر نہ جنگل سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ توشہ کے بغیر فاقہ کی موت سے جان بچا سکتا ہے زندگی سے مایوس ہو جائے کہ نہ پیدل چلنے کی طاقت ہے اور نہ وہاں آب ودانہ میسر آنے کی امید اس لئے مایوس ہو کر کسی درخت کے نیچے آ لیٹے اور اپنے ہاتھ پر سر رکھ کر اس فکر میں ڈوبا ہوا سو جائے کہ اب موت آیا چاہتی ہے اور پھر دفعتاً اس کی آنکھ کھل جائے اور دیکھے کہ اس کی کھوئی ہوئی سواری اس کے پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان جو اس پر لدا ہوا تھا وہ بجنسہٖ موجود ہے تو اس کو ایسی حالت میں اپنی زندگی سے ناامید ہونے کے بعد سرمایہ حیات ہاتھ لگنے کی وجہ

توبہ سے حق تعالیٰ کی خوشی کا اندازہ

---

[1] ابن ماجہ وطبرانی کبیر وبیہقی ۱۲

سے جتنی خوشی دفعتاً حاصل ہوگی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کو اُس وقت خوشی ہوتی ہے
جب کہ بندہ اس کی جانب رجوع کرتا ہے اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے۔ توبہ کے معنی
رجوع کرنے اور بعید سے قریب کی طرف لوٹ آنے کے ہیں مگر اس کے لئے بھی ایک ابتدا
ہے اور ایک انتہا ہے ابتدا تو یہ ہے کہ قلب پر نور معرفت کی شعاعیں پھیل جائیں اور
دل کو اس بات کی پوری گہرائی حاصل ہو جائے کہ گناہ سم قاتل ہے اور تباہ کر دینے
والی شئے ہے اور پھر خوف و ندامت پیدا ہو کر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت
اتنی پیدا ہو جائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے اس
گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم قصد کرے اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے
گذشتہ تقصیر و کوتاہی کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں
کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہو جائے گا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہو گیا۔ جس کا
نام توبہ کی انتہا ہے۔

توبہ کے معنی اور اس کی ابتدا اور انتہا

فصل:۔ توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہو گیا ہو گا کہ توبہ ہر شخص پر واجب
ہے کیونکہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب بنا کر فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! تم سب
توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔" چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو آخری زندگی کیلئے سم
قاتل اور مہلک سمجھے اور ان کے چھوڑنے کا عزم کرے اور اتنا مضمون ایمان کا جزو
ہے اس لئے ہر مومن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے اب رہا تمام بنی
آدم اور ہر فرد و بشر پر توبہ کا وجوب سو اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی چار قسم کی صفات سے
مرکب ہے کیونکہ اس کے خمیر میں:۔

توبہ کی فرضیت

اول۔ حرص و شہوت اور فسق و فجور داخل ہے جو بہائم کی خصلت ہے۔

دوم اسکے اندر غصہ اور حسد اور بغض و عداوت کا مادہ موجود ہے جو درندوں کی خاصیت ہے

سوم:۔ اس میں مکر و فریب اور دھوکا دہی و مکاری رکھی ہوئی ہے جو شیطانی اخلاق ہے۔

چہارم:۔ اس میں کبر و نخوت و تعلی و تفاخر حب مدح حکمرانی و سلطنت حکومت و نشان اور غلبہ و عزت کی طلب کا مادہ موجود ہے اور یہ سب ربوبیت کی صفات ہیں۔ ان چاروں خصائل کا اپنے اپنے وقت پر اور موقع پر غلبہ اور اثر ظاہر ہوا کرتا ہے چنانچہ سب سے پہلے زمانہ طفولیت میں تو بہائم اور حیوانات کی خصلتیں غلبہ کیا کرتی ہیں اور انسان شہوت و حرص میں گویا چوپایہ اور جانور بن جاتا ہے اس کے بعد جب نوجوانی کا زمانہ آتا ہے تو درندوں کی عادتوں کا غلبہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر حسد کرتا ہے باہم عداوتیں پیدا ہوتی ہیں کسی سے بغض ہے کسی سے عناد کسی پر غصہ آرہا ہے کسی کو ذرا سی خلاف طبع بات پر پھاڑے کھاتا ہے اور آپے سے باہر ہوا جاتا ہے چیختا چلاتا اور ڈرو کتا ہے کسی کو نعمت اور خوشحالی میں دیکھتا ہے تو جلتا کلستا اور چھیننے جھپٹنے کی فکر میں طیش کھایا کرتا ہے غرض اس حالت میں وہ اور درندہ گویا ہمجنس بن جاتے ہیں پھر جب اس کے بعد عالم شباب کا کمال ہوتا ہے اور بدن میں قوت آجاتی ہے تو یہ بہائم و درندوں کی یہ خصلتیں اپنی خواہشیں پوری کرنے کا تقاضا کرتی ہیں۔ یعنی مرغوب و لپسندیدہ شئے کو حاصل کریں اور دشمن و ناپسندیدہ امر کو زیر خاک بیں اس وقت شیطانی اخلاق ظاہر ہونے اور اپنا غلبہ کرتے ہیں کہ ابھی کسی شئے کی خواہش پوری ہوئی اور فریب و دھوکہ بازی نے مدد کرنے کا اقرار کیا ابھی کسی دشمن پر غصہ آیا اور فوراً مکاری و جعلسازی نے اپنی دانائی و ہوشیاری کو پیش کیا۔ غرض اخلاق شیطانی اس زمانہ میں خصائل بہیمیہ[1] اور عادت سبعیہ[2] کے نفاذ میں معین و مددگار بنتے اور انسان کو شیطان مجسم بنا دیتے ہیں اور

ہر خصائل کا دورہ اپنے اپنے وقت پر غلبہ رکھنا ہے

---

[1] چوپایوں والی ۱۲ [2] درندوں والی ۱۲

جب اس میں کامیابی و ظفر اور اپنی حسب منشا کارروائیوں میں فتح نظر آنے لگتی ہے تو پھر تکبر و نعلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص اس کی مدد کرے ہر شخص اس کا مطیع و فرماں بردار ہو جائے ہر شخص اس کی بڑائی اور کمال کا معترف ہو ہر شخص اس کو عقلمند اور واجب التعظیم سمجھے غرض ایسی فرعونیت ذہن میں سماتی ہے کہ ہمچو ما دیگرے نیست" کا پتلا مجسم بن جاتا ہے اور جب ان چاروں خصلتوں کا ظہور ہو لیتا ہے تو اب عقل کی قندیل اپنا منہ دکھاتی ہے جس میں ایمان کا چراغ روشن ہوتا ہے اور اس کو بھلے اور برے میں امتیاز کا موقع دیتا ہے اگر یہ روشنی ظاہر نہ ہو تو خصائل مذکورہ کی ظلمت و تاریکی سے نجات ملنی دشوار ہو جائے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہے کہ قندیلِ عقل اور مشعلِ ایمانی کا نور چالیس سال کی عمر میں کمال کو پہنچتا ہے اور جو بد خصلتیں بلوغ کے وقت سے پیدا ہونے لگی تھیں اب ان کی اصلیت درحقیقت اچھی طرح کھل جاتی ہے پس جس وقت یہ نور نظر آتا ہے تو انسان کا قلب گویا جنگ کا ایک وسیع میدان ہوتا ہے جس میں اس ظلمانی لشکر یعنی چاروں خصائل مذکورہ کی اس خدائی لشکر یعنی عقل اور نور ایمان کے ساتھ جنگ ہوتی ہے اور دونوں لشکروں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ دوسرے کو مغلوب اور اپنا تابع فرمان غلام بنا لے اگر نور عقل کمزور رہا تو شیطانی لشکر فتح یاب ہو کر قلب پر مسلط ہو جاتا ہے اور دشمن سے بے خوف ہو کر قلب انسان پر قبضہ اور حکومت کرنے لگتا ہے اور اگر شیطانی گروہ پسپا ہوا اور میدانِ جنگ عقل اور ایمان کے ہاتھ رہا تو انسان کی حالت سنور جاتی اور طبیعت مہذب بن جاتی ہے اور چونکہ بنی آدم کی فطرت ہی اس جنگ و کارزار کی مقتضی ہے اس لئے ہر شخص کے لئے اس کا پیش آنا لازمی ہے پس ثابت ہو گیا کہ توبہ سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں ہے کیونکہ اس نور عقل کا نام ہی توبہ ہے جو معرکہ کے وقت ظلمانی لشکر یعنی

خصائل شیطانیہ و بہیمیہ کا مد مقابل بننا اور انسان کو اس پاک شریعت کا تابع بنانے کی کوشش کرنا ہے جس سے آخرت کی فلاح اور ابدی نجات حاصل ہوتی ہے اور چونکہ کوئی انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں ہے اس لئے کوئی وقت بھی ایسا نہ ہوگا جس میں کوئی شخص توبہ سے مستغنی ہو کیونکہ انسان کسی حال اور کسی زنبہ کا بھی ہو یہ ضروری ہے کہ یا تو اس کے اعضا میں سے کوئی عضو کسی گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوگا اور یا قلب سے کوئی گناہ ثابت ہو رہا ہوگا یعنی یا تو جوارح کسی خلاف شرع حالت میں ملوث ہوں گے اور یا قلب کسی مذموم خصلت یا ایسی بدعادت میں ضرور مبتلا ہوگا کہ جس کی اصلاح کے لئے توبہ کی حاجت ہوگی اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی انسان فرشتہ اور ایسا مہذب بن گیا کہ اس کی کوئی عادت اور کوئی خصلت بھی ایسی نہیں ہے جس کی اصلاح کی ضرورت ہو تب بھی کوئی وقت تو ایسا ضرور ہوگا جس میں حق تعالیٰ کی یاد سے اس کو غفلت ہوگی اور چونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب اپنے پروردگار کو بھولو تو فوراً یاد کرو اس لئے پھر بھی اس حالت سے رجوع کرنے اور غفلت سے یاد کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہوئی اور اس رجوع کا نام توبہ ہے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی شخص خدا کی یاد میں ہر آن مستغرق اور محو ہے کہ کوئی لحظہ بھی قلب کو غفلت نہیں ہوتی اگرچہ اس درجہ استغراق دشوار بلکہ قریب ناممکن کے ہے تاہم اگر ایسا مان بھی لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ انسان جس مقام اور جس مرتبہ میں ہے اس سے عالی مرتبہ پر پہنچنے سے پہلے پہلے پھر بھی توبہ کا محتاج ہے کیونکہ ہر مقام اور ہر مرتبہ اپنے سے عالی اور مافوق مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ناقص کہلاتا ہے اور ناقص سے باہر نکلنا اور عالی و کامل پر پہنچنا ہر شخص پر لازمی ہے پس جب تک بھی اس میں رہے گا اور جب دوسرے درجہ پر پہنچے گا تو چونکہ وہ درجہ بھی اپنے

کوئی انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں

معصوم و بے گناہ کو بھی توبہ کی حاجت

ل ظاہری اعضا ۱۲

مافوق درجہ کے اعتبار سے ناقص ہے اس لئے جب تک اس سے باہر نہ نکلے اور اوپر نہ پہنچے اس وقت تک وہاں بھی توبہ کا حاجت مند ہوگا۔ اسی طرح سلسلہ چڑھتا رہے گا کہ جوں جوں ترقی کرے گا توں توں توبہ کا ضرورتمند ہوتا رہے گا اور چونکہ مراتب قرب خداوندی غیر متناہی[۱] ہیں یعنی کوئی مرتبہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے مافوق اور بالا کوئی دوسرا مرتبہ نہ ہو لہذا کوئی حالت بھی ایسی نہ نکلے گی جس میں انسان کو نسبتاً ناقص مرتبہ میں رہنے کی وجہ سے خطاوار و عاجز اور عالی مرتبہ تک نہ پہنچنے کے سبب توبہ کا ضرورت مند نہ کہا جائے یہی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی معصوم و بے گناہ ذات کے لئے فرماتے ہیں کہ میں رات دن میں ستر مرتبہ توبہ اور استغفار کیا کرتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوا کرتی ہے اور صالحین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے ہوا کرتی ہے اور متقین کی توبہ شک و شبہات میں مبتلا ہونے سے ہوتی ہے اور محبین کی توبہ اس غفلت سے ہوتی ہے جس نے ذکر الٰہی کو کسی لحظہ میں بھلا دیا تھا اور عارفین کی توبہ اس مقام سے ہوتی ہے جس پر پہنچے ہوئے ہیں مگر اس کے مافوق دوسرا مرتبہ ہے جس پر ان کو پہنچنا چاہیئے اور چونکہ حق تعالیٰ کے قرب کے مراتب و مقامات غیر متناہی و بے شمار ہیں اس لئے عارفین کی توبہ کا منتہیٰ نہیں اور نہ اس کے خاتمہ کا کوئی وقت معین ہے۔

فصل:۔ جب توبہ کی تمام شرائط پوری ہو جائیں گی تو اس کی قبولیت میں شک نہ ہوگا کیونکہ قبول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے قلب میں انوار معرفت کی تجلیات کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے اور ظاہر ہے کہ انسان کا قلب آئینہ کی مانند ہے جس پر خواہشات نفسانیہ اور حرص و ہوا کے باعث غبار جم جاتا ہے یا گناہ کی وجہ سے سیاہی چھا جاتی ہے مگر نیک کام

---

[۱] نہ ختم ہونے والا [۲] مسلم ونسائی وابوداود احمد ۱۲

جو منزلہ نور کے ہیں۔ اپنی روشنی اور چمک دمک سے اس تاریکی کو دور کر کے آئینہ قلب کی صیقل کرتے رہتے ہیں اس لیے جب انسان کوئی بڑا کام کرے گا۔ اور نادم و پشیمان ہو کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو ضرور ایسی حالت ہوگی جیسے کپڑے پر صابون لگانے سے ہوتی ہے کہ اگر صابون باقاعدہ لگایا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میل نہ اترے اسی طرح اگر دل اخلاص و توجہ کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوا ہے تو ممکن نہیں کہ قلب میں صفائی و انشراح اور تجلیات معرفت کی استعداد و قابلیت نہ پیدا ہو۔ ہاں بعض بزرگوں کو توبہ کے بعد قبولیت توبہ میں جو شک ہوا ہے وہ حقیقت میں قبولیت توبہ کے شرائط جمع ہونے میں شک ہوا ہے کہ خدا معلوم ساری شرطیں پوری ہوئیں یا نہیں جیسے کوئی شخص مسہل دوا پیے اور پھر بھی اس کو دستوں کے آنے میں شک ہو تو یہ شک دوا کے دست آور ہونے میں نہیں ہے بلکہ اس امر میں شک ہے کہ مسہل کی شرائط پوری طرح ادا ہوگئیں یا نہیں؟ یعنی دوا کے اجزا پوری مقدار میں تھے بھی یا کم وبیش ہو گئے موسم و وقت اسہال کے مناسب بھی تھا یا نہ تھا اور اگر ان جملہ امور میں اطمینان ہو تو پھر دستوں کے آنے اور غلیظ و متعفن مادہ کے خارج ہو جانے میں کبھی شک نہ ہوگا اسی طرح اگر توبہ کے تمام شرائط جمع ہو جانے کا پورا یقین ہو جائے۔ تو پھر اس کی قبولیت میں شک ہونے کوئی معنی ہی نہیں۔

شرائط توبہ پورا ہونے کا اطمینان ہو تو قبولیت میں شک نہیں

غرض جب ثابت ہو گیا کہ ہر شخص کو توبہ کی ضرورت ہے اور ہر فرد بشر اس معالجہ کا محتاج ہے تو اس میں غفلت کرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ غفلت اور ہوائے نفس ایسا مہلک مرض ہے جس کی وجہ سے انسان خدا کی معصیت اور گناہ کے کام پر اصرار و مداومت کرنے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ اصرار یعنی بار بار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔ پس جب اس اصرار کو چھوڑ دو گے تو اس باطنی مرض سے نجات مل جائے گی خوب یاد رکھو کہ غفلت کا باطنی مرض بخار جاڑا پھنسی پھوڑا وغیرہ یعنی جسم کے ظاہری امراض سے بہت بڑھا

غفلت کا باطنی مرض ظاہری امراض سے بڑھا ہوا ہے

ہوا ہے اور اس کی کئی وجہ ہیں۔

اول: تو اس وجہ سے کہ بدن کے امراض نظر آتے ہیں اور یہ مرض نظر نہیں آتا اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شخص کے چہرے پر برص کے داغ سفید ہوں اور اتفاق سے آئینہ بھی موجود نہ ہو جس میں منہ دیکھ کر اپنا مرض معلوم کرے تو یہ مرض زیادہ خطرناک ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے کے کہنے کا اس کو یقین نہ آئے اور اس بے اعتباری میں اس کا مرض دن بدن بڑھتا جائے۔

دوم: اس وجہ سے کہ انسان نے غفلت کے باطنی مرض کا انجام دیکھا نہیں اور اس انجام کے دیکھنے ہی کی وجہ سے حق تعالیٰ کی معافی پر بھروسہ کر کے ایسا مطمئن اور بے فکر ہو بیٹھا کہ علاج کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتا برخلاف بدنی امراض کے کہ ان کا نتیجہ و انجام اس کے تجربہ میں آچکا ہے اور اس لئے یہاں خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا بلکہ علاج میں غایت درجہ کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ ہر قسم کے جملہ امراض کا پیدا کرنے والا اور شفا دینے والا وہی خدا ہے خواہ امراض جسمانی ہوں یا روحانی اور ظاہری ہوں یا باطنی۔

سوم: اس وجہ سے کہ اس باطنی مرض کے طبیب مفقود ہو گئے۔ اور یہ بات نہایت درجہ افسوس و حسرت کے قابل ہے کیونکہ اس قلبی مرض کے طبیب علماء شریعت اور عقلاء زمانہ تھے۔ اور وہ خود باطنی بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں پھر جب ان کو اپنے ہی علاج کی خبر نہیں وہ دوسروں کا علاج کیا کریں گے ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ مہلک مرض دنیا اور مال دنیا کی محبت ہے اور اس زمانہ پر آشوب میں اس مرض کے اندر سب سے زیادہ علماء ہی گرفتار نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کو دوسروں کو دنیا کی محبت سے روکنے اور منع کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنی رسوائی کے اندیشہ سے وہ یہ بھی ظاہر نہیں کر سکتے کہ دنیا کی محبت بری چیز اور باطنی

امراض میں ایسا مہلک مرض ہے جس سے جانبری دشوار ہے پس یہی وجہ ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہو گیا کیونکہ جب طاعون یا وبائی مرض عام طور پر پھیل جائے اور دوا کا پتہ نہ مل سکے اور طبیب خود مریض اور اسی مرض کے بیمار بنے ہوئے ہوں تو بھلا اس سے نجات کیونکر حاصل ہو سب سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ان روحانی طبیبوں یعنی علماء کی دیکھا دیکھی عوام الناس کو محبت دنیا کی رغبت بڑھ گئی اور پرہیز یا دوا علاج کی طرف توجہ کرنے کی کوئی سبیل بھی باقی نہ رہی کیونکہ یہی وہ اصحاب ہیں جن کی تقلید کی جاتی ہے اور عام آدمی انہیں کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہیں پس جب انہیں کو محبت دنیا میں گرفتار دیکھیں گے تو پھر اس کو اچھی بات سمجھ کر کیوں نہ اقتدا کریں گے اور جب اقتدا کریں گے تو پھر اصلاح کی کیا صورت؟ افسوس کہ جن کو طبیب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تھا انہوں نے بجائے علاج کے مرض کو بڑھا دیا جو لوگ مصلح بن کر آئے تھے وہ مفسد بن گئے اور جن کو رہبر تجویز کیا گیا وہ خود گمراہ ہو کر دوسروں کا راستہ کھوٹا کرنے کے درپے ہو گئے۔ گویا شیریں چشمہ کے دہانہ پر پتھر رکھ کر اڑ گئے کہ نہ خود پانی پئیں نہ دوسروں کو پینے دیں لے کاش! ان سے دنیا خالی ہو جائے اور یہ پتھر دہانہ سے سرک جائے اگر وہ خود نا قابل ہیں تو نا قابل سہی مگر چشمہ کا دہانہ کیوں روکے ہوئے ہیں؟ پرے ہوں الگ ہٹیں کہ دوسرے تشنہ کام تو سیراب ہو جائیں غرض اس باطنی مرض کا خلاصہ علاج یہ ہے کہ سبب ڈھونڈو اور گناہ کے اصرار پر توجہ کرو کہ ایسا کیوں ہے یاد رکھو کہ کسی گناہ پر جو اصرار ہوا کرتا ہے تو مفصلہ ذیل پانچ اسباب میں سے ایک سبب سے ہوا کرتا ہے۔

اول:- یہ کہ گناہ پر جو سزا حق تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے وہ گناہ کرتے ہی دست بدست نہیں ملا کرتی اور ظاہر ہے کہ جس فعل کا نتیجہ دست بدست نہیں ملتا ذہن میں اس کی وقعت

نہیں ہوا کرتی لہذا گناہ پر اصرار ہونے لگتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ سوچنا اور جاننا چاہیے کہ جو چیز ایک نہ ایک دن ضرور آنے والی ہے، وہ قریب ہی ہے کیونکہ بعید تو اس کو کہنا چاہیے جو آئے نہیں اور جو ایک دن آنے والی ہے وہ بعید کہاں خصوصاً موت کا جس کا آنا یقینی بھی ہے اور پھر اس کا وقت بھی مقرر نہیں تو اس کے بعید ہونے کے تو کوئی معنی ہی نہیں کیا خبر ہے کہ آج ہی کا دن آخری دن اور یہی مہینہ آخری مہینہ اور یہی سال تمہاری عمر کا آخری سال ہو اس کی طرف سے غفلت کرنا حماقت ہے پھر یہ بھی سوچو کہ آئندہ کے افلاس کے اندیشہ سے معاش کے حاصل کرنے کی فکر میں تم کیسے کیسے دور دراز کے سفر اور مصائب برداشت کرتے ہو تو کیا آخرت کی پائیدار زندگی کا اتنا بھی فکر نہ ہو جتنا دنیا کی بہت جلد ختم ہو جانے والی ناپائیدار زندگی کا ہے ۔

گناہ پر اصرار کا دوسرا سبب اور اس کا علاج

دوسرا سبب یہ ہے کہ نفس کو اپنی مرغوب خواہشوں اور لذتوں میں مزا آرہا ہے ۔ لہذا ان کا چھوڑنا اس کو ناگوار گزرتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ سوچو اور غور کرو کہ اگر کوئی انگریز ڈاکٹر یوں کہہ دے کہ " میاں تمہیں ٹھنڈا پانی مضر ہے تم اس کے پاس کبھی نہ جانا ورنہ مر جاؤ گے تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ڈاکٹر کی اس نصیحت کا تم پر کیا اثر ہوگا ظاہر ہے کہ زندگی برباد ہو جانے کے خوف سے ٹھنڈے پانی جیسی لذیذ نعمت بھی تم سے چھوٹ جائے گی حالانکہ وہ ایک انسان کا قول ہے اور انسان بھی کافر؛ پس اس میں جھوٹ کے بیسیوں احتمال نکل سکتے ہیں پھر بھلا خداوند کریم کی مضر بتلائی ہوئی خواہشات کو توڑنے میں کیا تامل ہے کیا اللہ اور رسول اللہ کے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد کسی کافر طبیب کے قول کے برابر بھی نہیں ہے یا جسمانی مرض سے مر جانا کیا ہمیشہ آگ میں جلنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے پھر یہ بھی تو سوچو کہ

جب تمہارا نفس اس قدر لذت اور خواہشات کا پابند ہے کہ دنیا میں چند روز کے لیے معمولی لذتوں کو چھوڑنا بھی اس کو شاق گذرتا ہے تو یہاں ان ناپائدار لذتوں کے حاصل کرنے کی بدولت جب آخرت کی دائمی نعمتیں چھن گئیں تو ان کے چھوٹنے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آگ میں جلنے کو وہ کس طرح برداشت کرے گا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ نفس نے تم کو کاہلی کا سبق پڑھایا اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میاں توبہ کی ایسی جلدی ہی کیا ہے آج نہیں تو کل کرلیں گے، غرض اسی طرح دن پر دن گزرتے رہتے ہیں اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اس تعویق اور تاخیر اور آج کل میں وقت برابر ہو جاتا اور موت آجاتی ہے پس اگر گناہ پر اصرار کرنے کا باعث یہ کاہلی ہوئی تو اس مضمون کو سوچنا چاہیے کہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ کب ہوگا کون کہہ سکتا ہے کہ تم کل کو زندہ بھی رہو گے اور توبہ نصیب ہو جائے گی خوب یاد رکھو کہ ایسے ہی لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے جنہوں نے توبہ کرنے کو امروز و فردا میں رکھا یہاں تک کہ موت نے آپکڑا دوسرے یہ بھی سوچنے کے قابل بات ہے کہ جب نفس کو لذت کا چھوڑنا آج دشوار ہو رہا ہے تو بھلا کل کو جبکہ شہوت کی لذت اور مضبوط ہو جائے گی تو نفس سے کیونکر چھوٹ سکے گی اس کی مثال تو ایسی ہو گی جیسے تم کو کسی درخت کے اکھاڑنے کا حکم ہو جائے اور تم یوں کہو کہ جناب اس سال تو نہیں ہاں اگلے سال اکھاڑ دوں گا۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ درخت کی جڑ دن بدن مضبوط ہو گی اور تمہاری قوت روز بروز گھٹے گی اور ضعف بڑھے گا پس جب درخت کو آج نہیں اکھاڑ سکتے تو اس کو آئندہ سال کسطرح اکھاڑ سکو گے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ نفس نے حق تعالیٰ کے عفو و کرم کا آرزومند بنا رکھا ہے اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میاں خدا کو ہمارے گناہوں کی پرواہ ہی کیا ہے وہ بڑا غفور رحیم ہے

تیسری وجہ کاہلی اور اس کا علاج

چوتھی وجہ غرور اور اس کا علاج

سارے گناہ بخش دے گا خوب یاد رکھو کہ یہ نفس کی مکاری اور حیلہ جوئی ہے کہ شیطان نے اس ڈھرہ پر چڑھا کر اپنا کام بنا لیا۔ اور اس گھمنڈ کو اپنی کار برآری کا آلہ گردان لیا ہے۔

حدیثؔ[1] میں آیا ہے کہ عقلمند وہی ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع بنا لیا اور مرنے کے بعد کام آنے والا ذخیرہ جمع کیا اور احمق ہے وہ شخص جس نے خواہشات کا اتباع کیا اور پھر خدا سے عفو وکرم کا آرزومند رہا

پانچواں سبب یہ ہے کہ معاذ اللہ قیامت کے ہونے اور معاملۂ آخرت کے پیش آنے میں شک یا شبہ ہے اس کا علاج اخلاق ذمیمہ کے خاتمہ میں بیان ہو چکا ہے وہاں دیکھو اور اس کے موافق عمل کرو

فصل :- یوں تو گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے مگر کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنا تو نہایت ہی ضروری ہے بلکہ صغیرہ گناہ بھی اصرار کرنے سے کبیرہ ہوجاتا ہے۔ بلکہ صغیرہ گناہ جب بار بار کیا جاتا ہے تو ایک مرتبہ کسی کبیرہ گناہ کر لینے کی بہ نسبت قلب کو زیادہ سیاہ کر دیتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سخت پتھر پر ایک ایک قطرہ کا بار بار متواتر ٹپکنا اور یک بارگی موسلا دھار بارش کا برس جانا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک قطرہ باوجودیکہ حقیر اور بہت ہی بے وقعت چیز ہے مگر بار بار پڑنے کی وجہ سے ایک نہ ایک دن پتھر میں بھی سوراخ کر دے گا۔ برخلاف موسلا دھار مینہ کے کہ اگرچہ وہ کئی لاکھ قطروں کا مجموعہ ہے مگر یکبارگی برسنے سے اس کا وہ اثر نہ ہوگا جو ایک قطرہ نے آہستہ آہستہ کر دکھایا تھا اسی طرح چھوٹا گناہ آہستہ آہستہ قلب پر جو اثر کرتا ہے وہ کبیرہ گناہ کے یکبارگی اثر کی بہ نسبت بہت ہی اندیشہ ناک ہوتا ہے اور

قیامت میں شک اور اس کا علاج

صغیرہ گناہ بھی اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے

---

[1] احمد وترمذی وحاکم ۱۲

اور اس کی کئی وجہ ہیں

اول وجہ تو یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کی ذہن میں وقعت نہیں ہوتی اور اس کو معمولی گناہ سمجھ کر بے پرواہی کی جاتی ہے برخلاف کبیرہ گناہ کے کہ اس کی بڑائی کے سبب امید ہے کہ اس سے بچنے اور باز آجانے کی طرف توجہ ہو جائے اسی بنا پر ایک شیخ کا مقولہ ہے کہ جس گناہ کی بخشش نہ ہوگی وہ گناہ وہ ہے جس کو بندہ معمولی سمجھتا اور کہتا ہے کہ کاش سارے گناہ ایسے ہی ہوتے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو بسا اوقات انسان نعمت سمجھتا اور خوش ہوتا ہے چنانچہ لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے کہ "دیکھا میں نے اس کو کیونکر جواب دیا کیسا بدلہ لیا کیسی آبرو خاک میں ملا دی کیسا دھوکہ دیا" اور ظاہر ہے کہ گناہ پر خوش ہونا زیادہ مضرت رساں اور قلب کا سیاہ کرنے والا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اکثر حق تعالیٰ کی پردہ پوشی کو بہ نظر حقارت دیکھتا اور اپنی کرامت و بزرگی سمجھنے لگتا ہے یعنی خیال کرتا ہے کہ میں خدا کے نزدیک ذی مرتبہ شخص ہوں کہ میرے گناہ ظاہر نہیں ہوئے اور یہ خبر نہیں کہ خدا کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے تا کہ گناہ زیادہ ہو جائیں اور یک لخت دھر پکڑا جائے اور اسفل السافلین میں جھونک دیا جائے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو اس کے صغیر ہونے کی بنا پر لوگوں میں ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے حالانکہ حدیث[۲] میں آیا ہے کہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے مگر گناہوں کا اعلان و افشا کرنے والے لوگ نہ بخشے جائیں گے۔

---

[۱] سب سے نچلا طبقہ ۱۲ [۲] مضمون بخاری و مسلم ۱۲

پانچویں :- اگر کسی عالم یا صوفی یعنی مقتدا سے کوئی صغیرہ گناہ ہوتا ہے تو اس کا اثر اور بھی زیادہ برا پڑتا ہے کیونکہ عام لوگ اس کو دیکھ کر اس گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اسی طرح گناہ کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے گویا یہ صغیرہ گناہ اتنا دراز ہو جاتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس کی دیکھا دیکھی جن لوگوں نے بھی اس گناہ کو اختیار کیا ہے سب کا وبال اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باقی رہنے والا گناہ ختم ہو جانے والے گناہ سے بدتر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس گناہ کا لقا صغیرہ ہونے کی وجہ سے ہی ہوا ہے پس خوش قسمت ہے جو اپنے مرنے کے ساتھ اپنے گناہ بھی دنیا سے لے جائے۔

بنی اسرائیل کے ایک عالم نے جب اپنے گناہوں سے توبہ کی تو اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اس کے گناہ میرے اور ان کے درمیان ہی رہتے تو میں بخش دیتا مگر اس نے تو مقتدا بن کر میرے دوسرے بندوں کو بھی گناہوں میں مبتلا کیا اور جہنم میں داخل کرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر گناہ سے توبہ کرنا ہر فرد بشر پر ضروری ہے اور توبہ اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ دل میں خدا کا خوف ہو لہٰذا مناسب ہے کہ خوف کی فضیلت بیان کر دی جائے۔

خوف

حق تعالیٰ کا خوف جملہ نیک کاموں میں رغبت کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ خوف کرنے والوں کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے[۱] کہ کسی بندہ کو دو خوف نصیب نہ

---

[۱] ابن حبان صحیح ۱۲ ــ

یعنی جو بندہ دنیا میں خدا کا خوف رکھے گا وہ آخرت میں بےخوف ہوگا اور جو دنیا میں خدا سے نڈر رہا اس کو آخرت میں امن و اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ خوف کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ کسی آنے والی تکلیف کے اندیشہ سے دل دکھے اور سوزش پیدا ہو اور ظاہر ہے کہ جب تک حق تعالےٰ کی صفات جلالیہ کی معرفت حاصل نہ ہوگی اس وقت تک خوف پیدا نہ ہوگا اور جب یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا کہ خداوند تعالیٰ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز پر ایسا قادر ہے کہ دم بھر میں جو چاہے کرے کہ مخلوق میں کوئی شخص چوں بھی نہیں کر سکتا تو اس وقت خوف اور خشیت پیدا ہو جائے گی اگر خوف پیدا کرنا ہو تو حق تعالےٰ کے جلال اور اس کی بے نیازی پر نظر کرو اور سوچو کہ جنت موجود ہے اور اس میں جانے والی مخلوق بھی تجویز ہو چکی ہے اسی طرح دوزخ بھی موجود ہے اور اس کے لائق مخلوق بھی معین ہو چکی ہے اور سعادت و شقاوت خوش قسمتی و بدنصیبی کا قطعی حکم ہر شخص کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے جس میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور اس ازلی حکم کا کوئی رد کرنے والا نہیں پس اے نفس معلوم ہوا کہ تیرے حق میں کیا حکم صادر ہوا ہے اور تیرا خاتمہ کس حال میں ہونا لکھا ہے ممکن ہے تو جنت میں جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے لئے جہنم کی دائمی سزا تجویز ہو خوب یاد رکھو کہ انجام کے مخفی و پوشیدہ حال سے نڈر اور بےخوف وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو حقیقی معرفت حاصل نہ ہو لہٰذا مناسب ہے کہ ان کاملین اور خاصان خدا کے حالات پڑھا اور سنا کرو جن کو معرفت میں کمال حاصل ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیا و علماء و اہل بصیرت رحمہم اللہ تعالےٰ دیکھو ان حضرات کو باوجود کمال درجہ تقرب کے کس قدر خوف تھا۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کبھی جبرائیل امین میرے

لے عراقی کہتے ہیں کہ ثابت نہیں البتہ قیامت میں ایسا ہونے کی روایت کتاب العظمہ میں ابوشیخ کی ہے ۱۲

میرے پاس وحی لے کر آئے تو خدائے جبّار و قہار کے خوف سے لرزتے اور کانپتے ہوئے آئے

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب نماز کی حالت میں خوف کے سبب ایسا جوش

مارتا تھا جیسے چولہے پر ہانڈی کھولتی ہے اور جوش و خروش کی آواز ایک میل کی مسافت

سے سنائی دیا کرتی تھی حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن کامل سر بسجود گریہ کرتے

رہے یہاں تک کہ آنسوؤں کے سبب آس پاس کی زمین پر گھاس پیدا ہوگئی حضرت

ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک پرند کو مخاطب بنا کر یوں فرمایا کہ "اے کاش میں بھی تجھ جیسا پرند

ہی ہوتا کہ شریعت واحکام خداوندی کا مکلف نہ ہوتا یا کاش پیدا ہی نہ ہوتا" حضرت

ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ کاش میں درخت ہوتا کہ کاٹ لیا جاتا[1] "ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

فرماتی ہیں "کہ کاش میں بھولی بسری ہو جاتی" غرض خوب یاد رکھو کہ جن حضرات کو حق تعالیٰ

کی بے نیازی اور جلال کی معرفت حاصل ہے وہ ہرگز بھی بے خوف اور نڈر نہیں رہ سکتے

نڈر ہونا انہیں غفلت شعار امراء کا شیوہ ہے جن کی نہ اپنے خاتمہ پر نظر ہے اور نہ اصلاح

آخرت کی طرف توجہ، یہ غفلت کے پتلے اس بے خوف بچہ کی مثل ہیں جس کو زہریلے سانپ

سے بھی ڈر نہیں لگتا مگر بچہ دوسرے کے سمجھانے سے سمجھ تو جاتا ہے پس اے کاش جس طرح

ناسمجھ بچہ اپنے سمجھ دار باپ کو سانپ سے ڈرتا اور بچتا ہوا دیکھ کر خود بھی بھاگتا اور عقل

سیکھتا ہے اسی طرح غافل اور بے خبر مسلمان بھی اپنے محسن و مربی طبیبوں اور خاصان خدا

کی حالت خوف کو دیکھ کر حق تعالیٰ کی جانب دوڑتا ہے لہٰذا خوف اسی حد تک پسندیدہ

ہے جب تک کہ نیکوکاری کا آلہ بنے یعنی اتنا زیادہ نہ ہو کہ بیکار بنا دے اور مایوسی کی حد

تک پہنچا کر اعمال چھڑا دے ایسا حد سے زیادہ بڑھا ہوا خوف جس سے ناامیدی پیدا

ہو جائے شرعاً مذموم ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ایمان خوف اور امید کے بین بین ہے

---

[1] یہ اصل عربی کتاب میں نہیں ہے ۱۲

خوف کی زیادتی اور کمی دونوں مضر ہے

پس خوف کے ساتھ رجا یعنی امید بھی ضروری ہے البتہ گنہگار مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہیئے اور جب دیندار بن جائے تو دونوں کو مساوی درجہ پہ رکھے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہو کہ ساری مخلوق میں سے صرف ایک شخص جنت میں جائے گا تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا اور اگر یہ فرمان صادر ہو کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا تو مجھے خوف ہے کہ وہ شخص کہیں میں ہی نہ ہوں یہ حالت مساوات ہے جس میں خوف و رجا دونوں کے پلے برابر ہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جوانی و تندرستی کے زمانہ میں مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہیئے کیونکہ اس غلبۂ شہوت کے زمانہ میں شہوات نفسانیہ کے توڑنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے نفس کے بنانے کو خوف کے کوڑے کی ضرورت ہے اور بڑھاپے یا مرض کے زمانہ میں جب

جوانی میں خوف اور بڑھاپے میں رجا کا غلبہ

کہ موت قریب ہو تو رجا یعنی امید غالب رکھنی چاہیئے کیونکہ اول تو ضعف و نقاہت اور مرض کی وجہ سے کچھ ہوتا ہوتا نہیں اور اگر اس حالت میں خوف غالب ہوا تو جو کچھ ہو رہا ہے اتنا بھی نہ ہو سکے گا بالکل ہی ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے حدیث[1] میں آیا ہے کہ مسلمان کو مرتے وقت اپنے خدا کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ نیک گمان اسی وقت ہوگا جبکہ کچھ نیک اعمال بھی پاس ہوں کیونکہ انسان جب کاشت کے لئے زمین میں بیج ڈالتا ہے اور پانی دینے کے متعلق اپنی جیسی سعی سب کچھ کر لیتا ہے تو اسی وقت خدا کے فضل پر بھروسہ کرکے پیداوار اور بوئے ہوئے کے کاٹنے کی امید رکھ سکتا ہے اور جب بیج ہی نہیں ڈالا اور ایسی حالت میں اناج کی طلب و خواہش رکھی تو اس کو رجا و امید نہیں کہتے بلکہ تمنا اور ہوس کہتے ہیں اور تمنا و ہوس شیطانی دھوکہ ہے اس لئے خفتگانِ

---

[1] مسلم ۱۲

فرماتا ہے کہ جو بندے ایمان لائے اور ہجرت کر گئے اور فی سبیل اللہ جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اس سے معلوم ہوگیا کہ رجا اور امید سعی و کوشش کے بعد ہوا کرتی ہے جس طرح کاشتکار بونے جوتنے کی پوری محنت کر لینے کے بعد منتظر ہوتا ہے کہ اگر آسمانی آفت سے حفاظت ہوئی اور بجلی اولے آگ وغیرہ سے کھیت کو حق تعالیٰ نے بچائے رکھا تو امید ہے کہ جتنا بیج ڈالا ہے ایک ایک کے بدلے ستر ستر بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل ہوں گے اسی طرح مسلمانوں کو خدا کی طاعت میں پوری مشقت اٹھانے اور مجاہدہ ریاضت کرنے کے بعد امید رکھنی چاہیئے کہ اگر حق تعالے نے اپنے فضل سے میرے اعمال و افعال کو قبول فرمالیا تو ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر ملے گا خلاصہ یہ ہے کہ خوفِ عذاب کے باعث معاصی اور خدا کی نافرمانیوں سے رکنا چاہیئے اور امید رحمت کے سبب نیکیوں میں رغبت پیدا ہوتی چاہیئے پس خوف کو اسی وقت معتبر سمجھو کہ وہ تم کو معصیت سے روکے اور گناہ کی جرائت نہ ہونے دے اور اگر یہ حاصل نہ ہو تو وہ خوف نہیں ہے بلکہ عورتوں جیسی رقتِ قلبی اور وہم و خیال ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں اور چونکہ خوف جب کمال پر پہنچتا ہے تو دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام زہد ہے اس لئے مناسب ہے کہ کچھ زہد کا بیان کر دیا جائے ۔

زہد

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمدؐ اس مال و جاہ کی جانب نظر اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے کافروں کو دنیا کی تازگی کی جنس سے دے رکھا ہے اس سے مقصود ان کو فتنہ میں ڈالے رکھنا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی عطا بہتر اور زیادہ پائدار ہے اور

قارون ملعون کے قصہ میں ارشاد ہے کہ قارون بن سنور کر ٹھاٹھ کے ساتھ جلوس میں نکلا اور بعض لوگوں کو یہ تزک و احتشام دیکھ کر حرص ہوئی تو جن لوگوں کو علم عطا ہوا تھا وہ کہنے لگے کہ افسوس تم اس ناپائیدار چیز کی حرص کرتے ہو دیکھو حق تعالیٰ کا ثواب سب سے بہتر چیز ہے۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ زہد علم کا ثمرہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح اٹھتے ہی دنیا کے غم میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ اس کا دل پریشان کر دیتا ہے اور ملتا اسی قدر ہے کہ جتنا اس کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور جو شخص صبح اٹھتے ہی آخرت میں لگ جاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کا قلب مطمئن رکھتا ہے اور اس کی دنیا کی خود حفاظت و کفالت فرماتا ہے اس نیک بندے کا دل غنی کر دیتا ہے اور اتنی دنیا مرحمت فرماتا ہے کہ یہ منہ پھیر لیتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے پیچھے بھاگی چلی آتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ جس کو ہدایت دینی چاہتا ہے اس کا شرح صدر کر دیتا ہے اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی ہے کہ اس کے قلب میں ایک نور سا داخل فرما دیتا ہے جس سے اس کا سینہ منشرح ہو جاتا ہے صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اس کی شناخت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبتی اور دین کی جانب توجہ اور موت سے پہلے موت کا انتظام کرنا شرح صدر کی خاص پہچان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کو حق تعالیٰ زاہد بناتا ہے اس کے قلب میں حکمت القا فرماتا ہے اور دنیا کی بیماری و علاج سے آگاہ کر دیتا ہے اور اس جہان فانی سے بے لوث باہر نکال کر دار السلام میں پہنچا دیتا ہے اس کے بعد صحابہ سے فرمایا کہ صاحبو! حق تعالیٰ سے حیا کرو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حیا تو کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جہاں رہنا

زہد علم کا ثمرہ ہے

شرح صدر کی علامت

لہ ترمذی۔ ضعیف و ابن ماجہ بسند جید ۱۲ کہ ابن مبارک و ابن ابی شیبہ ۱۲ کہ ابن ابی الدنیا مضمون بہت حدیثوں میں ہے ۱۲۔

نہیں ہے وہاں مکانات بناتے ہو اور جو کھا نہیں سکتے وہ جمع کرتے ہو یاد رکھو کہ بندہ کا ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب کہ گوشۂ گمنامی میں پڑے رہنے کو شہرت سے زیادہ پسند کرے اور دنیا کے متعلق ہر شئے کی قلت کو اس کی اکثریت سے زیادہ محبوب سمجھے خوب سمجھ لو کہ جب انسان دنیا میں زاہد بنتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور جب وہ خالق کا محبوب بن جاتا ہے تو مخلوق کی نظروں میں بھی محبوب ہو جاتا ہے۔

زہد کی حقیقت اور اس کا ثمرہ

حقیقی زہد یہ ہے کہ انسان دنیا کے مال و متاع کی جانب التفات نہ کرے اور باوجود اس کے حاصل کرنے کی قدرت کے پھر اس کی جانب متوجہ نہ ہو اور زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کے جملہ ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہیں اور آخرت ہی بہتر اور پائدار ہے جس وقت یہ نور حاصل ہوتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی قلب میں ایک پھٹے پرانے چیتھڑے کی وقعت ہوا کرتی ہے اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت و کفالت دنیا پر قناعت حاصل ہو جائے پس زاہد اسی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے اور وہ ضروری سامان جس کی ہر شخص کو احتیاج ہے یا طعام ہے یا لباس یا اثاث البیت اور ہر ایک میں زہد کے مراتب اور مدارج ہیں جن کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

طعام کی مدت کے اعتبار سے زہد کے مراتب

طعام کی ضرورت رفع کرنے میں زہد تین اعتبار سے ہوتا ہے یعنی مدت اور مقدار اور جنس پس مدت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا زہد تو یہ ہے کہ صرف ایک وقت کے کھانے پر قناعت کرے یعنی اگر صبح کو بھوک رفع ہو جائے تو شام کے لئے کچھ پاس نہ ہو اور شام کو پیٹ بھر جائے تو صبح کے لئے کچھ ذخیرہ نہ ہو اور اوسط درجہ یہ ہے کہ مہینہ بھر یا چالیس

دن کی خوراک مہیا ہو اس سے زیادہ کی پرواہ نہ ہو اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف سال بھر کا ذخیرہ جمع کر لیا جائے اور سال سے زیادہ کا سامان جمع کرنا تو زہد سے بالکل خارج ہے البتہ اگر کسی قسم کا ذریعہ کسب اور تحصیل معاش کے لئے دنیا کا کوئی مشغلہ نہ ہو تو سال سے زیادہ کا ذخیرہ جمع کر لینا بھی زہد کے منافی نہیں ہے چنانچہ شیخ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیس درہم تھے جس پر شیخ نے کامل بیس سال قناعت کی تھی۔ چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اس لئے بیس سال کا ذخیرہ جمع رکھنا زہد کے خلاف نہ ہوا۔ طعام میں مقدار کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کی مقدار جس کو زہد کا اعلیٰ درجہ کہنا چاہیئے نصف رطل یعنی پاؤ سیر اناج ہے اور اوسط درجہ کی مقدار آدھ سیر اور اعلیٰ مقدار جو زہد کا ادنیٰ درجہ ہے سیر بھر غلہ ہے پس جس نے اس سے زیادہ مقدار کھائی تو سمجھو کہ زہد کے خلاف کیا۔

جنس کی حیثیت سے اعلیٰ درجہ کا زہد اس جنس کے کھانے پر قناعت ہے جس میں غذائیت پائی جائے اگرچہ اناج کی بھوسی ہی کیوں نہ ہو اور اوسط درجہ جو کی روٹی ہے اور ادنیٰ درجہ گیہوں کے بے چھنے آٹے کی روٹی کا کھانا ہے اگر آٹا چھان لیا تو اس کا نام زہد نہیں بلکہ تنعم اور تلذذ ہے اور ترکاری میں اقل درجہ کی ترکاری جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے سرکہ اور سبزی اور نمک کا استعمال ہے اور اوسط درجہ چکنائی کا استعمال کرنا ہے اور اعلیٰ درجہ کی ترکاری جو زہد کا سب سے نیچے کا درجہ ہے گوشت کھانا ہے بشرطیکہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو مرتبہ ہو اور اگر ہمیشہ گوشت کھانے کی عادت ہو گئی تب تو زہد سے بالکل باہر ہو گیا دیکھو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چالیس دن گذر جاتے تھے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ میں آگ بھی نہیں سلگتی تھی۔[1]

حاشیہ: مقدار کے اعتبار سے درجاتِ زہد

حاشیہ: جنس کے اعتبار سے درجاتِ زہد

---

[1] ابن ماجہ [2] مضمون تقریباً بخاری و مسلم ۱۲

معتبر ذریعہ سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیب سے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا کبھی تین دن بھی گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی[1]

صلی علی حبیبک وصفیک بقدر زھدہ وکمالہ[2]

لباس میں اعلیٰ درجہ کا زہد یہ ہے کہ صرف اتنے کپڑے پر قناعت کرے جس سے ستر چھپ جائے اور سردی گرمی رفع ہو سکے اور ادنیٰ درجہ کا زہد یعنی اعلیٰ درجہ کا لباس یہ ہے کہ کسی کھردرے کپڑے کا کرتہ پاجامہ اور ایک رومال رکھے پس اگر دو کرتے بھی پاس ہونگے تو زہد ہاتھ سے جاتا رہے گا زہد میں کم سے کم یہ ضرور ہونا چاہیئے کہ اگر پہنے ہوئے کپڑوں کے دھونے کی ضرورت پیش آئے تو دوسرا جوڑہ پاس نہ نکلے بلکہ رومال باندھ کر دھولے اور پھر ان کو پہن لے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے صوف کی ایک چادر اور ایک موٹا کرتہ نکال کر مجھ کو دکھایا اور فرمایا کہ ان دو کپڑوں میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین کا ایک نیا جوڑا پہنا اور پسند آیا تو فوراً سجدہ میں گر پڑے اور فرمایا مجھے یہ نعلین اچھی معلوم ہوئیں اور اندیشہ ہوا کہ حق تعالے ناراض نہ ہو جائے اس لئے میں تواضعاً سربسجود ہوگیا یہ فرما کر آپؐ باہر تشریف لائے اور جو مسکین سب سے پہلے نظر پڑا اس کو مرحمت فرما دیا حضرت عمر فاروقؓ کی قمیض میں بارہ پیوند لگ گئے تھے جس میں بعض چمڑے کے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مقتدا پر ضروری ہے کہ ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کا سا لباس پہنے تاکہ امراء اور اہل مال اس کا اقتدا کریں اور فقراء و نادار اپنے کو بنظر حقارت نہ دیکھیں۔ مسکن میں ادنیٰ درجہ کا مسکن جو زہد کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مسافرخانہ یا مسجد

---

[1] الٰہی اپنے حبیب اور مصطفےٰ پر ان کے زہد اور کمال کو بقدر رحمت نازل فرما ۱۲[2] بخاری ومسلم میں صحابی کا نام ابوبردہ اصل میں بھی ہے احیاء العلوم میں اور حدیثوں میں ہے سہواً ابوہریرہ لکھ دیا ہے

کے حجرہ میں زندگی گذار دے اور اعلیٰ درجہ کا مسکن یہ ہے کہ سکونت کے لئے کوئی خاص جگہ تجویز کرے یعنی بقدر ضرورت ایک حجرہ خواہ خرید لے یا کرایہ پر لے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ اس میں وسعت نہ ہو اور نہ اس کی اونچی اونچی دیواریں ہوں نہ قلعی چونہ ہو نہ کہگل یا استر کاری مکانات میں رہائش تو زہد سے خارج ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم مکان میں چونہ استر کاری کر رہے تھے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ "میاں وقت تو اس سے پہلے برابر ہو جانے والا ہے" مطلب یہ تھا کہ انسان کو ناپائدار زندگی گذارنے کے استحکام و پائداری کی کیا ضرورت ہے موت آجائے گی اور یہیں دھرا رہ جائے گا حضرت نوح علیہ السلام نے رہائش کے لئے پھونس کا ایک جھونپڑا بنا رکھا تھا۔ اسی میں ایام گذاری فرماتے تھے لوگوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ ایک گھر بنا لیجیے تاکہ آرام ملے آپ نے فرمایا میاں مرنے والے کے لئے تو یہ پھونس کا گھر بھی بہت ہے حدیث میں آیا ہے کہ ضرورت سے زیادہ جو شخص مکان بنائے گا قیامت کے دن اس کو تکلیف دی جائے گی کہ اس مکان کو سر پر اٹھائے پس اب تم خوب سمجھ لو کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور کس مقدار و حیثیت کے مکان سے رفع ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ جس حد تک گرمی و سردی رفع ہو وہ تو ضرورت میں داخل ہے اور اس سے زیادہ سجاوٹ یا وسعت تو عبث و بیکار اور آخرت کے لئے مخدوش و خطرناک ہی ہے۔

اثاث البیت میں کئی درجے ہیں۔ ادنیٰ درجہ کا سامان جس کو زہد کا اعلیٰ درجہ ہونا چاہیے وہ ہے جو عیسیٰ روح اللہ علیہ وعلی نبینا والسلام کا حال تھا کہ ایک کنگھا اور ایک آبخورہ پاس تھا۔ یہی اثاث البیت تھا اور یہی سفر و حضر کا سامان۔ ایک بار چلے جا رہے

ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ صحیح ۱۲۔ گھر کا سامان

مکان کے متعلق زہد کے درجے

تھے کہ ایک شخص نظر پڑا جو انگلیوں سے کنگھے کا کام لے رہا تھا۔ اور بال درست کر رہا تھا یہ دیکھ کر حضرت روح اللہ نے کنگھا پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ تو ضرورت سے زائد چیز نکلی اب آبخورہ رہ گیا اس کو لے کر آگے چلے تو ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ کے چلو سے پانی پی رہا ہے پس آبخورہ بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ خدا کے عطا کیے ہوئے بدن ہی کے عضو سے جو کام نکل آئے اس کے لیے دوسرا انتظام کرنا امر فضول ہے اوسط درجہ یہ ہے کہ معمولی اور خسیس برتن رکھے اور وہ بھی ہر قسم کی ضرورت کے لیے ایک تعداد سے زائد نہ ہو اور اس میں بھی یہ لحاظ رہے کہ جہاں تک ہو سکے کئی کئی ضرورتیں ایک ہی برتن میں رفع ہو جائیں چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے شہر حمص کے حاکم حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیوں صاحب تمہارے گھر میں دنیا کی ضرورتوں کے لیے کیا کیا اسباب ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ایک لاٹھی ہے کہ اس سے تکیہ[1] کا کام لے کر سہارا لگا لیتا ہوں اور اسی سے موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ کو مار دیتا ہوں اور ایک تھیلا ہے جس میں کھانا رکھ لیتا ہوں اور اسی میں بقدر ضرورت سر اور کپڑا دھو لیتا ہوں اور برتن ہے جس میں اتنا پانی آجاتا ہے جو پینے اور وضو کرنے کے لیے کافی ہو جاتا ہے پس یہ چار عدد چیزیں میرے پاس موجود ہیں اور ساری ضرورتیں الٹ پھیر کر اسی میں پوری ہو جاتی ہیں حضرت فاروقؓ یہ فرما کر سچ کہتے ہو، خاموش ہو رہے۔ تم نے سنا ہو گا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک جس پر استراحت فرماتے تھے ایک تو چرمی تکیہ تھا جس میں لیف کھاس بھری ہوئی تھی اور ایک کمبل تھا۔ غرض زاہدوں کے یہ حالات ہیں جو نمونہ کے طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اگر اس مرتبہ کمال حاصل کرنے سے خدانخواستہ محروم رہو تو کیا اس سے بھی گئے گزرے ہو کہ اس

---

[1] سہارا ۱۲۔

[حاشیہ: زیادتی استعمال کی چیزوں سے بچ کر اسباب کی کمی کا دھیان رکھو ...]

محرومیت پر افسوس ہی کرو تاکہ زہد کی قلب میں محبت اور اس کے حصول کی خواہش تو باقی رہے نیز اس کا ہمیشہ خیال رکھو کہ لذت پسند نہ اور متنعم[1] امرا کے قرب کی نسبت اللہ کے زاہد بندوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا پسند کرو اور جہاں تک بھی ہو سکے زاہدوں کے شکل بننے اور بلند درجہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہو

زہد کے درجے

فصل :- زہد کے کئی درجے ہیں ایک تو یہ کہ نفس دنیا کی طرف مائل ہو مگر اس کو جبراً بے التفات بنایا جائے اور دنیا حاصل کرنے سے زبردستی روکا جائے اس حالت کو زہد کہنا تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اگر تزہد[2] کہا جائے اور زہد کی ابتدا سمجھا جائے تو مناسب ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ نفس دنیا سے اتنا متنفر ہو کہ اس طرف مائل ہی نہ ہو اور سمجھ جائے کہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا یکجا ہونا چونکہ ناممکن ہے اس لئے آخرت کی لذتوں کے حاصل کرنے میں دنیا کے مال و متاع پر اس طرح خاک ڈال دینی چاہیے جس طرح کسی بیش بہا جوہر کے خریدنے میں چند روپے کو خرچ کرنے میں دریغ نہیں ہوتا بلکہ روپیہ دے کر نہایت خوشی سے جوہر لے لیا جاتا ہے ایسے ہی دنیا کا ساز و سامان چھوڑ کر بڑی مسرت کے ساتھ آخرت کی نعمتیں حاصل کر لی جائیں اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کا عدم اور وجود برابر ہو جائے اور یہ خیال رہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہے وہ حق تعالٰی کے بے شمار خزانوں کے بحر ذخار اور دریائے ناپیدا کنار کا ایک قطرہ ہے پس اگر مل جائے تو کچھ مسرت نہیں اور اگر نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھ سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہیں اس درجہ میں نہ تو دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سے متنفر ہوتا ہے اور یہی زہد کے کمال کا درجہ ہے کیونکہ تنفر بھی ایک قسم کی توجہ ہے اور اس شے کے باوقعت ہونے کی علامت ہے اس لئے کہ جس

---

[1] ذی ثروت ۱۲ [2] اظہار زہد ۱۲۔

شئے کی وقعت ذہن سے نکل جایا کرتی ہے اس کی دونوں جانبیں یعنی تنفر اور توجہ برابر ہو جایا کرتی ہیں ایک مرتبہ حضرت رابعہ عدویہ کی مجلس میں لوگوں نے دنیا کی مذمت بیان کرنی شروع کی تو آپ نے فرمایا کہ دنیا کی قدر و منزلت تمہارے دلوں میں ہے جب ہی تم اس کی مذمت کر رہے ہو بھلا ایک ذلیل اور بے قدر شئے کی بھی کوئی مذمت کیا کرتا ہے خوب یاد رکھو کہ جب دنیا کی وقعت قلب سے جاتی رہتی ہے تو رغبت اور نفرت دونوں سے انسان خالی الذہن ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ درہم آئے اور آپ نے ان سے نفرت نہیں کی بلکہ لے لیا اور اسی دن مساکین پر تقسیم فرما کر خرچ کر دیا آپ کی خادمہ نے عرض کی کہ اے ام المومنین ایک درہم کا گوشت تو خرید لیتیں جس سے آپ آج روزہ افطار فرمالیتیں آپ نے جواب دیا کہ اگر پہلے یاد دلاتیں تو یہ بھی کر لیتے اب تو کچھ باقی نہیں رہا یہ درجہ غنا کہلاتا ہے پس ناعاقبت اندیش جاہل صوفی دھوکا کھاتے اور اپنے مال کی زیادتی و حرص کو غنا کا درجہ سمجھ جاتے ہیں۔ یعنی خیال کرتے ہیں کہ چونکہ ہمارے قلب کو دنیا سے علاقہ نہیں رہا اس لئے ہمیں یہ مال و متاع کی کثرت مضر نہیں حالانکہ ان کا یہ خیال شیطانی دھوکا ہے امتحان کرنے سے اس کی کھوٹ معلوم ہو جائے گی مثلاً اگر سارا مال یک لخت چوری ہو جائے تو دیکھو ان کا کیا حال ہوتا ہے اگر اپنا مال چوری جانے کا اسی قدر اثر ہو جتنا کسی اجنبی کا مال چوری جانے سے ہوتا ہے تب تو سمجھو کہ بے شک ان کے قلب کو مال سے محبت نہیں ہے اور ان کے نزدیک مال کا رہنا اور چلا جانا دونوں برابر ہیں ورنہ قلب کی چوری پکڑی گئی غرض زہد کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ زہد سے بھی زہد حاصل ہو جائے یعنی دنیا کی جانب سے بے التفاتی

غنا کا درجہ

زہد سے بھی زہد اعلیٰ درجہ ہے

۱؎ اتنی بے رغبتی کہ اس کا بھی خیال نہ آئے کہ دنیا سے بے رغبتی اور زہد کیا ہے ۔۱۲

کو بھی رغبت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ یوں سمجھے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی ہو جس کا چھوڑنا ہمت و
بہادری سمجھا جائے یا مسرت کی نظر سے دیکھا جائے اس کی تو اہل بصیرت کے نزدیک
اتنی بھی قدر نہیں ہے جتنی کسی بڑے بادشاہ کے نزدیک ایک پیسے کی قدر ہوا کرتی ہے اس
بے حیثیت دنیا کو چھوڑ کر یہ سمجھنا کہ ہم نے کچھ چھوڑ دیا حقیقت میں اس کا درجہ اس کی حیثیت
سے بڑھانا ہے اس کی مثال تو ایسی سمجھو جیسے کوئی شخص شاہی دربار میں داخل ہونا چاہے
اور اس کو دروازے پر بیٹھا ہوا کتا داخلہ سے روک رہا ہو۔ پس اس کے سامنے ایک روٹی
کا ٹکڑا ڈال دے تاکہ اس کے کھانے میں لگ جائے اور یہ اپنے مطلوب کے دربار میں داخل
ہو جائے اسی طرح شیطان حق تعالےٰ کے دروازے کا کتا ہے جو سالک کو مطلوب تک
پہنچنے سے روک رہا ہو اور ساری دنیا روٹی کے ایک ٹکڑے سے بھی زیادہ بے وقعت
ہے جس کو اس کے سامنے ڈال کر سالک نے اپنے مطلوب تک پہنچنے کا راستہ صاف کر
لیا ہے پس تم ہی سوچو کہ شاہی دربار کی حاضری کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے جو کتے کو روٹی
کا ٹکڑا ڈالا گیا ہے نہ اس کے ذہن میں وقعت ہوگی اور نہ اس کو کوئی قابل ذکر و خیال
امر سمجھا جائے گا۔ بلکہ روٹی کے ٹکڑے اور دنیوی بادشاہ میں تو کچھ مناسبت معلوم ہوتی
ہے کہ دونوں ایک دن فنا ہونے والے ہیں پس فانی شئے کا ہاتھ سے کھودینا جب
وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تو دنیا اور آخرت میں تو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے
اس لئے کہ اگر دنیا لاکھوں بھی ہونگی تو وہ بھی ایک دن فنا ہو جائے گی پس آخرت کی
جاوید نعمتوں اور اس پائدار ملک کی دائمی سلطنت حاصل کرنے کے لیے اگر دنیا کو ہاتھ
سے چھوڑا جائے اور شیطان کے حوالے کر دیا جائے تو اس کا خیال اور ذکر ہی کرنا فضول
ہے۔ زہد کے اسباب متعدد ہیں کیونکہ کبھی تو دوزخ کا خوف اور عذاب کا اندیشہ

زہد کا سبب بن جاتا ہے اور اس زہد کو تو خائفین کا زہد کہتے ہیں اور یہ سالکین طریقت کے نزدیک ادنیٰ درجہ ہے اور کبھی اخروی نعمتوں اور لذتوں کی رغبت کا باعث ہو جاتی ہے اور اس کو راجیین کا زہد کہتے ہیں۔ اور یہ درجہ پہلے درجے سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ رجا یعنی امید محبت کو مقتضی ہے اور محبت کی فضیلت تم کو معلوم ہو چکی ہے اور تیسرا درجہ جو سب میں اعلیٰ ہے وہ یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ کی جانب سے بے توجہی اور نفس کا غیر اللہ کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دینا زہد کا باعث ہو اس کو حقیقی زہد کہتے ہیں کیونکہ پہلے دونوں درجوں کے زہد تو ایسے ہیں کہ جیسے کسی نافع سودے کی خرید و فروخت ہوتی ہے کہ ایک حقیر چیز کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس کی وجہ سے تکلیف دینے والی روح فرسا مصیبت دفع ہو جائے یا کئی گنا بہتر اور نافع چیز ہاتھ آجائے اور اس درجہ میں ماسویٰ اللہ کی جانب التفات کرنے ہی کو فضول سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ کوئی چیز ہی نہیں ہے پس اس درجہ میں حق تعالیٰ کے سوا جو چیز بھی ہو خواہ مال ہو یا جاہ اور کوئی ایسی شئے جس سے عموماً لذت حاصل ہوا کرتی ہے سب ہی سے زہد حاصل ہوتا ہے اور بعض سے نہیں ہوتا اور یہی وجہ ان درجوں کے ضعیف ہونے کی ہے کیونکہ انسان کو جاہ کی محبت مال کی بہ نسبت زیادہ ہوا کرتی ہے اور جس کی محبت زیادہ ہو اسی سے زہد حاصل ہونا قابل اہتمام و توجہ بھی ہے۔

زہد کا اعلیٰ درجہ ماسویٰ اللہ سے بے توجہی

فصل: زہد کے معنی یہ ہیں کہ باوجود دنیا حاصل کر سکنے کے دنیا سے ایسا بے التفات ہو جائے کہ دنیا اس کے بھاگے اور یہ اس سے دامن چھڑائے اور اگر معاملہ برعکس ہو کہ یہ دنیا کو حاصل کرنا چاہے مگر دنیا اس کے ہاتھ نہ آئے تو اس کو زہد نہیں کہتے بلکہ اس کا نام فقر ہے اور فقر کا درجہ زہد کے برابر نہیں ہے ہاں فقر کو تونگری پر فضیلت ضرور ہے

زہد اور فقر کا فرق

کیونکہ تونگری میں دنیا کی لذتوں سے دل لبستگی ہو جاتی ہے اس لئے مرتے وقت ان مرغوبات کے چھوڑنے سے حسرت ہوا کرتی ہے اور دنیا گویا جنت معلوم ہوتی ہے اور آخرت قید خانہ۔ برخلاف فقر کے اس حالت میں لذتوں سے اگرچہ جبراً و قہراً باز رکھا گیا ہے تاہم چونکہ کسی چیز کا ذائقہ اور مزا کبھی منہ کو نہیں لگتا اس لئے مرتے وقت کسی چیز کی محبت میں دل نہ اٹکائے گا بلکہ دنیا کو دار آلام اور تنگدستی کا گھر سمجھے گا اور آخرت آزادی اور خوش عیشی کا گھر اور جنت معلوم ہوگی پس اس میں شک نہیں کہ فقر بھی اللہ کی بڑی نعمت اور سعادت اُخروی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[1] ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے نیک بندے کو دنیا سے ایسا بچاتا ہے جیسے تم اپنے عزیز بیمار کو کھانے پینے کا پرہیز کراتے ہو۔ میری امت کے فقراء جنت میں امراء سے پانچ سو برس پہلے داخل ہو جائیں گے۔ جس کسی فقیر کو دیکھا کرو خوش ہو جایا کرو اور کہا کرو کہ مرحبا صالحین کے طریقے مرحبا۔ حضرت موسیٰ نے ایک بار عرض کیا تھا۔ کہ بار الہا آپ کو کون بندے محبوب ہیں؟ بتلا دیجئے! تاکہ میں ان سے محبت کروں ارشاد ہوا کہ فقیر جن کو لوگ پاس بھی کھڑا نہ ہونے دیں یاد رکھو کہ اگر فقیر اپنی حالت پر قانع ہو اور طلب مال کا زیادہ حریص نہ ہو تو اس کا درجہ زاہد کے قریب قریب ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[2] ہیں کہ مبارک ہو اس کو جسے اسلام کی ہدایت ہوئی اور بقدر کفایت معاش ملی اور وہ اس پر قانع ہوا قانع فقیر خدا کو بہت پسند ہے حضرت اسماعیل پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اے اسماعیل مجھے شکستہ دل لوگوں کے پاس ڈھونڈا کرو۔ حضرت اسماعیل نے دریافت کیا کہ بار الہا وہ کون لوگ ہیں ارشاد ہوا کہ "صابر فقیر"

---

[1] حاکم صحیح ۱۲ [2] ابن المبارک و ترمذی صحیح ۱۲۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر فقر کے ساتھ قناعت اور صبر در ضا بھی ہو تو نورٌ علیٰ نور اور اس کا ثواب بہت ہی زیادہ ہے اور چونکہ زہد کی ابتدا فقر پر صبر کرنا ہی ہے اس لیے صبر کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

صبر

حق تعالےٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے اتنی صفات جمع فرمائی ہیں جو دوسروں کے لیے جمع نہیں فرمائیں چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ "صبر کیا کرو" اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے صبر کرنے والوں پر ان کے پروردگار کی رحمتیں ہیں اور مہربانی اور وہی راہ یاب ہیں صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے شمار دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ کلام مجید میں کچھ اوپر ستر جگہ صبر کا ذکر ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صبر نصف ایمان ہے اور جنت کے خزانوں کا ایک خزانہ ہے جس شخص کو یہ خصلت مرحمت ہوئی وہ بڑا سعادت نصیب ہے اس کا درجہ شب بیدار اور صائم الدہر سے افضل ہے صبر کے حقیقی معنی ہوائے نفس کے مقابلہ میں خدا کے حکم پر مستقل اور ثابت قدم رہنے کے ہیں کہ یہ صرف انسان ہی کو حاصل ہو سکتا ہے اس لیے کہ اس پر دو مخالف لشکر مسلط اور حملہ آور ہیں جن میں ایک خدائی لشکر یعنی فرشتوں اور عقل و شریعت کا لشکر ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ انسان کو اپنے قابو میں لائیں اور ہدایت پر قائم رکھیں اور دوسرا شیطانی لشکر یعنی غیظ و غضب اور نفس کی خواہشوں اور اس کے اسباب کا لشکر ہے جو چاہتا ہے کہ انسان کو اپنے قبضہ میں رکھے اور پابند ہوا و حرص بنائے ۔

۱؎ ابونعیم صحیح ۱۲ ۔ ۲؎ کنوز الحقائق ۳؎ عراقی کہتے ہیں کہ ملی نہیں ۱۲

انسان کو بالغ ہوکر دونوں میں امتیاز کرنا اور شیطانی گروہ سے جنگ وجدل کرنا ہے پس اگر عقل کو غلبہ ہوا کہ دین اسلام اور شرع محمدیہ پر استقلال نصیب ہوا تو صبر کا مرتبہ اس کو حاصل ہوگیا اور چونکہ بہائم میں صرف شہوات و خواہشات کا مادہ ہے عقل و دین کا شعور نہیں ہے اور فرشتوں میں صرف قرب خداوندی کی استعداد پیدا کی گئی ہے وہ شہوات نفسانی اور غیظ و غضب سے بالکل منزہ ہیں کہ ہر وقت تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں اور جانتے ہی نہیں کہ شہوت کیا چیز ہے لہٰذا صبر کا مرتبہ ان دونوں میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا اور انسانوں میں چونکہ متضاد صفتیں موجود ہیں یعنی خواہشات نفسانیہ بھی ہیں اور بھلا برا سمجھنے کا شعور اور عقل و فطرت سلیمہ بھی موجود ہے پس ایک کو مغلوب اور دوسرے کو غالب کرنا جس کا نام صبر ہے انسان ہی کیلئے مخصوص ہے یاد رکھو جب یہ دونوں حالتیں اپنا اپنا رنگ جمانا چاہتی ہیں تو اس وقت انسان کو عقل سے کام لینے اور انجام سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ دین کو غالب رکھ کر مقام صبر پر پہنچے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مریض کو تلخ دوا دی جاتی ہے تو طالب لذت ذائقہ اور مزہ تو چاہتا ہے کہ اس کو پاس نہ آنے دے اور عقل چاہتی ہے کہ اگرچہ اس کی تلخی ناگوار گذرے گی مگر آنکھیں بند کر کے جبراً و قہراً پی لی جائے تاکہ شفا جلد حاصل ہو پس اگر عقل کو غلبہ ہوگا تو بیشک دوا کی تلخی پر صبر کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دینی مقابلہ میں عقل اور فطرت سلیمہ کو غلبہ ہوگا تو ضرور ہے کہ ریاضت اور مجاہدہ کی دشواریوں کو برداشت کیا جائے گا اور چونکہ ایمان نام ہے علم اور عمل کا اور عمل کی دو جانبیں ہیں جن میں بعض کا کرنا مقصود ہے اور بعض سے باز رہنا اسی طرح اخلاق و عادات میں

ل سبحان اللہ کہنا اور لا الٰہ الا اللہ کہنا۔

عادات محمودہ سے آراستہ ہونا ضروری ہے اور خصائل رذیلہ سے خالی اور پاک رہنا لازمی ہے اور یہ درجہ بغیر صبر کے حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو آدھا ایمان فرمایا ہے[1] اور صبر چونکہ کبھی شہوت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی غصہ کے مقابلہ میں اور روزہ شہوت کو توڑنے کا نام ہے لہٰذا روزہ نصف صبر ارشاد فرمایا ہے[2]

صبر کا اعلیٰ درجہ

یاد رکھو کہ صبر کے تین درجے ہیں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ شہوت اور ہوائے نفس کے مادہ ہی کا قلع قمع ہو جائے کہ اس کو مقابلہ کی قدرت ہی نہ رہے اور دین پر ثبات و بقا نصیب ہو اور انہیں نفوس کو نفس مطمئنہ کے خطاب سے مخاطب بنا کر مرتے وقت بشارت دی جائے گی کہ اے نفس مطمئنہ چل اپنے پروردگار کی طرف کہ تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی، اور

صبر کا ادنیٰ درجہ

سب میں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہوائے نفسانی غالب آجائے اور قلب شیطانی لشکر کے حوالے ہو جائے ایسی خطرناک حالت والوں کو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا فرمان صادر ہو چکا ہے کہ میں تم سے جہنم بھروں گا" (اللہ پناہ میں رکھے) اس کی دو علامتیں ہیں ایک یہ کہ ایسا شخص کہا کرتا ہے کہ مجھے صبر کا شوق تو ہے مگر مجھ سے ہو نہیں سکتا اور اس لئے اب اس کی خواہش بھی نہیں رہی" یہ یاس اور ناامیدی کا درجہ ہے جو مہلک ہے اور جابری کی امید نہیں دوسری صورت یہ ہے کہ توبہ کا شوق بھی نہ رہے اور کہنے لگے کہ اللہ رحیم و کریم ہے اسے میری توبہ کی کچھ پرواہ نہیں ہے اگر توبہ کے بغیر وہ مجھ کو جنت میں بھیج دیگا تو اس سے جنت جیسی وسیع جگہ تنگ نہیں ہو جائے گی اور خدا کی رحمت شاملہ میں کچھ کمی نہیں آجائے گی. یہ بیچارہ کم عقل متحیر ہے اس پابند ہوا و ہوس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مسلمان شخص کافروں کے ہاتھ میں قید ہو جائے اور کافر اس کو کبھی خنزیروں کے چرانے

---

[1] ابو نعیم صحیح ۱۲ - [2] ابن ماجہ صحیح ۱۲

اوران کے کھلانے پلانے کی خدمت سپرد کردیں اور کبھی اس کی گردن اور کمر پر شراب کے پیپے لدوا کر اپنے گھروں تک لے جائیں اور یہ اس ذلیل حالت کو ذلیل نہ سمجھے پھر بھلا اس کی نجات کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ تمہیں بتلاؤ کہ اگر بادشاہ کی کسی پیاری اولاد کو پکڑ کر کسی ذلیل دیے عزت غلام کے حوالہ کردیا جائے کہ وہ اس کو اپنا غلام بنائے پاؤں دلوائے اور جو چاہے خدمت لیا کرے تو اس بیچارے شہزادے کا کیا حال ہوگا اسی طرح اس غفلت شعار مسلمان کا حال ہے جس نے حق تعالےٰ کے تقرب پر دنیائے ادنیٰ کو ترجیح دی اور ہوائے نفسانی کا قیدی ہوگیا کہ توبہ اور توجہ[1] الی اللہ کا شوق بھی اس کے دل سے جاتا رہا (نعوذ باللہ من ہٰذا الحال الردی) متوسط درجہ یہ ہے کہ خدائی لشکر اور شیطانی گروہ میں جنگ و جدال قائم رہے کہ کبھی اس کا پلّہ بھاری ہوجائے اور کبھی اس کا پلّہ نہ اس کو کامل شکست ہو اور نہ اس کو کھلی ہوئی فتح پس اس قسم کے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ" یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اعمال صالح کو بدکاریوں میں خلط کر رکھا ہے امید ہے کہ حق تعالےٰ ان پر توجہ فرمائے" اس کی علامت یہ ہے کہ ضعیف خواہشوں کو ترک کرے اور زورآور شہوات کو نہ چھوڑ سکے اور کبھی خواہشات کو چھوڑ دے اور کبھی ان کے ہاتھوں عاجز آجائے مگر اپنے مغلوب ہونے پر حسرت و افسوس ضرور کرتا اور برابر اس کوشش میں لگا رہے کہ کسی طرح نفس پر قابو حاصل ہوجائے تو بہتر ہے اس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے اور اس میں اس کو دیکھنا چاہیے کہ کہاں تک فتح حاصل کرتا ہے اگر مغلوب رہا اور قوت عقل کو غلبہ نہ دے سکا تو بالکل جانور کے برابر ہے بلکہ اس سے بھی گیا گزرا ہوا کیونکہ اس میں تو عقل ہی نہیں اور اس میں باوجودیکہ عقل ہے مگر چوپایہ کی طرح اپنی خواہش نفس کو پورا کرنے میں معروف

صبر کا متوسط درجہ اور اس کی علامت

خوشحالی میں صبر کی ضرورت

---

[1] خدا کی طرف التفات ۱۲

ہے اور اگر غالب آ گیا تو کام بن گیا۔

فصل :۔ انسان تمام عمر ہر حالت میں صبر کا محتاج ہے کیونکہ دنیا میں دو ہی حالتیں ہیں یا اپنی مرضی کے موافق و یا مخالف و ناگوار پس اگر مرضی اور منشا ء کے موافق ہے مثلاً تندرستی تونگری، اولاد، عزت جاہ سب کچھ حاصل ہے تب تو صبر کی نہایت ضرورت ہے کیونکہ اگر نفس کی باگ نہ تھامے گا تو بہ سرکش شرارت کریگا تنعم و تلذذ میں بے باکانہ قدم رکھے گا۔ یعنی خواہشات کے پیچھے ہو لے گا اور ابتدا و انتہا سب بھول جائے گا اسی لیے صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم تنگی اور فقر کے فتنہ میں مبتلا ہوئے تو صابر نکلے مگر فراخی و وسعت کے فتنہ میں مبتلا ہوئے تو صبر نہ کر سکے اور فراخی میں صبر کرنے کے یہی معنی ہیں کہ قلب کا میلان اس دنیا کی متاع کی جانب نہ ہو بلکہ یہ سمجھے کہ جو کچھ بھی مجھے خدا کی سرکار سے عطا ہوا ہے وہ میرے پاس خدا کی امانت ہے جو عنقریب مجھ سے واپس لے لیا جائیگا پس جب تک وہ میرے پاس ہے اس وقت تک مجھے شکر ادا کرنا چاہیئے اور جب وہ چلی جائے تو رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے اور اگر خدانخواستہ غفلت اور خواہشات کی پیروی میں مشغول ہو گیا تو غافل کہا جائے گا

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی خواہش کے مخالف حالت ہو اور اس کی چار قسمیں ہیں پہلی قسم ان طاعات پر صبر کرنا ہے جن سے نفس گھبراتا اور بھاگتا ہے مثلاً محض کسل کی وجہ سے نماز پڑھنی ناگوار ہے اور بخل کی وجہ سے زکوٰۃ دینی گراں گزرتی ہے اور کسل و بخل دونوں کی وجہ سے حج اور جہاد کرنا دشوار ہے پس نفس پر جبر کرنا اور طاعت پر صبر کرنا اگرچہ کیسا ہی گراں گذرے مگر ضروری ہے کہ گرانی کا متحمل ہو اور نفس کو زیر کرے اور جب نفس مطیع ہو گیا تو پھر تین قسم کے صبر کا حکم ہوگا۔ اول عبادت کے شروع کرنے سے پہلے اخلاص پیدا کرنا ریا وغیرہ کا دور کرنا اور نفس کے مکر و فریب سے بچنا۔ دوم حالت عبادت میں صبر کرنا ضروری

ہے تاکہ آداب و سنن و مستحبات کے ادا کرنے میں کسل و کاہلی نہ ہو اور عبادت میں اول
سے آخر تک حضورِ قلب قائم رہے کہ شیطانی وسواس اور نفس کے خطرات ایک لمحہ کے
لئے بھی پاس نہ آئیں۔ سوم فراغت پانے کے بعد صبر کرنے کی جدا ضرورت ہے کہ ریا
اور شہرت کے طور پر اس کا اظہار اور لوگوں سے اپنی عبادت کا ذکر نہ کرتا پھرے غرض
صبر کی ہر جگہ ضرورت ہے اور وہ ہر حالت میں نفس کو شاق گذرتا ہے دوسری قسم
معاصی سے صبر کرنا ہے خاص کر ایسی معصیت سے جس کا کہ نفس عادی ہو رہا ہو اور
اس کو مزا پڑا ہوا ہو کیونکہ یہاں خدائی لشکر یعنی عقل و دین سے دو لشکروں کا مقابلہ
ہوتا ہے ایک شیطانی گروہ اور دوسرا اس کے ساتھ اس کے مددگار یعنی عادت کا لشکر
اور پھر خصوصاً عادت بھی ایسی چیزوں کی جن کے حاصل کرنے میں سہولت ہو کر ان میں خرچ
کی بھی ضرورت نہیں مثلاً غیبت جھوٹ بولنا۔ جھگڑا اور خودستائی وغیرہ کہ ان معصیتوں
میں صرف زبان ہلانی پڑتی ہے۔ پس ان سے بچنا اور صبر کرنا بڑے بہادر کا کام ہے۔
تیسری قسم ان چیزوں پر صبر کرنا ہے جو اگرچہ تمہاری اختیاری نہیں ہیں مگر ان کا تدارک اور
تلافی تمہارے قبضہ میں ضرور ہے مثلاً کسی ایسے شخص سے ایذا پہنچی جس سے تم انتقام لے
سکتے ہو مگر اس پر صبر کرو اور انتقام نہ لو یہ صبر کرنا کسی وقت واجب ہے اور کسی
وقت مستحب چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ جب تک مسلمان ایذا پر صبر نہیں کرتا تھا
ہم اس کا ایمان کامل نہیں سمجھتے تھے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شان ہے کہ
کافروں کی ایذائیں برداشت کرتے اور یوں کہتے کہ ہم ان تکلیفوں پر صبر کریں گے جو تم
ہم کو پہنچاؤ گے چوتھی قسم وہ ہے جو بالکل غیر اختیاری ہو یعنی اس کی تلافی بھی اپنے اختیار
میں نہ ہو۔ جیسے کسی عزیز کے مرجانے یا مال کے برباد ہو جانے کی مصیبت یا کسی مرض و

بیماری کا پیدا ہو جانا یا کسی عضو کا جاتے رہنا غرض تمام بلاؤں اور حوادثات پر صبر کرنا چوتھی قسم میں داخل ہے اس کا بڑا درجہ ہے حق تعالٰی فرماتا ہے کہ جب میں کسی بندہ کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے یعنی شکایت کا کلمہ زبان پر نہیں لاتا تو میں اس کا معاوضہ اس کو دیتا ہوں گوشت سے بہتر گوشت اور خون سے بہتر خون اگر تندرست کر دیتا ہوں تو گناہ معاف کر کے تندرست کرتا ہوں اور وفات دیتا ہوں تو پاک صاف کر کے اپنی رحمت کے جوار میں لیتا ہوں غرض انسان کسی حالت میں صبر سے مستغنی نہیں ہے اور چونکہ صبر نصف ایمان ہے اور ایمان کا دوسرا حصہ شکر ہے کیونکہ اس کو بھی تمام اعمال سے تعلق ہے اس لیے شکر کا بیان کرنا بھی مناسب ہے

شکر

حق تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر تم لوگ شکر کرو گے تو ہم تم کو زیادہ دیں گے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھانے والا شکر گزار بندہ روزہ دار صابر کے برابر ہے[1] ”تم نے سنا ہوگا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک عبادت کرتے کرتے ورم کر آتے تھے اور آپ تہجد میں گریہ و بکا بہت فرماتے تھے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے ہیں پس آپ اس قدر گریہ و بکا کیوں فرماتے ہیں آپ نے جواب دیا کہ اے عائشہ رضی کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ واقعی شکر کا مرتبہ نہایت عالی اور صبر و خوف و زہد اور تمام مذکورہ صفات سے بلند ہے کیونکہ جن اوصاف کا ذکر ہو چکا ہے ان

صبر و شکر کا منصوبہ الہامات ہے

---

[1] ابن حبان صحیح ۱۲۔

ہیں سے کوئی صفت بھی مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ سب مقصود بالغیر ہیں چنانچہ صبر تو اس لئے مقصود ہے کہ ہوائے نفس کا قلع قمع ہو جائے اور خوف اس لئے مطلوب ہے کہ کوڑے کا کام دے کر مقام مقصود تک پہنچا دے اور زہد سے مقصود ان تعلقات سے بھاگنا ہے جنہوں نے اللہ تعالےٰ کی طرف سے بے توجہ کر رکھا ہے البتہ صرف شکر ایسی صفت ہے جو خود مقصود بالذات ہے اور فی نفسہٖ مطلوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ شکر کا وجود جنت میں بھی ہو گا توبہ و خوف اور زہد و صبر کی وہاں حاجت نہیں ہے لیکن وہاں نعمتوں پر بندے شکر ضرور ادا کریں گے چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا[1] ہے کہ اہل جنت کا آخری قول "الحمد للہ رب العالمین" ہو گا۔ شکر ادا کرنے کے لئے شکر کی ماہیت معلوم ہونی ضروری ہے یعنی اول علم ہونا چاہیئے کہ شکر کیا چیز ہے اور جب یہ معلوم ہو گا تو ایک حالت خاص پیدا ہو گی اور پھر اس حالت خاص کے بعد عمل مرتب ہو گا۔ شکر کے تین رکن ہیں جن کو ہم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں اول علم یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا نیز یہ سمجھنا کہ تمام نعمتیں حق تعالےٰ ہی مرحمت فرماتا ہے اور جس قدر اسباب اور واسطے اس نعمت کے ہم تک پہنچنے میں پیش آئے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں کہ اس کے حکم کے بغیر نہ کوئی ذرہ حرکت کر سکتا ہے اور نہ کوئی چیز کسی کو مل سکتی ہے اور اس کے سمجھنے سے دو باتیں پیدا ہوں گی ایک منعم سے خوش ہونا دوم اس کی خدمت گزاری اور حکم کی تعمیل میں سرگرمی کرنا۔ انہیں دو حالتوں کا نام حال اور عمل ہے۔ دوسرا رکن حال یعنی منعم کی اس نعمت پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ منعم کا عطیہ ہے اور خضوع و تذلل کی ہیئت ظاہر کرنا۔ کیونکہ بادشاہ اگر کسی غلام کو گھوڑا بھیجے تو اس کی خوشی تین وجہ سے ہوتی

شکر کے ارکان

---

[1] مضمون مالک بخاری و مسلم و ترمذی مستدرک حاکم و ابن ماجہ صحیح ۱۲

ہے اول اس وجہ سے کہ کام کی چیز ہاتھ آئی کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بیسیوں ضرورتیں رفع ہوں گی
دوم اس وجہ سے کہ یہ عطیہ بتلا رہا ہے کہ بادشاہ کی اس غلام پر توجہ اور عنایت ہے جس
سے آئندہ کسی بڑی اور اس سے زیادہ مفید نعمت کے ہاتھ آنے کی امید ہے سوم اس وجہ
سے کہ گھوڑا اس کی سواری بنے گا اور اس پر سوار ہو کر اپنے منعم آقا کے حضور میں حاضر ہو کر
شاہی خدمت بجا لا سکے گا ان میں سے پہلی وجہ تو کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ وہ تو محض نعمت پر
خوشی ہے منعم کی حیثیت اس میں ملحوظ نہیں ہے اور دوسری وجہ شکر میں داخل ضرور ہے مگر
ضعیف ہے البتہ تیسری وجہ شکر کا درجہ کمال ہے کیونکہ جو بھی حق تعالیٰ مرحمت فرمائے اس پر
اس وجہ سے خوش ہونا کہ یہ چیز کوئی کارآمد چیز ہے ٹھیک نہیں ہے کیونکہ شکر کے یہ معنی ہیں کہ
اس پر اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور اس کی علامت
یہ ہے کہ ایسی نعمت پر خوشی نہ پیدا ہو سکے جس کے سبب خدا سے غفلت پیدا ہو جائے اور ذکر
الٰہی بھی بھول جائے۔ بلکہ ایسی حالت پر رنجیدہ ہو، ہاں جس نعمت کے ذریعہ سے دنیاوی تفکرات
رفع ہوں اور اطمینانِ قلب نصیب ہو یعنی خدا کی یاد میں اعانت حاصل ہو اس پر خوشی اور
مسرت ہونی چاہیے پس جو شخص شکر کا یہ درجہ کمال حاصل نہ کر سکے تو خیر وہ دوسرا ہی درجہ حاصل کرے
باقی پہلے درجہ کو تو شکر سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے تیسرا رکن عمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ
کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضامندی میں استعمال کرنا اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے
کہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا چیز کس کس کام
کے لئے پیدا ہوئی ہے مثلاً آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ
کی کتاب قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے دیکھنے اور آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوق کے
اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو اور خالق برتر کی عظمت و

کبریائی سے آگاہی حاصل ہو نیز ستر کے دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے سے اس کو روکے رکھے اس طرح کان ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ذکر الٰہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دیں اور ہجو اور لغو اور فضول کلام سننے سے روکے زبان کو یادِ خدا اور حمد و ثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور تنگدستی یا تکلیف میں شکوہ و شکایت سے باز رکھے کہ اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت کا کلمہ نہ نکلنے پائے کیونکہ شہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل و بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکلنی جو کچھ بھی نہیں کر سکتا معصیت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ زبان سے نکل گیا تو طاعت میں شمار ہو گا۔ قلب کا شکر یہ ہے کہ اس کو فکر و ذکر اور معرفت و اخلاص میں استعمال کرے اوصاف حمیدہ سے اس کو آراستہ کرے اور خصائلِ رذیلہ سے پاک و صاف رکھے غرض ہاتھ پاؤں تمام اعضا اور مال و متاع و عزت و جاہ سب کا شکر یہی ہے کہ ان کو حق تعالیٰ کی طاعت میں مشغول رکھا جائے۔

فصل: - درحقیقت کمال درجہ کا شکر تو وہی بندے ادا کر سکتے ہیں جن کا شرح صدر ہو چکا ہو اور جن کے قلوب کے اندر حق تعالیٰ نے حکمت و معرفت کا نور بھر دیا ہے کہ وہ ہر چیز کے رموز و اسرار سے واقف ہیں اور ہر شئی میں اپنے محبوب کا جلوہ دیکھتے ہیں اور جس کو یہ درجہ حاصل نہ ہو اس کو سنت کا اتباع اور حدود شریعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یعنی اس کو اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر مثلاً کسی محرم پر نظر ڈالی تو آنکھ کی نعمت کا کفران[1] ہوا اور نیز آفتاب اور تمام ان نعمتوں کی ناشکری ہوئی جن کو بصارت میں دخل ہے اور جن کے بغیر کچھ نظر نہیں آسکتا کیوں کہ آنکھ کے بغیر بینائی کام نہیں دے سکتی۔

---

[1] ناشکری

اور آفتاب کے بغیر آنکھ بیکار ہے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ اندھیرے میں آنکھ کچھ بھی کام نہیں دے سکتی - اور آفتاب اپنے وجود میں آسمان کا محتاج ہے پس آنکھ کی بدنظری کی ایک معصیت سے گویا آسمان و زمین سب ہی کا کفران نعمت ہو گیا یہی مثال تمام معصیتوں کا ہے کیونکہ تمام نعمتوں کا باہم تعلق وابستہ ہے اور ایک دوسرے سے اور دوسرے کو تیسرے سے ایسا علاقہ ہے جو ذرا غور کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے یہاں سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان کئے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روپیہ اشرفی یعنی ثمن نقد کو بمنزلہ حاکم کے بنایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام اموال کی قیمت[1] قرار پائے اور اشیائے مختلفہ کے ارزاں و گراں ہونے کا باہمی فرق و امتیاز ظاہر ہو پس اگر ثمن نقد چاندی و سونا نہ ہو تو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے کہ کپڑا زعفران کے بدلے کیونکر خرید اجائے اور اناج گھوڑے کے عوض کس طرح فروخت کیا جائے اس لئے کہ ان میں باہم کوئی مناسبت نہیں ہے اگر ہے تو صرف یہی ہے کہ نفس مالیت دونوں میں مشترک ہے یعنی ثمنیت اور نقدی جس کو چاندی و سونا کہتے ہیں کم و بیش دونوں میں پائی جاتی ہے اور یہی تمام چیزوں مقدار کا معیار ہے پس اگر کپڑا ایک روپے گز ہے اور زعفران پچاس روپے سیر کی تو اس طرح سے اندازہ ہو گیا کہ پچاس گز کپڑے کے بدلے سیر بھر زعفران خریدنی چاہیئے اور پچاس گز کپڑا سیر بھر زعفران کے مساوی ہے غرض یہ ثمن و نقدی نہ ہو تو تمام معاملات میں ردو بدل ہو جائے اور جملہ اشیائے میں گڑبڑ مچ جائے - اس لئے اگر کسی شخص نے اس کو اکھٹا کر کے زمین میں گاڑ دیا یا خزانہ بنا کر مقفل کر دیا تو گویا حاکم کو مسند حکومت سے اتار کر محض بیکار بنا دیا اور مقید کر لیا اور جس شخص نے اس

---

[1] قیمت مراد سکہ [2] کسوٹی ۱۲ -

کے برتن بنالیے مثلاً پانی پینے کا گلاس اور سالن اتارنے کی رکابی تو گویا حاکم کو جولاہے اور کاشتکار کے کام میں لگا دیا حالاں کہ یہ اوسط درجے کے کام دوسرے ادنیٰ درجہ کے خدمت گار بھی کر سکتے تھے پس یہ سزا قید سے بھی زیادہ سخت ہوئی اور جس شخص نے سود لینا شروع کر دیا اور روپیہ اشرفی کے لین دین کو مالی ترقی اور تکثیر مال کا ذریعہ بنا لیا کہ صرافہ کے ذریعہ سے چاندی سونے کی ذات کو مقصد تجارت ٹھیرا لیا تو اس نے گویا حاکم کو اپنا غلام بنا لیا تاکہ وہ گھاس کاٹ کر لایا کرے اور جھاڑ دے دیا کرے حالاں کہ یہ سب صورتیں صریح ظلم ہیں اور حکمت خداوندی میں تغیر و تبدیل کا پیدا کرنا ہے گویا حق تعالیٰ سے عداوت ہے جس کی بنا پر محاسبہ و جنگ کا پیام دیا گیا غرض جس شخص کو نورِ معرفت حاصل نہیں اور یہ رموز اس کو نظر نہیں آتے تو وہ شریعت کی زبان سے صورت تو سمجھ ہی لے گا اگرچہ معنی نہ سمجھے پس اس کو احکام شرعی سنائے جائیں گے کہ دیکھو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ چاندی اور سونے کا خزانہ بناتے اور جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو قیامت کے دن جمع کئے ہوئے مال سے ان کے منہ اور پیٹھوں پہ داغ دیئے جائیں گے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے چاندی یا سونے کے برتن میں پیا گویا وہ اپنے پیٹ میں آگ کے گھونٹ اتار رہا ہے اور حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسے آسیب زدہ۔ ان آیات واحادیث سے معلوم ہو گیا کہ اموال اور اشیائے عالم کے حاکم یعنی زر نقد کا جمع کرنا

سلے بخاری و مسلم ۱۲

اور برتن بنانے اور سود پر چلانا یعنی صرافہ کرنا تینوں حرام اور خلاف مقتضائے حکمت خداوندی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ اہلِ بصیرت ان رموز و اسرار سے چونکہ واقف ہوتے ہیں لہٰذا ان کا علم دلائل اور احکام شرعیہ سے دوبالا ہوکر نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن جاتا ہے اور بیچارے مسلمان جو ان اسرار تک نہیں پہنچ سکتے ہیں وہ حدود شرعیہ پر اکتفا کرتے ہیں اور جو لوگ اندھے اور جاہل ہیں وہ دونوں ہی سے محروم رہتے ہیں سو ایسے ہی لوگوں سے جہنم بھری جائیگی۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے محمدؐ! تم پر نازل ہوئے احکام کو جو شخص حق سمجھتا ہے۔ وہ اور راہ مستقیم سے اندھا کیا برابر ہو سکتے ہیں دوسری جگہ فرماتا ہے کہ جس نے میری نصیحت سے اعراض کیا اس کو تنگ معیشت ملے گی اور قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا تب وہ پوچھے گا کہ مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہم جواب دیں گے کہ ہماری نشانیاں تجھ تک پہنچیں پس تو نے ان کو بھلا دیا تھا۔ سو آج ہم بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیں گے اور نشانیوں سے مراد یہی حکمت و مصلحت اور اسرار و رموز ہیں جو ہر چیز کے پیدا کرنے میں ملحوظ ہیں اور جن پر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے لوگوں کو مطلع کر دیا گیا۔ کہ ہر زمانے میں حاملانِ شریعت علماء و فقہا ان کو مفصل بیان کرتے رہے پس یاد رکھو کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں حکمت اور رمز و خاصیت نہ ہو پس جو شخص ان کو سمجھ جاتا ہے وہ تو سمجھ جاتا ہے اور جو نہیں سمجھتا وہ انکار کرنے لگتا ہے اور یہ انکار کرنا شکر کے خلاف ہے اور چونکہ شکر کا کامل درجہ وہی حاصل کر سکتا ہے جس میں سچا اخلاص ہو اور کسی عمل میں ماسوائے اللہ کی نیت کا شائبہ بھی نہ ہو لہٰذا مناسب ہے کہ اخلاص اور صدق کا ذکر کر دیں۔

اخلاص و صدق

اخلاص کی اصل مسلمان کی نیت ہے کیوں کہ نیت ہی میں اخلاص ہوا کرتا ہے اور اخلاص کا کمال صدق ہے اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت میں کسی شئے کی آمیزش نہ ہو اس لئے ان تینوں رکنوں کو علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ رکن اوّل نیت۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے محمد اپنے پاس سے ان کو علیحدہ نہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں در آنحالیکہ اسی کی ذات کو چاہتے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیت سے مراد یہ ہے کہ عمل سے حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم[۱] فرماتے ہیں کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے کچھ لوگوں[۲] کے صحیفہ اعمال حق تعالےٰ کے حضور میں پیش ہوں گے۔ اور حق تعالےٰ فرمائے گا کہ ان کو پھینک دو کیونکہ ان اعمال سے اس شخص کو میری ذات مقصود نہ تھی اور کچھ لوگوں کا نامہ اعمال پیش ہوگا تو حکم ہوگا کہ فلاں فلاں عمل اور درج کر دو فرشتے عرض کریں گے بار الہا وہ اعمال تو اس نے کئے ہی نہیں تھے حکم ہوگا کہ ان اعمال کی اس نے نیت تو کی تھی اور اس کا ہم کو علم ہے حدیث[۳] میں آیا ہے کہ آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جسے حق تعالےٰ نے مال بھی دیا اور علم بھی دیا اور یہ مقتضائے علم اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ جو اس شخص کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر حق تعالیٰ مجھے بھی مال اور علم مرحمت فرماتے تو میں بھی اسی طرح خیرات کروں یہ دونوں شخص اجر میں مساوی ہیں تیسرا وہ شخص جس کو صرف مال عطا ہوا اور علم عطا نہیں ہوا اور یہ شخص جہالت کے سبب گڑبڑ مچاتا

لہ بخاری و مسلم وغیرہ ۱۲ ؎ مضمون قریب قریب دارقطنی صحیح ۱۲ ؎ ابن ماجہ بسند عمدہ ۱۲

اخلاص کا مدار تین چیزوں پر ہے نیت ارادت صدق عمل

اور فضول و بے جا مال اڑا رہا ہے اور چوتھا شخص وہ ہے جو اس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر مجھ کو مال مل جائے تو میں بھی اسی طرح مزے اڑاؤں اور عیش کروں پس یہ دونوں شخص گناہ میں مساوی اور برابر ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا قصہ ہے کہ قحط سالی میں ریت کے ٹیلے پر اس کا گذر ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ ریت کا ٹیلہ اناج بن جائے تو میں اس کو لوگوں میں تقسیم کر دوں اللہ تعالے نے اس زمانے کے نبی پر وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہدو کہ خدا نے تمہاری خیرات قبول کی اور نیک نیتی کی قدر فرمائی اور اس قدر ثواب عطا کیا جتنا ٹیلہ کی مقدار اناج کے مساکین پر خیرات کر دینے پر ملتا خوب سمجھ لو کہ نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ جو شخص عورت سے کسی مقدار مہر پر نکاح کرے اور اس کے ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہ نکاح نہیں زنا ہے اور جو شخص کسی سے قرض لے کر اس کے دینے کا قصد نہ ہو تو یہ قرض نہیں بلکہ سرقہ اور چوری ہے

نیت کے معنی ارادہ اور قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے اول علم کی ضرورت ہوتی ہے اور علم کے بعد اس کے عمل میں لانے کا قصد وارادہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اس کام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے گویا قدرت قصد وارادہ کی خادمہ ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ تمہارے اندر کھانے کی خواہش رکھی ہوئی ہے مگر وہ ایسی دبی ہوئی ہے کہ جیسے کوئی سویا ہوتا ہے اور جس وقت تمہاری نظر کھانے پر پڑی اور طعام کا علم ہوا۔ اسی وقت وہ جاگ اٹھی اور اس کے کھانے کا قصد

---

[1] طبرانی راوی سب ثقہ ہیں ۱۲

لہٰذا حق تعالیٰ اپنے زائر کا جتنا اکرام فرمائے گا اس کو تم خود سمجھ سکتے ہو کہ کیا کچھ ہوگا۔ دوم۔ مرابطہ[1] یعنی نماز کے انتظار کی نیت کرو کہ حق خداوندی کی محافظت کے لئے اپنے آپ کو محبوس بنائے ہوئے گویا وقف کئے ہوئے ہو پس حق تعالیٰ کے حکم وَرَابِطُوا کی تعمیل ہوگی اور اس کا اثر جدا گانہ ملے گا سوم اعتکاف کی نیت کرو اور اعتکاف کے معنی یہ ہیں کہ آنکھ کان زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں وغیرہ تمام اعضاء کو ان کی معمولی اور معتاد حرکتوں سے روک لیا جائے اور یہ بھی ایک قسم کا روزہ ہے جہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کی رہبانیت یہی[2] ہے کہ وہ مساجد میں آ بیٹھیں چہارم خلوت کی نیت کرو کہ مشاغل ترک ہونے سے فکر آخرت کی استعداد پیدا ہو اور ذکر الٰہی کے سننے اور سنانے کے لئے تجرد و عزلت حاصل ہو دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[3] ہیں کہ جو شخص مسجد کی جانب اس لئے روانہ ہو کہ اللہ کا ذکر کرے یا سنے تو وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے پنجم اس کی نیت کرو کہ جو لوگ بے نمازی ہیں ان کو تنبیہ ہوگا اور نماز کو بھیجے ہوئے لوگ بھی تمہاری دیکھا دیکھی نماز کو اٹھ کھڑے ہوں گے پس تمہارا نماز کو جانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن جائے گا کہ کار خیر کی ترغیب دی اور معصیت سے روکا اس وجہ سے ان کے ثواب میں تم بھی شریک ہوئے ششم مسجد میں جانے سے دوسرے مسلمانوں سے کچھ نہ کچھ اخروی فائدہ حاصل ہوگا جو تمہارے لئے زاد آخرت کا ذخیرہ بنے گا ہفتم خدا کے گھر میں بیٹھو گے تو کچھ حیا و شرم آئے گی اور گناہ کی جرأت کم ہو جائے گی کہ حاکم کی یاد داشت[4]

اس لی تحالت سے روکا کرتی ہے لہٰذا اس کی بھی نیت کرو غرض اسی طرح ہر عمل میں کئی کئی

---

[1] یعنی ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا [2] عراقی کہتے ہیں کہ نہیں ملی ۱۲۔ [3] یہ قول ابن ماجہ میں ہے طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جانے ذکر کرنے کے نیکی سیکھے یا سکھائے تو کامل حج کا ثواب ہے [4] ہر وقت خیال رکھنا

نیتیں متعدد ہونے سے ایک عمل میں متعدد اعمال کا ثواب ملتا ہے

ہوا اس کے بعد اس کی طرف ہاتھ بڑھے گا اور وہ قوت اپنا کام کرے گی جو خواہش طعام کے اشارے کی مطیع بنائی گئی ہے غرض آنکھ کے مشاہدے سے معرفت و علم حاصل ہوگا اور معرفت کی وجہ سے خواہش بیدار ہوگی اور قصد پیدا ہوگا اور یہ قصد خداداد قوت کے ذریعہ سے ہاتھ کو حرکت دلائے گا اور کھانا کھلائے گا اسی طرح تمہارے اندر ان لذتوں کی بھی خواہش رکھی ہوئی ہے جو تم کو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جن کا علم عقل اور شرع کے ذریعہ حاصل ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش و میلان کی بھی خادم ہے لہذا وہ اعضا کو حرکت دے گی اور خواہش کو پورا کریگی بس یہی عزم پختہ میلان جس نے قوت کو ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا نیت کہلاتا ہے مثلاً جہاد میں جانے والا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو کہ اس کو گھر سے باہر نکالنے والا باعث و محرک کیا چیز ہے یعنی اگر ثواب آخرت ہے تو بس یہی اس کی نیت ہے اور اگر اس کا باعث مال غنیمت یا شہرت و نیک نامی کو حاصل کرنا ہے تو اسی کو نیت کہا جائیگا۔

ایک ایک عمل میں کئی کئی نیتیں ہو سکتی ہیں

فصل:- جب تم کو نیت کی فضیلت و ضرورت اور تاثیر معلوم ہوگئی تو اب ایک ایک عمل میں کئی کئی ثواب حق تعالٰی سے لینے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک ایک عمل میں کئی کئی نیتیں ہوں مثال کے لئے ایک صورت بیان کئے دیتے ہیں مثلاً۔ مسجد میں جانا اور بیٹھنا ایک عبادت ہے مگر اس میں سات کاموں کی نیت ہوگئی ہے

اول یہ سمجھنا کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور یہاں آنے والا شخص گویا خدا کی زیارت کو آتا ہے پس آتے وقت تم یہی نیت کرو کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ کی زیارت کو آیا ہے اور چونکہ زیارت میں آنے والے شخص کی عزت ہوا کرتی ہے

نیتیں ہو سکتی ہیں جن کی بدولت گنتی کے چند عمل تمہارے حق میں ہزاروں نیکیاں بنیں گے اور حضرات مقربین کے اعمال کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھو کہ عمل میں معصیت کی نیت کرنے سے ایک گناہ کئی کئی گناہ بن کر شیطان کے اعمال کے مساوی ہو جاتا ہے مثلاً مسجد میں آکر بیٹھنے سے فضول باتیں بنانی مقصود ہوں یا مسلمانوں کی ہتک و آبروریزی اور ہنسی مذاق اڑانے کی نیت ہو یا ان عورتوں و بے ریش لڑکوں کا نظارہ مقصود ہو جو نماز کے لئے آئے یا تفاخر و مناظرہ یا زبان درازی سے اپنے حریف کو ساکت کر کے حاضرین مسجد کے دلوں میں اپنی وقعت پیدا کرنی مقصود ہو یا اور کسی برے کام کی نیت ہو تو یہی ایک فعل کئی گناہوں کا مجموعہ ہو جائے گا۔ لہٰذا مناسب ہے کہ مباح کام کے اندر بھی اچھی نیت کر لینے سے غفلت نہ کی جائے کیونکہ حدیث[1] میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بندہ سے اس کے ہر کام کی بازپرس ہوگی حتیٰ کہ آنکھ میں سرمہ لگانے اور کسی کے کپڑے کو چھونے اور انگلیوں سے مٹی کریدنے تک کا سوال ہوگا کہ کیوں کیا تھا[2] اور مباح کام میں نیت کرنے کی یہ صورت ہے کہ جمعہ کے دن اگر خوشبو لگائی تو یا تو یہ نیت ہوگی کہ اپنی ثروت و تونگری ظاہر ہو یا یہ مقصد ہوگا کہ خوشبو سے نفس کو لذت حاصل ہوگی یا یہ ہوگا کہ اس طرح بن سنور کر جاؤں گا تو عورتیں میری گرویدہ ہوں گی یہ سب نیتیں لغو و معصیت ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ یہ نیت ہو کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانا سنت کا اتباع یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا ہے اور حق تعالیٰ کے گھر کی تعظیم ہے اور جمعہ کے دن کا احترام ہے اور مسلمانوں کو بدبو کی ایذا سے بچانا اور بوئے خوش سے ان کو راحت پہنچانا اور غیبت کے دروازے کا بند کرنا ہے۔ کہ مسلمانوں کو بدبو کی ایذا سے بچانا اور بوئے خوش سے ان کو راحت

ایک معصیت کی متعدد نیتوں سے کئی معصیتیں بن جاتی ہیں

---

[1] حلیۃ الاولیاء از زبیدی ۱۲۔ [2] ابوالولید الصفار مرسل ۱۲

پہنچانا اور غیبت کے دروازے کا بند کرنا ہے کہ لوگ بد بو سونگھیں گے تو وہ دوسروں سے غیبت کرتے پھریں گے کہ فلاں شخص کے کپڑوں سے بڑی بد بو آتی تھی انہیں دونوں طریق کی جانب حدیث میں اشارہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ہے جس شخص نے اللہ کے واسطے خوشبو لگائی وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ مشک سے زیادہ خوشبو اس سے مہکے گی اور جو اللہ کے سوا کسی دوسری غرض سے خوشبو لگائے گا وہ ایسی حالت پر اٹھے گا کہ مردار سے زیادہ بد بو پھوٹے گی۔ رکن دوم اخلاص نیت حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ لوگوں کو اسی کا حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں مخلص بن کر اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت سنواری اور اللہ کو مضبوط تھاما اور اپنے دین میں اللہ کے واسطے اخلاص کیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[2] ہیں کہ جس شخص نے چالیس دن اخلاص کے ساتھ کوئی نیک عمل کر لیا تو حق تعالےٰ اس کے قلب اور زبان سے حکمت کے چشمے بہا دے گا اخلاص کے معنی صرف یہ ہیں کہ نیت صرف ایک ہی شئے کی ہو یعنی عمل کا محرک یا صرف ریا ہو اور یا محض رضائے حق ان دونوں پر اخلاص کے لغوی معنی صادق آتے ہیں کیونکہ خالص اسی شئے کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری جنس کی آمیزش نہ ہو مگر مگر اصطلاح شرع میں اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ محض حق تعالےٰ کی ذات مقصود ہو کیونکہ ماسوی کی جانب میلان اور قصد کرنے پر شرعاً اخلاص کا اطلاق نہیں ہوتا جس طرح الحاد کے معنی میلان مطلق کے ہیں خواہ بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی طرف مگر شرعاً صرف باطل کی جانب مائل ہونے کا نام الحاد ہے اسی طرح عبادت سے مقصود اگر محض عبادت ہے تب تو اخلاص کہلائے گا اور اگر اس میں ریا اور دکھاوے کی آمیزش ہے یا عبادت

رکن دوم اخلاص ہے

---

[1] ابو الولید الصفار مرسل ۱۲ [2] ابو نعیم ضعیف ۱۲

کے ضمن میں دنیا کے کسی فائدہ کا بھی ارادہ شامل ہے تو اس کو اخلاص نہیں کہیں گے مثلاً
روزہ رکھنے سے مقصود یہ بھی ہو کہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ
کھانے پینے کا پرہیز کرنے سے بیماری کو بھی نفع ہو گا پس ایک کام میں دو نیتیں شامل ہوگئیں
تو اس کو اخلاص نہ کہیں گے یا مثلاً غلام کے آزاد کرنے سے یہ بھی مقصود ہو کہ یہ عبادت
ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ اس طرح غلام کے کھانے کپڑے کے بوجھ سے سبکدوش ہو
جائیں گے یا مثلاً حج سے یہ بھی مقصود ہو کہ وہ نیک کام اور عنداللہ محبوب ہے اور یہ بھی
نیت ہو کہ حج کرنے سے سفر میں حرکت ہو گی اور حرکت سے مزاج صحت و اعتدال پر آجائے
گا یا اہل و عیال کے بار سے چند روز کے لئے خلاصی مل جائے گی یا کچھ دنوں کیلئے دشمنوں کی
ایذاؤں سے نجات حاصل ہو گی یا ایک جگہ رہتے رہتے دل اکتا گیا ہے پس سفر میں دل
بھی بہل جائے گا یا مثلاً وضو کیا مگر اس نیت سے کہ لطافت حاصل ہو اور بدن کا میل
کچیل دور ہو جائے یا مثلاً اعتکاف کیا تا کہ گھر کے کرایہ سے سبکدوش ہو یا کسی بیمار کی
عیادت کی مگر اس نیت سے کہ تمہارے بیمار ہونے پر وہ تمہاری عیادت کو آئے یا مثلاً
فقیر کو اس نیت سے کچھ دیا کہ وہ سر ہو رہا اور غل مچا رہا تھا پس اس کا شور رفع ہو جائے
گا وغیر ذلک یہ سب خیالات اخلاص کے منافی ہیں اور ان کا رفع ہونا دشوار ہے
اس لئے بعض اہل بصیرت کا قول ہے کہ اگر ایک ساعت بھی اخلاص حاصل ہو جائے
تو نجات مل جائے حضرت سلیمان دارانی رح فرماتے ہیں مبارک ہو اس کو جس کا ایک قدم بھی
ایسا اٹھا جس سے مقصود خدا ہی کی ذات ہو حضرت معروف کرخیؒ اپنے نفس کو مارتے اور
فرمایا کرتے تھے کہ اے نفس اخلاص پیدا کر تا کہ خلاصی حاصل ہو مگر ہاں یہ ضرور سمجھ لینا
چاہیئے کہ ان نیتوں کی آمیزش کئی طرح پر ہوا کرتی ہے یعنی کبھی تو یہ نیتیں عبادت کی نیت

پر غالب ہو جایا کرتی ہے اور کبھی مغلوب رہتی ہیں اور کبھی مساوی ہوتی ہیں پس اگر مباح
کاموں کے اندر رضائے حق تعالیٰ شانہ، کا قصد کچھ بھی شامل ہو جائے گا تو اس کا بھی
ثواب ضرور ملے گا مگر عبادت کے اندر اخلاص کا حکم ہے لہٰذا یہاں عبادت کی نیت
کے ساتھ اگر دوسرے مقصود کی کچھ بھی آمیزش ہو گی تو اخلاص باطل ہو جائے گا اور اگر
وہ آمیزش غالب ہے اور قصد عبادت مغلوب ہے تب تو عبادت بالکل ہی باطل
اور بیکار ہے تیسرا رکن صدق ہے اور یہی اخلاص کا کمال ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے

نیت کا تیسرا رکن صدق ہے

کہ ہمارے بندے ہیں جو اپنے عہد میں سچے ثابت ہوئے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی صفت صدیق فرمائی ہے اور صدق کی فضیلت اسی سے ہے کہ یہ صدیقین کا درجہ
ہے، صدق کے چھ درجے ہیں اور جو شخص چھیوں میں کمال حاصل کرتا ہے وہ صدق
کے خطاب کا سزاوار ہوتا ہے۔ پہلا درجہ قول صدق کا ہے کہ ہر حالت میں سچ
بولے اور اس کے کمال دو ہیں۔ اول تعریض سے پرہیز کرے کیونکہ تعریض اگرچہ سچ ہی
میں داخل ہے مگر پھر بھی سننے والا اس سے خلاف واقع مضمون سمجھتا ہے لہٰذا اس سے
بھی احتراز کرے کیونکہ جھوٹ بولنے کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے قلب
کی صورت میں کجی آجاتی ہے اور وہ حق کی تجلی کے قابل نہیں رہتا چنانچہ ایسے شخص کو
خواب بھی سچا نظر نہیں آتا تعریض کا اگرچہ یہ ثمرہ نہیں ہوتا تاہم اس کی صورت چونکہ

صدق قول اور اس کا کمال

جھوٹ کے مشابہ ہے اس لئے اندیشہ ضرور ہے پس صدیق کی شان کے مناسب یہی
ہے کہ بلا ضرورت خاص دوسرے کے تعریض کے ذریعہ سے بھی واقع کے خلاف امر کا
دھوکا نہ دے دوسرا کمال یہ ہے کہ ان اقوال میں بھی صدق کا لحاظ رکھے جو حق تعالیٰ
کے سامنے عرض کرتا ہے مثلاً نماز میں زبان سے کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں

پس اگر اس کے دل میں کبھی ماسوی اللہ کا خیال نہیں ہے تب تو وہ قول میں سچا ہے ورنہ جھوٹا مثلاً کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ کہ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھی سے مدد چاہتا ہوں پس اگر دل کے اندر زر کی طلب اور مال کی محبت موجود ہے تو یہ بھی کذب ہے کیونکہ اظہار تو خدا کے معبود اور اپنے بندہ ہونے کا کر رہا ہے اور دل بندۂ زر دنیا بنا ہوا ہے۔

صدق نیت و عزم

دوسرا درجہ نیت میں سچا رہنے کا ہے یعنی ایسا اخلاص کہ جس میں عبادت اور فعل خیر کے قصد کے سوا کسی دوسرے قصد کی مطلق آمیزش نہ ہو۔

تیسرا درجہ عزم میں سچا بننے کا ہے انسان اکثر عزم کرتا ہے کہ اگر مجھے مال ملا تو اتنی خیرات کروں گا یا مثلاً خیال ہوتا ہے کہ حکومت ہاتھ آئے تو عدل کروں گا پس اس کا نام عزم ہے مگر بعض لوگوں کے عزم میں پختگی ہوتی ہے اور کہیں تردد و تذبذب اسی طرح صدیقین کے عزم بھی متفاوت ہوتے ہیں جن میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اگرچہ جان جاتی رہے مگر عزم میں ضعف یا تذبذب نہ آنے پائے جیسے حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میری گردن اڑا دی جائے تو یہ مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اس گروہ پر حاکم بنوں۔ جس میں ابوبکرؓ موجود ہوں پس عزم کے قوی اور مضبوط ہونے ہی کا نام عزم صادق ہوتا ہے۔

چوتھا درجہ عزم کے پورا کرنے میں سچائی کا ہے، کیونکہ اکثر انسان کا عزم پختہ ہوتا ہے مگر پورا کرنے کے وقت کاہل اور سست بن جاتا ہے۔ مثلاً مال ہاتھ آیا تو صدقہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور حکومت ملی تو عدل و انصاف نہ ہو سکا حالانکہ امتحان کا یہی وقت ہے کیونکہ دل میں عزم کر لینا تو کچھ دشوار

نہ تھا۔ تکلیف اٹھانے کا موقعہ تو اس عزم کے پورا کرنے کے وقت ہی پیش آیا ہے اسی لیے حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ بعض شخص ایسے بھی ہیں جو اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ اگر ہم کو مال عطا ہوا تو ضرور خیرات کریں گے مگر جب اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے ان کو مال مرحمت فرمایا ہے تو بخل کرنے اور منہ پھیرنے لگے انجام یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے قلوب میں نفاق پیدا کر دیا۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ ظاہر و باطن یکساں ہو یعنی ظاہری حالت بھی وہی ہو جو واقع میں باطن کی حالت ہو مثلاً نرم چال چلے اور ظاہر کرے کہ طبیعت میں وقار ہے مگر درحقیقت قلب کے اندر وقار نہ ہو بلکہ محض لوگوں کو دکھانے کو ایسا کرے تو اس کا نام ریا ہے اور اگر مخلوق کے دکھاوے کا بھی خیال نہ ہو بلکہ محض غفلت و بے توجہی ہو تو اس کا نام اگرچہ ریا تو نہیں ہے مگر صدق بھی نہیں ہے بلکہ حالت کا دروغ اور جھوٹ ہے اس لیے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا[1] کی ہے کہ بار الٰہا میرا باطن میرے ظاہر سے بہتر بنا دے اور ظاہر حالت کو بھی صلاحیت عطا فرما۔

چھٹا درجہ دین کے مقامات اور مدارج میں سچائی کا ہے یعنی خوف و رجا اور محبت و رضا اور توکل و زہد وغیرہ کا وہ انتہائی مرتبہ حاصل کرے جو اسم بامسمیٰ بنا دے کیونکہ ابتدائی درجہ میں ان صفات کا صرف نام ہی نام ہوا کرتا ہے۔ البتہ انتہائی درجہ میں پہنچ کر سچا خوف اور سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومن وہی ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان لائیں پھر نہ کچھ شبہ کیا اور نہ اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال سے دریغ کیا یہی لوگ سچے ہیں غرض صدق کے ان چھ درجوں میں

---

[1] ترمذی ۱۲

کامل ہو جانے سے صدیق کا لقب عطا ہوتا ہے اور جس کو ان میں سے کوئی درجہ حاصل ہے اور کوئی نہیں تو اس کو اس مقدار کے موافق صدق کا مرتبہ حاصل ہوگا اور چونکہ صدق ہی کا درجہ یہ بھی ہے کہ اللہ کو رزاق سمجھ کر قلب اس پر بھروسہ رکھے اور توکل کرے لہٰذا توکل کا بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

توکّل

حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے لوگو اگر تم ایماندار ہو تو اللہ پر توکل کرو اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب سمجھتا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کی تمام ضرورتوں کو کافی ہے اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تم کو رزق نہیں دے سکتے بس رزق اللہ ہی کے پاس سے طلب کرو، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ اگر تم اللہ پر پورا توکل کروگے تو حق تعالےٰ تم کو اس طرح رزق دے گا جس طرح پرند کو دیتا ہے یعنی بلا تعب و مشقت کہ صبح کو بھوکا اٹھتا ہے اور شام پیٹ بھرا واپس ہوتا ہے یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کا ہو رہتا ہے حق تعالےٰ اس کو اس طرح رزق پہنچاتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہیں جاتا۔ توکل کے معنی اس حالت کے ہیں جو حق تعالےٰ کو یکتا فاعل مختار اور تمام صفات کمالیہ میں مستقل ولاشریک سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ حالت ایسے کام کراتی ہے جن سے توکل واعتماد ظاہر ہوا کرتا ہے لہٰذا توکل کے تین رکن ہوئے اول معرفت دوم حالت سوم اعمال اب ہم تینوں کا جدا جدا ذکر کرتے ہیں۔

توکل کی بابت اور ارکان

---

[1] ترمذی حسن صحیح ۱۲۔

رکن اول معرفت یعنی توحید

رکنِ اوّل :- معرفت ہے یعنی توحید حق جس کا اقرار کلمہ توحید سے ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد و ثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس میں اس مضمون کا اقرار ہے کہ حق تعالیٰ نے قدرت اور وجود اور حکمت میں وہ کمال رکھتا ہے جس کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے پس جس نے صدق و اقرار کے ساتھ اس کا اقرار کر لیا اس کے قلب میں اصل ایمان راسخ ہوگیا اور اب توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی بشرطیکہ صدق دل سے اقرار کیا ہو صدق دل کے یہ معنی ہیں کہ اس اقرار کے معنی قلب پر ایسے غالب آجائیں کہ دوسرے مضمون کی اس میں گنجائش نہ رہے

دوسرا رکن یعنی حال

دوسرا رکن :- حال توکل ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کام خدا کے حوالہ کر دو اور قلب کو مطمئن رکھو کہ غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہ کرو یعنی ایسے ہو جاؤ کہ جیسے کسی ہوشیار اور شفیق و غمخوار وکیل عدالت کو اپنے مقدمہ میں وکیل بنا کر مطمئن اور بے فکر ہو جایا کرتے ہیں کہ پھر کسی دوسرے کی جانب تمہارا دل ڈانواں ڈول نہیں ہوتا کیونکہ سمجھتے ہو کہ تمہارا وکیل ہر طرح عقلمند اور تمہارا خیر خواہ ہے پس تمہارے حریف کو کبھی تم پر غلبہ نہ پانے دے گا اور مخالف سے اس کے سامنے بات بھی نہ کی جائیگی اسی طرح جب جانتے ہو کہ رزق اور موت و حیات اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سارے کام خدا ہی کے قبضہ میں ہیں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور نہ اسکی جود و سخا اور حکمت و رحمت کی انتہا ہے پھر وجہ کیا ہے کہ اپنے قلب کو مطمئن نہ بناؤ پس اگر اتنا جان کر بھی توکل نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس کا سبب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یعنی یا تو پورا یقین ہی حاصل نہیں ہے اور نعوذ باللہ حق تعالیٰ کے رزاق و باقدرت سمیع و بصیر ہونے میں کچھ شک ہے اور یا یقین تو ہے مگر قلب پر اس علم و یقین کا اثر نہیں نہیں ہوا بلکہ ایسی حالت ہے اس موت کے تیقن کی ہوا کرتی ہے کہ باوجودیکہ اس کا یقین حاصل اور

اس کا علم ہے کہ ضرور ایک دن ہمیں مرنا اور دنیا کو چھوڑنا ہے مگر پھر بھی ایسے نڈر ہیں کہ
اس کا کچھ فکر نہیں کرتے سبب اس کا صرف یہی ہے کہ قلب پر اس یقین کا پورا اثر نہیں ہے
یا دوسرا سبب یہ ہے کہ تمہارا قلب پیدائشی طور پر ضعیف و کمزور واقع ہوا ہے اور خلقۃً
تم بزدل ہو کہ ضعیف قلب کی وجہ سے تمہارا دل ایسا اوہام کا محکوم و مطیع ہو گیا ہے جو
یقیناً باطل اور محض لاشے ہیں جس طرح مردہ کے پاس اس کے بستر پر لیٹ کر سونے سے
اکثر ڈر معلوم ہوا کرتا ہے حالانکہ معلوم ہے کہ یہ مردہ ہے اور کچھ نہیں کر سکتا مگر پھر بھی اس
کے بستر پر لیٹ کر نیند نہیں آتی اور ڈر معلوم ہوتا ہے تو یہ واہیات توہمات ہی کی تو اطاعت
ہے جس نے ضعیف قلب کو یقین پر عمل کرنے نہ دیا مثلاً بعض آدمیوں کو شہد کے کھانے
سے نفرت ہونے لگتی ہے محض اس واہمہ سے کہ اس کا رنگ گوبر کے رنگ کے مشابہ ہوتا ہے
حالانکہ اس کا یقین ہوتا ہے کہ شہد ہے گوبر نہیں اور محض رنگ کی مشابہت کوئی چیز نہیں ہے
مگر پھر بھی اس کو کھا نہیں سکتا اور یہ وہم ہی کا اثر ہے جس سے انسان کو بچنا دشوار ہے اسی
طرح ممکن ہے کہ توحید کا یقین کامل ہو اور نام کو بھی شبہ یا شک نہ ہو پھر بھی اسباب کے
اختیار کرنے میں نفس مجبور ہو جائے اور اعتماد کامل جس کا نام توکل ہے حاصل نہ ہو سکے۔

تیسرا رکن: اعمال ہیں۔ جاہلوں کا خیال ہے کہ توکل تو محنت مزدوری اور کسب کے چھوڑ دینے
کا نام ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیکار بن کر بیٹھ جائے اگر بیمار ہو تو دوا علاج نہ کرے بے
سوچے سمجھے اپنے آپ کو خطرات اور ہلاکت میں ڈال دیا کرے کہ کہیں آگ میں گھس جائے اور
کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دیدے تب متوکل کہلائے حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ
ایسا کرنا شرعاً حرام ہے اور شریعت ہی توکل کی خوبیاں بیان کر رہی ہے پھر بھلا جس بات
کو شریعت خود حرام بتائے اسی کی رغبت اور حرص دلائے یہ کیونکر ہو سکتا ہے اصل بات یہ ہے

کہ انسان کی سعی اور کوشش اکثر چار درجہ سے ہوا کرتی ہے یعنی یا تو کسی ایسی نافع چیز
کے حاصل کرنے میں سعی ہوتی ہے جو حاصل نہیں ہے اور یا موجودہ نفع کی حفاظت میں سعی
ہوتی ہے اور یا کسی آنے والے ضرر کے روکنے میں اور یا موجودہ نقصان کے روکنے میں پہلی
صورت جلب منفعت کہلاتی ہے اور اس کے تین سبب ہیں کہ یا تو سبب اختیار کرنے
میں نفع کا حصول یقینی ہو یا اس کا غالب گمان ہو یا محض موہوم ہو یقینی کی
مثال یہ ہے جیسے کوئی شخص بھوکا ہو اور کھانا بھی اس کے سامنے رکھا ہو۔ مگر وہ
ہاتھ نہ بڑھائے اور نوالہ بنا کر منہ تک نہ لے جائے اور کہے کہ میں متوکل ہوں
یا مثلاً بیٹے کا طالب ہو مگر بیوی سے جماع نہ کرے یا غلہ غذا کا خواہاں ہو مگر بیج
کھیت میں نہ ڈالے سو ایسا خیال تو محض جہالت اور دیوالہوسی ہے کیونکہ ان اسباب
پر مسبب کا تفرع یقینی ہے جن کو حق تعالیٰ نے قاعدہ کے طور پر تجویز فرما دیا ہے اور
ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پس اس بات کا اختیار کرنا شرعاً ضروری ہے البتہ
ان اسباب میں توکل کرنے کی دو صورتیں ہیں اول اس کا خیال رکھے کہ طعام اور ہاتھ
خدا کے دیئے ہوئے اور کھانے کی قدرت بھی اسکی عطا کی ہوئی ہے اس طرح بیج اور
کھیتی میں استعداد اسی نے عطا فرمائی ہے۔ اسی طرح بیوی اور نطفہ اور جماع کی طاقت
سب اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ دوم یہ کہ ان اسباب پر بھی دل سے بھروسہ
نہ ہو۔ بلکہ دل سے خالق ہی پر بھروسہ رہے کیونکہ دل سے اسباب پر بھروسہ
کرنا سراسر غلط ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ ابھی ہاتھ پر فالج کا اثر ہو جائے یا مثلاً
کھانا زمین ہی پر گر جائے یا بیج کو کیڑا لگ جائے یا اولہ گر پڑے یا گرمی کھا جائے۔ تو

لہ وہ شے جو مسبب سے ہوتی ہے

مقصود کی صورت بھی نظر نہ آئے۔ الغرض ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھ کر سعی اور کوشش کرنے اور اسباب کے اختیار کرنے میں ہمیں نہ کچھ مضائقہ ہے اور نہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے دوسری حالت مسبب کے سبب پر مرتب ہونے کے متعلق غالب گمان کی تھی مثلاً جنگل کا سفر کرتے وقت توشہ ساتھ رکھنا کہ اگر توشہ نہ لیا جائے تو مرنا یقینی تو نہیں ہے تاہم غالب گمان یہی ہے کہ زادِ راہ کے بغیر جنگلوں کا سفر سبب ہلاکت ہے تو ایسے سبب کا اختیار کرنا بھی خلاف توکل نہیں بلکہ سلف کا طریقہ اور صلحا کا معمول رہا ہے البتہ اعتماد اللہ ہی کے فضل پر ہونا چاہیئے اگر زادِ راہ چوری اور ڈاکہ سے محفوظ اور گلنے سڑنے سے بچا رہے گا اور زندگی قائم رکھ کر اس کے کھانے کی قوت کو بحال رکھے گا تو یہ کھانا استعمال میں آئے گا اور سبب قوت و حیات بنے گا ورنہ کچھ بھی نہیں تیسری حالت موہوم کی ہے مثلاً زیادہ معاش کے حاصل کرنے میں حد سے زیادہ سعی اور دوڑ دھوپ کرنا کہ سعی زیادہ کریں گے تو مال زیادہ ملے گا یہ حالت حرص اور طمع کہلاتی ہے اور اس کی بدولت لبا اوقات مشتبہ مال حاصل کرنے کی نوبت آجاتی ہے اور نیز یہ صورت توکل کے بھی خلاف ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل توکل کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ وہ شہروں میں نہیں رہتے یا کسب و حرفت نہیں کرتے بلکہ یوں فرمایا[1] ہے کہ توکل والے وہ ہیں جو منتر جنتر نہیں پڑھتے اور جانوروں کو داغ نہیں دیتے اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے جن پر مسبب کا مرتب ہونا محض موہوم ہو جیسے منتر پڑھنے اور داغنے سے مرض کا جاتے رہنا

---

[1] مسبب کے سبب پر مرتب ہونیکا یونہی وہم ہو ۱۲ منہ بخاری و مسلم مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے داغ کرنا مسلم وغیرہ سے روایت ہے تو مطلب یہ ہے کہ جائز تو ہے مگر معتبر نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواز بتانے کیلئے کیا تھا

موہوم بات ہے[1] اور جن اسباب سے مسبب کا حاصل ہونا موہوم نہ ہو بلکہ غالب یا یقینی ہو
جیسے سفر میں توشہ رکھنا یا پیٹ بھرنے کے لئے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا اور چبانا وغیرہ
تو یہ توکل کے خلاف نہیں ہے دوسری صورت یعنی آئندہ کے نفع کی سعی اور کوشش کرنا ہے
کہ جس کو تدبیر کہتے ہیں اور منجملہ اسباب تدبیر کے اناج بھر لینا یا آئندہ کے لئے ذخیرہ جمع کر رکھنا
بھی ہے لیکن اگر متوکل کو مال عطا ہوا اور وہ سال بھر یا زیادہ کے لئے ذخیرہ جمع کر رکھتا بھی
ہے لیکن اگر متوکل کو مال عطا ہوا اور وہ سال بھر یا زیادہ کے لئے ذخیرہ جمع کرے تو توکل
جاتا رہے گا اور اگر ایک دن کی خوراک رکھ کر باقی سب بانٹ دے تو توکل میں کامل سمجھا
جائیگا اور اگر چالیس دن کا انتظام کرے تو اس میں اختلاف ہے شیخ سہل تستری یوں ہی فرماتے
ہیں کہ توکل کے خلاف ہے اور بعض دیگر صلحا نے اس کو خلاف توکل نہیں سمجھا البتہ اگر یہ
شخص عیالدار ہو تو جن متعلقین کا نان ونفقہ اس کے ذمہ ضروری ہے ان کے لئے سال
بھر کا ذخیرہ جمع کر لینا خلاف توکل نہیں ہے ایسا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے
بھی کیا ہے[2] کہ ازواج مطہرات کو سال بھر کا نفقہ مرحمت فرما دیا ہے ہاں اپنے نفس کے
لئے ہمیشہ یہ حالت رکھی[3] کہ اگر صبح کو مل گیا تو شام کے لئے جمع کر کے نہ رکھا اور شام کو ملا تو
صبح کے لئے کچھ نہ رکھا اور سال بھر سے زیادہ کا انتظام کرنا تو بی بی بچوں کے لئے بھی توکل
کے خلاف ہے کیونکہ اول تو دوسرے وقت کا انتظام طول امل ہے کہ زندگی کا بھروسہ
گھنٹہ بھر کا بھی نہیں ہے پھر دوسری بھوک کے لئے جمع کرنا کیسا؟ اور یہی وجہ ہے کہ جتنا
کسی کو اس طول امل سے بُعد ہوگا اسی قدر اس کا درجہ بڑھا ہوا ہوگا مگر چونکہ حق تعالیٰ
کی عادت جاریہ یوں قرار پائی ہے کہ ہر سال اپنی مخلوق کے لئے نیا رزق اور نیا دانہ

---

[1] وہمی ۱۲ [2] بخاری ومسلم [3] ترمذی

مرحمت فرماتا ہے لہٰذا ایک عطا سے لے کر دوسری عطا کے وقت تک کے لئے ذخیرہ فراہم رکھنے کی ضرورت عیالداری گنجائش نکل آئی کہ ضعیف لوگوں کا ساتھ ہے کہیں پریشانی لاحق نہ ہو باقی سال بھر سے زیادہ کے لئے جمع کرنا تو نہایت درجہ ضعیف ایمان کی علامت ہے البتہ اثاث البیت[1] یعنی برتن آبخورہ لوٹا وغیرہ چونکہ ہر سال نیا پیدا نہیں ہوتا اور اس کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے لہٰذا اس کے سال بھر سے زیادہ کے لئے ذخیرہ جمع کر لینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ مگر کپڑے کا آئندہ سال کے لئے رکھ چھوڑنا بے شک توکل کے خلاف ہے کیونکہ اس کی ہر وقت ضرورت نہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں کام نہیں دیتا اور گرمی کا کپڑا جاڑے میں بیکار ہے اور اسی بنا پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درویش کی بابت فرمایا کہ قیامت کے دن ایسا اٹھے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا لیکن اس کی عادت یہ تھی کہ جب جاڑا آتا ہے تو گرمی کے کپڑے آئندہ سال یعنی دوسری گرمی کے لئے رکھ چھوڑا کرتا تھا پس اگر یہ عادت نہ ہوتی تو اس کا چہرہ چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح دمکتا تیسری صورت یعنی موجودہ تکلیف یا آنے والے نقصان کے دفع کرنے کی کوشش کرنا ہے مثلاً درندہ کو دیکھ کر بھاگ جانا یا جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے ہٹ جانا کہ گر نہ جائے یا مرض کا علاج کرنا کہ جاتا رہے اور صحت ہو جائے سو اس کے بھی مختلف مراتب ہیں جن کو مذکورہ بالا مضمون پر قیاس کر کے تم خود سمجھ سکتے ہو کیونکہ اسباب پر مسبب کا حصول یا یقینی ہوگا یا بظن غالب یا موہوم اور ہر ایک کا مفصل حال تم کو معلوم ہو چکا ہے پس ہر صورت کا علم معلوم کر لو۔

---

[1] گھر کا سامان [2] قوت القلوب لبند مجبول

فصل: جن لوگوں کی نظر وسیع اور قلب مضبوط و مستحکم ہو اور یقین بڑھا ہوا اور
اور اعتماد قوی ہو سو اُن کو تو یہی زیبا ہے کہ اگلے دن کا بھی ذخیرہ جمع نہ کریں البتہ
ضعیف القلب کو زیبا نہیں کہ ان کی حرص کرے بلکہ اگر ایسی حالت ہو کہ ذخیرہ
فراہم کرنے سے قلب کی پریشانی کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کے لئے اس توکل کو ترک
کرنا اور ذخیرہ مہیا کرنا ضروری ہے تاکہ قلب کو فراغ و سکون حاصل ہو۔ اور
عبادت صحیح ہو سکے کیونکہ طبیعت کے فکر و انتشار میں جس نقصان کا اندیشہ ہے اس
کی اصلاح سب سے مقدم ہے ہاں جن لوگوں کو قوت ایمان و قلبی اطمینان حاصل
ہے ان کو تو زادِ راہ لئے بغیر سفر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سات روز تک بھوک پر صبر اور
گھاس پات پر قناعت کر سکیں کیونکہ گھاس پات تو جنگل میں بھی ملنا غالب
ہے لیکن ضعیف الایمان شخص اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ جس صورت
کو اپنے خیال میں ہلاکت سمجھتا ہے اس میں اپنے قلب کو ڈال رہا ہے اور جان بوجھ
کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے اسی طرح قوی الایمان شخص کو بھی پہاڑ کی کھوہ
میں جا بیٹھنا کہ وہاں نہ گھاس پات ہو نہ کسی بشر کا گذر ہو جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی
جگہ رزق پہنچانا اگرچہ قدرت خدا میں داخل ہے۔ مگر عادت کے خلاف ہے اور اسی لئے
اگر کسی شخص کو ایسی جگہ رزق ملا ہے تو وہ اس کی کرامت کہلائی اور چونکہ بندہ کو زیبا
نہیں ہے کہ آقا کو قدرت کے خلاف کرنے پر مجبور کرے لہذا یہ صورت قوی الایمان
کے لئے جائز نہیں ہے جنگل میں توشہ لئے بغیر سفر کرنا تو اس وجہ سے جائز تھا کہ خدا کی
عادت یوں جاری ہے کہ جنگل گھاس سے خالی نہ ہو اور نیز آدمیوں کا بھی وہاں اکثر
گذر ہوتا رہتا ہے کہ جب قوت الایمان حاصل ہے تو ایسی صورت میں ہلاکت غالب نہیں

لہٰذا معصیت بھی نہیں ہے مگر ویران اور سوکھے پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھنا تو عادت اللہ کے توڑنے کی خواہش کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر معاش کے جلی اور واضح اسباب کی طرف سے توجہ ہٹا کر جنگل کی گھاس پر قناعت کرے اور اللہ کے لطف و حکمت پر بھروسہ رہے تو اولیٰ و انسب ہے۔

محبت

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اللہ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے اور نیک بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تک تمہارے پاس اللہ اور اس کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوگا اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ کی محبت کا مزہ آجاتا ہے اس کو دنیا کی طلب بالکل نہیں رہتی اور وہ آدمیوں سے وحشت کھانے لگتا ہے۔ اہل کلام و فلسفی چونکہ اللہ کی محبت کے معنی نہیں سمجھے اس لئے وہ اس کے منکر ہو کر یوں کہنے لگے کہ جس ذات کا کوئی مثل نہیں ہے۔ اس کو ہماری طبیعت کے ساتھ مناسبت پیدا نہیں ہوسکتی اور نہ ہماری عقل اس کو پورا ادراک کرسکتی ہے لہٰذا اس کے ساتھ محبت کے بجز اس کے کوئی معنی نہیں کہ اس کے احکام کی تعمیل اور ارشاد کی تعمیل کی جائے۔ یہ بے چارے چونکہ حقیقت سے جاہل ہیں ان کا خیال ہے کہ محبت اپنے ہم جنس ہی کے ساتھ ہوسکتی ہے ان کی فہم حقیقت الامر کو معلوم نہ کرسکی ہم اس جگہ مختصر طور پر محبت کی حقیقت بیان کرتے ہیں تاکہ اصل بات معلوم ہوسکے۔

لہ روشن پ۲ ع۱۲ ستمبر ۱۲ ستہ مضمون بخاری و مسلم

جاننا چاہیئے کہ ہر لذیذ چیز انسان کو محبوب ہے اور محبوب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ طبیعت اس کی طرف کھنچتی اور نفس اس کی جانب مائل ہوتا ہے یہی میلان طبیعت بڑھ جاتا ہے تو عشق کہلانے لگتا ہے اسی طرح کسی چیز کے ناپسند اور مبغوض ہونے کے یہ معنی ہیں کہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور دل تکلیف پاتا ہے پس جب یہ سمجھ میں آگیا تو اب غور کرو کہ جتنی چیزیں تم اپنے حواس کے ذریعہ سے ادراک کر سکتے ہو تو وہ تمہاری طبیعت کے موافق ہوں گی اور یا مخالف ہوں گی اور یا ایسی ہوں گی کہ نہ مخالف ہیں نہ موافق پس جو چیزیں طبیعت کے موافق ہیں وہ تو محبوب و لذیذ ہیں اور جو طبیعت کے مخالف ہیں وہ مبغوض و ناگوار ہیں اور جو چیزیں طبیعت کے موافق ہیں نہ مخالف ان میں نہ لذت آتی ہے اور نہ ان سے نفرت ہوتی ہے بلکہ مساوی حالت رہتی ہے اور لذت ہمیشہ ادراک کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے مگر ادراک دو قسم کے ہیں ایک ادراک ظاہری اور ایک ادراک باطنی پس ظاہری ادراک تو حواس خمسہ کے ذریعہ ہوا کرتا ہے مثلاً آنکھ کو کسی حسین اور خوب صورت چیز کے دیکھنے سے لذت آتی ہے اور کان کو موزوں اشعار اور کسی خوش الحان کے گانے اور سریلی آواز کے سننے میں مزہ آتا ہے اور زبان اور ناک میں چکھنے اور سونگھنے کا حس رکھا ہوا ہے مزے دار کھانوں اور خوشبودار پھولوں میں لذت حاصل ہوتی ہے اور تمام بدن کی قوت لامسہ[1] کو نرم اور ملائم اور نازک چیز کے چھونے میں مزہ آتا ہے اور یہی چیزیں نفس کو محبوب ہیں یعنی بالطبع نفس ان کی جانب مائل ہوتا ہے اسی طرح انسان کو ایک چھٹا حاسہ اور بھی مرحمت ہوا ہے جو ادراک باطنی کہلاتا ہے اور اس کی جگہ قلب ہے اس چھٹے حاسہ

---

[1] چھونے سے محسوس کرنے والی قوت۔

کو کبھی عقل کہہ دیتے ہیں کبھی نور اور کبھی چھٹا حاسہ غرض نام جو کچھ بھی ہو مقصود یہ ہے کہ باطنی ادراک بھی حواس ظاہری کی طرح اپنے موافق اور مناسب چیز سے لذت حاصل کرتا ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میری محبوب بنائی گئی ہیں یعنی خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور ظاہر ہے کہ خوشبو سے قوت شامہ کو مزہ آتا ہے اور خوب صورت عورتوں سے قوت باصرہ اور قوت لامسہ کو لذت حاصل ہوتی ہے مگر نماز کی لذت حواس خمسہ ظاہری میں سے کسی حاسہ کو بھی نہیں ہوتی۔ ہاں اس کی لذت اسی چھٹے حاسہ کو آتی ہے جو باطنی ہے اور جس کا مقام قلب ہے اور یہی وجہ ہے کہ جس کا قلب بیکار ہے وہ نماز میں کبھی لذت نہیں پا سکتا اس لذت کا ادراک سلیم القلب شخص ہی کو ہو سکتا ہے اور انسان کی خصوصیت اسی چھٹے حاسہ کی وجہ سے ہے ورنہ حواس ظاہری میں تو تمام حیوان مشترک ہیں چنانچہ جانوروں کو بھی اچھی صورت اور عمدہ آواز اور ذائقہ اور کھانے اور خوشبو سونگھنے اور نازک چیز کے چھونے کی رغبت ہوتی ہے۔ البتہ انسان ظاہری آنکھوں کی بصارت سے حسین عورتوں کی لذت حاصل کرتا ہے بصیرت سے باطنی خوب سیرتی کا مزہ اٹھاتا ہے بشرطیکہ قلب کی آنکھوں میں بینائی بھی ہو مگر شاید تم باطنی خوب سیرتی اور اس کی لذت کو نہ سمجھ سکو کہ کیا چیز ہے لہٰذا میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنے نفس کو ٹٹولو اور دیکھو کہ اس میں انبیاء اولیاء، صحابہ و علماء کی محبت ہے یا نہیں؟ نیز اگر بادشاہ منصف و بہادر اور سخی و عاقل اور اپنی رعیت پر مہربان ہو اور دوسرا ظالم و بزدل بخیل ناسمجھ اور اپنی رعیت کے ساتھ سخت دل اور کڑوے مزاج کا ہو تو ان دونوں میں تمہارا قلب کچھ امتیاز اور فرق کرتا

(حاشیہ: خصوصیات و انسان کا باطنی ادراک سے امتیاز)

لہ نسائی و طبرانی حسن

ہے یا نہیں اگر کرتا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کی جانب تمہارا دل کھینچتا ہے اور دوسری طرف نہیں کھینچتا۔ بلکہ نفرت کرتا ہے اگر غور کرو گے تو سمجھ لوگے کہ یہ وہی باطنی ادراک ہے جو باطنی خوب سیرتی میں لذت پا رہا ہے اسی طرح جس وقت مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت و بہادری یا ظل اللہ حضرت فاروق اعظم رضی کی سیاست و عملداری یا خلیفۃ الحق حضرت صدیق رضی کی سچائی و جاں نثاری کے قصے سنتے ہو تو ایک امنگ اور مسرت اور ان حضرات کی طرف ایک قسم کا ایسا میلان پیدا ہوتا ہے کہ اس کا اظہار نہیں ہو سکتا اس سے زیادہ صاف بات سمجھو تو غور کرو کہ لوگوں کو اپنے مقتدائے مذہب اور صاحب شریعت امام کے ساتھ اتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ جان اور مال کے خرچ کرنے میں ان کو مطلق دریغ نہیں ہوتا حالانکہ ان کی آنکھوں نے ان کی صورت بھی نہیں دیکھی اور اگر دیکھتے بھی تو شائد اتنی محبت نہ ہوتی کیوں کہ آنکھ کی لذت دوسری قسم کی ہے اس لذت میں اور اس لذت میں بہت فرق ہے اور اگر محبت ہوئی تھی تب بھی یہ محبت جوان اوصاف حمیدہ کے ذریعہ سے ہوئی ہے محل گفتگو ہوئی کہ بتاؤ یہ لذت کس حاسہ سے ادراک کی گئی ظاہر ہے کہ یہ وہی چھٹا حاسہ ہے جس کی جگہ دل میں ہے کیونکہ دل ہی تو ہے جس نے ان پیشواؤں میں وہ باتیں پائیں جن سے دل کو لذت حاصل ہوئی ہے تو وہ تین وصف نکلیں گے یعنی علم اور قدرت اور بے عیب ہونا کیونکہ مقتدایان دین کو اللہ اور اس کے رسول اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا علم حاصل ہے اور وہ اللہ کے پیغمبروں کی شریعت کے دقائق اور حقائق سے واقف ہیں دوم انہوں نے خدا کی دی ہوئی قدرت سے کام لیا کہ اپنے

نفس کو مغلوب بنایا نفسانی شہوتوں کو مٹایا اور حق کی سیدھی راہ پر قائم اور جمے رہے
اور نیز لیاقت کو کام میں لا کر خدا کی مخلوق پر قبضہ کیا سیاست وملکی انتظام سے ہزارہا
میل کی آبادی کو زیر فرمان بنایا اور خدا کے برحق دین کی تلقین کر کے لوگوں کو سیدھا
راستہ بتلایا اور نیز عیوب باطنی سے پاک صاف نظر آئے کہ جہالت سے بخل سے حسد
سے کینہ سے اور بغض وعداوت سے غرض تمام بدخلقیوں سے بے عیب اور تمام عمدہ
اور اخلاق حسنہ سے متصف پائے گئے۔ یہی تین اوصاف ہیں، جن کی وجہ سے ان میں وہ
حسن پیدا ہوا جس کو حیوانات نہیں سمجھ سکتے یہ انسان ہی کی خصوصیت ہے کہ
قلب کے چھپے حاسہ سے اس باطن حسن کا ادراک کرنا اور اس میں لذت پاتا ہے
غرض تم کو جب ان اوصاف کی وجہ سے پیشوایان مذہب اماموں کے ساتھ محبت
ہوگئی تو ظاہر ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کمالات بدرجہ اتم موجود ہیں
لہٰذا آپ کی ذات کے ساتھ جو محبت ہوگی وہ دنیا بھر کے علماء وانبیاء سے بڑھی ہوئی ہوگی
اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بنانیوالی اور پیدا کرنیوالی ذات پر نظر ڈالو
جس نے تم پر اپنے احسان فرمائے کہ ہزارہا انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے لئے بھیجے اور پھر
اپنا محبوب بھی تمہاری طرف مبعوث فرمایا یہ بالکل ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام
کے علم وقدرت اور تقدس کو حق تعالیٰ شانہ کے بے پایاں علم اور غیر محصور قدرت
اور اوصاف کمالیہ سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہوسکتی خدا ہی کی ذات ہے جس میں
کوئی عیب نام کو بھی نہیں اور اس کے سوا کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو ہر قسم کے عیب و
نقص سے خالی ہو اگر کسی مخلوق میں کوئی عیب نظر نہ آئے تو عجز واحتیاج اور عبودیت
وغلامی بھی تو بڑا نقص ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں بھی موجود ہے

محبت کے اسباب صرف علم وقدرت اور تقدس ہیں

گیونکہ اس سے مخلوق کا کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں ہے اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ یہ حضرات
تو کھانے پینے کے بھی محتاج تھے نہ کسی کو رزق دے سکتے تھے نہ مار سکتے تھے نہ جلا سکتے
تھے نہ فاعل مختار تھے اور نہ قادر پھر قادر ذوالجلال کی قدرت اور انبیاء علیہم السلام
کی قدرت میں کیا موازنہ ہوسکتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کے علم ازلی پر نظر ڈالو تو ایک
ایک بحر ذخار ہے کہ کہیں اس کا کنارہ ہی نہیں کوئی ذرہ بھی اس کے علم کے احاطہ سے
باہر نہیں نکل سکتا آسمان وزمین عرش وکرسی لوح وقلم شجر وحجر غرض جو شئے خیال
وذہن میں بھی نہیں آسکتی وہ اس علام الغیوب کے علم ازلی میں موجود ہے غرض انبیاء علیہم
السلام میں جو کچھ بھی صفات نظر آتے تھے وہ درحقیقت پرتو اور ظل ہیں صفات خداوندی کا پھر
جب دھوپ کی جانب باوجود اس کے عارضی اور ظل آفتاب ہونے کے تمہارا نفس میلان
کرتا ہے تو اس کے مبداؤ مصدر یعنی آفتاب کی جانب کیوں مائل نہ ہوگا اور
جب مستعار صفات کی جانب سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس قدر محبت
ہے تو مبداء صفات یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ محبت کیوں نہ ہوگی اس پر بھی اگر
تمہاری باطنی بصیرت حق تعالیٰ کے جلال وجمال کا ادراک نہ کرسکے اور عشق نہ پیدا ہو
تو کم سے کم اتنا تو کرو کہ اس کے احسانات وانعامات کو شمار کرو کہ وہ کس قدر ہیں اور
ظاہر ہے کہ تم ان کو ہرگز شمار نہ کرسکو گے تو کیا اس سے گئے گزرے ہو کہ اس کو اپنا محسن
ہی سمجھ کر محبوب سمجھو اور نفس کو اس کی جانب مائل ومتوجہ کرو دنیا کی جس چیز میں بھی
تم کو لذت حاصل ہوتی ہے اس کو سوچو اور غور کرو کہ اس کا دینے والا باقی رکھنے
والا کون ہے ذرا سی توجہ سے معلوم ہوجائے گا کہ کوئی لذت اور کوئی حظ اور کوئی مزہ اور کوئی
نعمت ایسی نہیں ہے جس کو حق تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا شخص دے سکے پھر کیا اپنے محسن

کے ساتھ تم کو محبت نہیں ہوا کرتی اگر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ کے ساتھ اصلی محبت کا ہونا ضروری اور مقدم ہے اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتوں کی طرح تم کو حق تعالیٰ کے ذاتی جلال و جمال کی وجہ سے اس کی محبت نہ ہو تو عام مخلوق کی طرح اسکو اپنا محسن ہی سمجھ کر اس سے محبت کرو کہ اس حدیث کا منشا پورا ہو جائے جس میں جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو بایں وجہ کہ تم کو غذا دیتا ہے اور مجھ سے بایں وجہ کہ حق تعالیٰ مجھ سے محبت فرماتا ہے یہ محض ضعیف اور کم درجے کی محبت ہے کیونکہ احسانات کے کم و بیش ہونے سے محبت بھی کم و بیش ہوتی رہے گی سو اس قسم کی محبت کرنے والا شخص اس غلام کی مثل ہے جو اپنے مطلب کی محبت رکھے اور بایں نیت خدمت کرے کہ مزدوری ملے گی اور اپنا پیٹ بھرے گا اصل اور کامل محبت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان صفات محمودہ اور جلال و جمال کی وجہ سے محبت ہو جس میں اسکی ذات لاشریک ہے اور کوئی اس کا ہم پلہ نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب وحی فرمائی تھی کہ مجھے سب میں زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو میری عطا اور احسان کے بغیر محض حق ربوبیت ادا کرنے کی غرض سے میری عبادت کرے اور زبور میں مسطور ہے کہ اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کی پس اگر میں دوزخ اور جنت کو پیدا نہ کرتا تو کیا عبادت کا مستحق نہ ہوتا؟ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ کا چند ایسے لوگوں پر گذر ہوا جو خلوت میں بیٹھے عبادت کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جنت کی امید رکھتے ہیں اور دوزخ کا ڈر حضرت روح اللہ[2] نے فرمایا کہ تم کو مخلوق ہی کی طمع ہے اور مخلوق ہی کا خوف ہے وائے افسوس کہ خالق کے لئے کچھ بھی نہیں

---

[1] ترمذی و حاکم صحیح ۱۲ [2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ۱۲

آگے جا کر چند دوسرے لوگوں پر گذر ہوا جو خلوت نشین تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو محض خدا کی محبت اور اس کے جلال کی وجہ سے اس کی عبادت کر رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ بے شک تم خدا کے ولی مقرب ہو اور تمہارے ہی پاس بیٹھنے کا مجھ کو امر ہے۔

فصل:- محبت الٰہی کی علامتیں بے شمار ہیں کہ اس کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہاں بعض علامتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے سو منجملہ ان کے یہ ہیں کہ انسان نفس کی خواہش پر اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا اور اس کی تعمیل کو سب کاموں پر مقدم سمجھتا ہے یعنی متقی و پرہیزگار بنتا اور حدود شرعیہ کا ہر وقت لحاظ رکھتا ہے دوم اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہوتا ہے اور موت سے گھبراتا نہیں اور اگر زندگی چاہتا بھی ہے تو محض اسلئے کہ معرفتِ حق جتنی بھی زیادہ حاصل ہو اتنی ہی بہتر ہے تاکہ محبوب کے وصال میں زیادہ لذت حاصل ہو کیونکہ معرفت مشاہدہ جمال کا بیج ہے پس جتنا زیادہ پڑیگا اسی قدر پیداوار بھی زیادہ ہوگی اسی طرح جس قدر معرفت کامل ہوگی اسی قدر مشاہدہ جمال حق میں لذت زیادہ حاصل ہوگی سوم حکم الٰہی اور قضائے قدر پر راضی رہتا ہے کہ گوارہ اور ناگوار جو کچھ بھی پیش آتا ہے اس پر زبان یا دل سے شکوہ نہیں کرتا اب مناسب ہے کہ رضا بر قضا کا بھی کچھ بیان کر دیں تاکہ انسان کو دھوکا نہ ہو اور اس غرہ میں کہ مجھ کو محبت خدا حاصل ہو گئی ہے مغرور ہو کر نہ بیٹھ جائے کیونکہ محبت حق تعالیٰ کا حاصل ہونا کوئی آسان چیز نہیں ہے بلکہ نہایت دشوار ہے

رضا بر قضا

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی شان میں فرمایا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے وہ خدا سے

راضی ہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالے جب کسی بندہ کو محبوب بناتا ہے تو اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے پس اگر وہ صابر بنا رہتا ہے تو اس کو منتخب کرتا ہے اور اگر اس کی قضا پر راضی ہوتا ہے تو اس کو برگزیدہ کرلیتا ہے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم مومنین مسلمین ہیں آپ نے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور راحت پر شکر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں آپ نے فرمایا بخدا تم سچے مومن ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد تم بھی ایک کام کا قصد و ارادہ کرتے ہو اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں مگر ہوتا وہی ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں۔ پس اگر تم میرے ارادہ و مشیت پر راضی رہے اور مطیع و فرماں بردار بنے تب تو میں تمہارے گناہ کی تلافی بھی کروں گا اور تم سے خوش بھی رہوں گا۔ اور اگر میرے ارادہ پر راضی نہ ہوئے تو تم کو مشقت و تکلیف میں ڈالوں گا اور انجام کار ہوگا ضرور وہی جو میں چاہوں گا باقی مفت کی پریشانی تمہارے سر پڑے گی۔

فصل:۔ ایک فرقہ رضا کا منکر ہے اور اس کا خیال جس کو وہ دلیل سمجھے ہوئے ہے یہ ہے کہ جو چیز اپنی خواہش کے خلاف ہوگی اس پر خوش اور راضی ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں البتہ ناگوار پر صبر ضرور ہو سکتا ہے مگر یہ خیال ناسمجھی اور قصور فہم کی علامت ہے یاد رکھو کہ جس طرح وہ لوگ محبت الٰہی کے سمجھنے سے قاصر رہے اسی طرح رضا بر قضا کی صورت کو نہیں سمجھ سکے سو بلا و تکلیف پر راضی ہونا اور خواہش نفس و طبیعت کے

ا یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ فرما دینے اور تقدیر میں لکھ دینے پر راضی ہونا ۲ الغرض یہی تعلیم ہے حاکم صحیح ۱۲۔

خلاف پرجوش ہونا تین وجہ سے ممکن ہے اول دنیا کی مخلوق ہی میں دیکھ لو کہ فرطِ محبت اور جوشِ شوق میں انسان کو اکثر تکلیف اور درد محسوس نہیں ہوا کرتا چنانچہ معشوق مارتا ہے مگر اس کو تکلیف نہیں ہوتی اور محبت کا درجہ تو بلند ہے انسان کی حالت غلبہ شہوت اور غصہ کے جوش میں بھی ایسی ہو جاتی ہے کہ بدن پر زخم آ جاتا اور سر پھٹ جاتا ہے خون بہنے لگتا اور جسم لہولہان ہو جاتا ہے مگر اس وقت کچھ تکلیف بھی نہیں ہوتی اسی طرح تم نے اپنی حالت پر کبھی نظر ڈالی ہو گی کہ جس وقت کسی مرغوب چیز کی ہوس اور شوق میں محو و مستغرق چلے جا رہے ہو اور کانٹا چبھ جائے تو اس وقت اس کا درد یا کرب محسوس نہیں ہوتا ہاں جب غصہ رفع اور شوق ختم ہو جاتا ہے مثلاً مرغوب شئے مل جاتی یا اس کے حصول میں یاس و ناامیدی ہو جاتی ہے تو اس وقت چوٹ اور کانٹا چبھنے کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے پس جب ذرا سی محبت میں یہ حالت ہوتی ہے کہ تکلیف محسوس نہیں ہونے پاتی تو زیادہ محبت میں تو کسی بڑی تکلیف کا بھی احساس نہ ہوگا اور جب یہ حالت دنیا میں موجود ہے کہ خون اور گوشت سے بنے ہوئے اس انسان کے عشق میں یہ حالت ہے۔ کہ جس کے پیٹ کے اندر نجاست بھری ہوئی ہے اور صورت کی ناپائدار معمولی خوبی نے اتنا اثر پیدا کر دیا ہے کہ آنکھوں کی بینائی بھی اس قدر غلطی کرنے لگی کہ ناگوار چیز گوارا بن گئی اور بدصورت شئے خوبصورت نظر آنے لگی اور عیوب محاسن بن کر خوبیاں دکھائی دینے لگے تو حضرت جل جلالہ کے جمال ازلی کا عاشق اگر ناگوار کو گوارا اور ناپسند کو پسند کرنے لگے تو کیا بعید ہے حالانکہ قلب کی بصیرت آنکھوں کی بصارت سے ہر طرح مقدم اور اولیٰ ہے اسی بنا پر حضرت جنید بغدادیؒ نے شیخ سری سقطیؒ

سے دریافت فرمایا کہ کیا محب کو بھی بلا کی تکلیف ہوتی ہے شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں اگر ستر مرتبہ بھی تلوار سے مارا جائے تب بھی تکلیف نہ ہو ایک عارف فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کے سبب مجھے اس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز سے محبت ہے یہاں تک کہ اگر دوزخ کو وہ محبوب بنائے تو میں دوزخ میں ہی جانا محبوب سمجھوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت کی وجہ سے آگ میں جلنے کی بھی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ میرے لئے کوئی خوشی باقی نہیں رہی ہاں اگر ہے تو بس حق تعالیٰ کے قضا و قدر پر راضی ہونا رہ گیا ہے جو مجھ کو ہر وقت حاصل ہے ایک صوفی کا حال لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کا چھوٹا بچہ تین دن تک گم رہا ان سے کہا گیا۔ کہ اگر آپ دعا مانگتے تو حق تعالیٰ بچہ کو لوٹا دیتا اور گم شدگی کی یہ کلفت نہ اٹھانی پڑتی۔ انہوں نے جواب دیا کہ بچہ کے گم ہونے سے زیادہ تکلیف میرے لئے یہ تھی کہ میں حق تعالےٰ پر اس کے حکم میں اعتراض کرتا۔ دوسری وجہ قضا پر راضی ہونے کی یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہو مگر چونکہ عقل نے ان کو بہتر انجام یعنی ملنے والے اجر و ثواب پر مطلع کر دیا ہے اس لئے طبیعت اس تکلیف کو بلا کلفت گوارا کرتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کے لئے تلخ دوا بتائے یا فصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا اور فصد کھلوانا تکلیف کی باتیں ہیں۔ مگر چونکہ اس کے ساتھ ہی اس کے عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے لہٰذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتانے والے طبیب سے راضی اور خوش بلکہ اس کا احسان مند و ممنون رہتا ہے اسی طرح سوداگر اپنے سفر تجارت کی گونا گوں صعوبتوں اور مشقتوں پر راضی ہوتا ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ طبیعت اس تکلیف کو ناگوار

سمجھتی ہے مگر چونکہ عقل نے اس مشقت کا اچھا نتیجہ وانجام سمجھا دیا ہے اسی لئے وہ ناگواری رضاؤ رغبت سے بدل جاتی ہے۔ پس جب دنیا کے ناپائیدار فائدوں کی یہ حالت ہے کہ ان کی وجہ سے مشقت معلوم نہیں ہوتی تو اُخروی سعادت کے حاصل کرنے میں بلا تکلیف اور خلاف طبع مصیبتوں پر راضی ہونے سے کیوں تعجب ہوتا ہے ایک بار سا عورت کو ایک مرتبہ ٹھوکر لگی اور پاؤں کا ناخن کٹ کر گر پڑا اس تکلیف سے ہائے واویلا مچانے کی بجائے یہ نیک بی بی مسرور ہوئی اور ہنسی لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا تم کو تکلیف محسوس نہیں ہوئی عورت نے جواب دیا کہ چوٹ لگنے پر جو اجر آخرت میں ملے گا اسکی حلاوت نے تکلیف کی تلخی کو چاٹ لیا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالی کی طرف سے اجر مرحمت ہوگا اور ہر مصیبت اور صدمہ پر اس قدر ثواب عطا ہوگا جس کے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو وہ تکلیفوں پر ضرور مسرور اور شاداں ہوگا۔

تیسری وجہ قضا پر راضی ہونے کی یہ ہے کہ حق تعالے کے معاملات میں عجیب عجیب رموز واسرار مخفی ہیں اور ہر واقعہ عجیبہ وحادثہ جدیدہ میں ایک کیا بیسیوں لطائف مستور ہیں جن پر آگاہ ہونا صاحبان بصیرت ہی کا منصب ہے پس ان مصلحتوں اور لطیفوں پر نظر کرنے سے تکلیف تکلیف معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس عالم فانی میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جس کو جاہل واحمق شخص تشویش واضطراب سمجھے ہوئے ہے اور تعجب کرتا ہے اس کو صاحبانِ بصیرت سمجھ جاتے ہیں کہ یہ تعجب ایسا ہی ہے جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہ کر ان واقعات کا تعجب ہوا تھا جس کا مفصل قصہ سورۂ کہف

یں مذکور ہے کہ دونوں ایک کشتی میں بیٹھے تو حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ پھاڑ دیا موسیٰ تعجب کے ساتھ اعتراض کرنے لگے کہ زیادتی کیوں کی؟ پھر آگے چلے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک نابالغ لڑکے کو مار ڈالا اس پر بھی موسیٰ علیہ السلام نے تعجب کے ساتھ اعتراض کیا یہ معصوم بچہ کا خون کرنا کب جائز ہے؟ پھر آگے چلے اور ایک بستی میں پہنچے کہ وہاں کے رہنے والوں نے ان کے کھانے تک کی تو خبر نہ لی صبح ہونے پر دونوں اس قصبہ میں نکلے ایک دیوار نظر پڑی جو جھکی کھڑی تھی حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو سیدھا کر دیا موسیٰ علیہ السلام کو پھر تعجب ہوا کہ یہی بے مروت قوم کے ساتھ جس نے مسافروں کے خورد و نوش کی بھی خبر نہ لی مفت احسان نہ کرنا چاہیئے تھا غرض جب تین مرتبہ اعتراض ہو چکا تب حسب قرار داد حضرت خضر علیہ السلام سے مفارقت ہو گئی۔

یہ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ان واقعات پر تعجب کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ ان اسرار و رموز سے واقف نہ تھے جو ان واقعات میں مخفی تھے چنانچہ جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کا ان واقعات سے مطلع کر دیا کہ کشتی غریب ملاحوں کی تھی اور بادشاہ وقت ظلماً صحیح و سالم کشتیوں کو ضبط کر رہا تھا لہٰذا میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ مسکینوں کی صورت معاش ضبط نہ ہو جائے اور وہ نابالغ بچہ جس کو میں نے قتل کیا فطرتاً بد دین پیدا ہوا تھا اور غالب اندیشہ تھا کہ بالغ ہو کر اپنے مسلمان ماں باپ کو گمراہ کرے گا کہ وہ شفقت مادری و پدری کی وجہ سے اس کے خلاف نہ کر سکیں گے لہٰذا اس کا کام تمام کر دیا تاکہ اس کے بدلے میں صابر ماں باپ کو دوسری اولاد سے جو صالح و سعید ہو اور ذریعہ آخرت بنے اور دیوار وہ یتیم بچوں کی تھی جن کا نیک بخت باپ اس دیوار کے نیچے خزانہ دبا کر چھوڑ گیا اور اس کو خدا کے حوالے کر کے مر گیا تھا لہٰذا

حضرت خضر علیہ السلام کے افعال کا راز

اس کو میں نے سیدھا کر دیا تاکہ بالغ ہو کر اپنا مال قبضہ میں لائیں اور دیوار گر جانے سے خزانہ ظاہر ہو کر حقداروں کے علاوہ دوسروں کے ہاتھ نہ لگنے پائے پس اس وقت موسیٰ کا تعجب رفع ہو گیا اسی طرح ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انہوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا جس پر اسباب لادتے تھے اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دے کر صبح ہی سب کو جگا دیا کرتا تھا اللہ کی شان کہ ایک دن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گئی ان کی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ جاتا رہا شیخ نے فرمایا کہ رو مت اسی میں بہتری ہوگی اس کے بعد بھیڑیا آیا اور گدھے کو مار گیا اس وقت بھی رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا کہ اسی میں خیریت تھی رونے کی کوئی بات نہیں اس کے بعد دفعتاً کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو اس وقت شیخ نے پھر بھی فرمایا کہ غم نہ کرو اسی میں بھلائی تھی۔ بار بار یہ سن کر بیوی کو تعجب ہوا کہ صریح نقصان ہو رہا ہے اور خاوند بھلائی بھلائی پکار رہا ہے غرض صبح ہوئی تو دفعتہً غنیم کا ایک لشکر میدان میں لوٹنے کے لئے آپڑا اور ان کو جتنے بھی گھروں کا پتہ چلا سب کو لوٹ لیا اور بجز ان بزرگ اور ان کی بیوی کے سب ہی کو گرفتار اور باندی غلام بنا کر لے گئے اور دشمن کی فوج کو مکانوں کا پتہ نشان اس سے چلا کہ کسی کے دروازہ کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا۔ اور کسی کا مرغ اپنی بانگ بلند کر رہا تھا۔ اس وقت ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھا کہ اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب آج یہی جانور بن گئے پس خدا کا کتنا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مر گئے اگر آج وہ زندہ ہوتے تو ہم بھی دوسروں کی طرح دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہوتے۔ ایک نبی کسی پہاڑ

کی کھوہ میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے تھے اور پہاڑ کے قریب ہی چشمہ تھا جس پر اکثر اوقات پیاسوں کی آمد و رفت رہتی تھی ایک مرتبہ ایک سوار آیا اور اس نے نقدی کی ہمیانی کمر سے کھول کر زمین پر رکھدی اور پانی پینے لگا اس کے بعد وہاں سے چلا گیا اور تھیلی وہیں بھول گیا تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور تھیلی کو وہاں پڑا دیکھ کر اس کو اٹھالیا اور لیکر چل دیا اس کے ایک غریب مزدور سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے آیا اور گٹھا زمین پر ڈال کر آرام لینے کے لئے چشمہ کے کنارے بیٹھ گیا اتنے میں وہ سوار جس کی تھیلی رہ گئی تھی گھبرایا ہوا آیا اور تھیلی کو نہ پایا اس نے ادھر ادھر دیکھا جب کوئی آدمی نظر نہ آیا تو اس بیچارے مزدور کے سر ہو گیا ہر چند اس نے انکار کیا کہ میں نے تھیلی کو دیکھا بھی نہیں مگر سوار کو یقین نہ آیا یہاں تک کہ اس نے میان سے تلوار نکالی اور غریب مزدور کی گردن اڑادی اس کے بعد پشت پھیری اور چلا گیا۔

یہ حال دیکھ کر پیغمبر نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ بار الٰہا تیرا یہ واقعہ بھی کتنا عجیب ہے کہ تھیلی کس نے لی اور مارا گیا کوئی۔ حکم ہوا کہ تم اپنا کام کرو تمہیں ہمارے ملکوتی اسرار میں دخل دینے کی حاجت نہیں بات یہ ہے کہ اس مزدور نے اس سوار کے باپ کو مارا تھا لہٰذا آج اس کا قصاص لیا گیا کہ مقتول کے بیٹے نے اپنے باپ کے قاتل کو مار دیا اور اس سوار کے باپ نے ایک مرتبہ اس شخص کے مال میں سے جو تھیلی لے گیا ہے ایک ہزار دینار لے لئے تھے لہٰذا آج اس کی تلافی کی گئی کہ لینے والے شخص کی بیراث ہی سے ایک ہزار دینار کی تھیلی اس کو دلا دی گئی غرض مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسرار کونیہ پر ایمان لائے ہوئے ہے وہ حق تعالٰی کے احکام قضا و قدر پر ہرگز تعجب نہ کرے گا۔ اپنے تعجب پر تعجب ہو گا کہ شاہنشاہی مصلحتوں کے راز نہ سمجھنے پر

غلام کو تعجب کیوں ہوا؟

فصل:- شاید تم یہ کہو کہ کافر اور عاصی جو کفر و معصیت کر رہے ہیں۔ وہ بھی خدا ہی کے حکم و ارادہ سے کر رہے ہیں تو ان افعال پر راضی ہونے کے کیا معنی ہوں گے جب کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور کافر و عاصی کو مبغوض سمجھنا بغض فی اللہ میں داخل ہے جو شرعاً محمود ہے اس لئے ہم تم کو رضا بر قضا کا مطلب سمجھاتے ہیں تاکہ خلجان باقی نہ رہے کہ امر بالمعروف فرض ہے اور اس کا چھوڑنا رضا بر قضا نہیں کہلایا جا سکتا۔ کیونکہ رضا اور کراہت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دو متضاد چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں ظاہر ہے کہ جس کام کو تم ناگوار اور برا سمجھو گے اس سے نفرت ضرور کرو گے اور جس کو اچھا سمجھو گے ضرور اس سے خوش ہو گے اور ناگواری و خوشی دونوں ایک کام پر ایک حیثیت سے ہرگز نہیں ہو سکتیں البتہ دو اعتبار سے ہو سکتی ہیں مثلاً ایک شخص تمہارا دشمن ہوا اور تمہارے دشمن کا بھی دشمن ہو تو اس کو قتل کرنا اس اعتبار سے گوارہ اور پسند ہو گا کہ وہ تمہارا دشمن ہے مگر اس اعتبار سے ناگوارا اور ناپسند ہو گا کہ وہ تمہارے دشمن کا بھی دشمن ہے کیونکہ دشمن کے دشمن کی زندگی بھی مطلوب ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی دشمنی کی وجہ سے تمہارے دشمن کو نقصان پہنچاتا رہے اسی طرح کفر و معصیت میں بھی دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے کیونکہ خدا کے حکم بغیر ذرہ بھی نہیں ہل سکتا پس اس اعتبار سے تو اس کو قضا اور تقدیر کہتے ہیں اور اس حیثیت سے اس پر ناگواری بھی نہ ہونی چاہیئے بلکہ رضا ہونی چاہیئے کہ حق تعالیٰ کا جو کام بھی ہے وہ مصلحت سے ہے البتہ اس معصیت میں دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ کفر و معصیت کافر اور عاصی شخص

رضا بر قضا کا صحیح مطلب [illegible]

کا عمل اور کسب ہے اور جو حق تعالیٰ کے دشمن اور نافرمان ہونیکی علامت ہے۔
پس اس اغنیا سے بیشک ناگواری و بغض ہونا چاہیئے کیونکہ حق تعالیٰ نے تم کو حکم دیا
ہے کہ جس بندہ پر ہماری مخالفت کی علامتیں دیکھا کرو تو اس سے بغض رکھا کرو پس
خدا کے حکم کی تعمیل کرنا اور کافر سے بغض رکھنا بھی حق تعالیٰ کے حکم پر ہوا اسکو مثال ایسی
سمجھو کہ مثلاً تمہارا پیارا معشوق تم سے کہے کہ میں تمہارے عشق و محبت کا امتحان
لوں گا اپنے غلام کو مجبور کروں گا کہ وہ مجھ کو گالی دے اور پھر اس کو مار دوں گا کہ مجھے
گالی کیوں دی تو جو شخص میرے اس غلام سے بغض رکھے گا اس کو اپنا محب اور
عاشق صادق سمجھوں گا اب فرض کرو کہ ایسا ہی ہو یعنی غلام نے تمہارے سامنے تمہارے
محبوب کو گالی دی اب تم ہی بتاؤ کہ اس غلام سے تم محبت رکھو گے یا بغض و
عداوت اور جس وقت اس کی زبان سے محبوب کو گالیاں دیتے ہوئے سنو گے تو
راضی ہو گے یا ناراض ظاہر بات ہے کہ گالیاں تو اس وجہ سے ناگوار ہی گزریں گی کہ
ان سے تمہارے محبوب کی بات کا ہتک ہوتا ہے اور کسی شخص کو ایسا کرنا تمہارے
معشوق کے دشمن ہونے کی علامت ہے اور محبوب کا دشمن کہ جس پر دشمنی کی علامتیں
بھی موجود ہوں بے شک بغض اور عداوت ہی کے قابل ہے مگر اس اغنیا سے
کہ یہ تمہارے ہی محبوب کی تدبیر سابق کے موافق ظہور ہو رہا ہے کیوں کہ جو کچھ غلام
سے صادر ہوا ہے وہ محبوب ہی کے ارادہ و قصد سے صادر ہوا ہے کچھ بھی ناگواری نہ
ہو گی بلکہ محبوب کی قدرت کا یقین ہو گا کہ اس نے اپنے غلاموں سے جو بھی کام
لینا چاہا لے لیا حتیٰ کہ اپنی محسن ذات کے لیے اپنے ادنیٰ غلاموں کی زبان سے گالیاں
نکلوانی چاہیں تو اس میں بھی کسی کو سرتابی اور حکم کی مخالفت و عصیان کی مجال نہ

سو وہ اسی طرح کافر کا کفر سمجھو کہ چونکہ حق تعالیٰ ہی کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے لہٰذا اس اعتبار سے تو ناگوار گذرنے کا سبب ہو نہیں سکتا مگر اس کے ساتھ ہی چونکہ حق تعالیٰ کی رضا اس پر نہیں ہے بلکہ کفر کرنا خدا کے دشمن اور مبغوض ہونے کی علامت ہے لہٰذا اس اعتبار سے تو...... ناگوار گذرے گا اسی وجہ سے اس کو نصیحت بھی کی جاتی ہے اور تبلیغ حق بھی کی جاتی ہے کیونکہ اپنے حقیقی محبوب کا دشمن اپنا ہی دشمن معلوم ہوا کرتا ہے اسی طرح رضا بر قضا کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ دعا کا مانگنا بھی چھوڑ دو اور تیر انداز نے جو تیر تمہاری طرف پھینکا ہے باوجود یکہ اس کو ڈھال پر روک سکتے ہو مگر اس کو نہ روکو اور اپنے بدن پر لگنے دو اور یوں سمجھو کہ قضا پر راضی رہنا چاہیئے ایسا سمجھنا بھی جہالت اور خام خیالی ہے کیونکہ دعا مانگنے اور شر سے حفاظت و تدبیر کرنے کا تو شرعاً حکم ہے اور محبوب کے حکم سے سرتابی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہاں رضا بر قضا کے معنی یہی ہیں کہ حق تعالےٰ نے کسی شئے کے حاصل ہونے کے لیے جو اسباب مقرر فرما دیئے ہیں ان کو اختیار کرو تاکہ محبوب تمہیں اپنے انتظام کا پابند دیکھ کر تم سے راضی ہو کہ اگر اسباب کا اختیار کرنا چھوڑ دو گے تو محبوب کے مخالف اور رضائے محبوب کے دشمن کہلاؤ گے مثلاً کوئی پیاسا آدمی پانی پائے مگر اس کی جانب ہاتھ نہ بڑھائے اور یوں گمان کرے کہ میں تو پیاس پر راضی ہوں کیونکہ پیاس حق تعالےٰ کے حکم اور قضا و قدر سے ہے اور قضا پر راضی رہنا چاہیئے تو یہ شخص بے وقوف کہلائے گا اور اس کو سمجھا جائے گا۔ کہ حق تعالےٰ کے مقرر کئے ہوئے اسباب اور عادیات جاریہ میں رخنہ ڈالنا ہے یا حدود شریف سے باہر نکلنا چاہتا ہے تو نے جو کچھ سمجھا ہے یہ تو رضا کے ہرگز معنی نہیں ہیں رضا کے

تو صرف یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ پر ظاہر و باطن اور زبان یا دل دونوں میں سے کوئی بھی کسی حالت پر اعتراض نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی اس کے حکم کی بھی تعمیل ہو اور جو انتظام اس نے عالم کے لئے تجویز فرما دیا ہے اس سے باہر نہ نکلے بلکہ شرعی احکام کا پورا پابند ہو اور جس طرح حق تعالیٰ کی مرضی ہے اس کو حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد نہ کرے مثلاً جب دعا کا حکم ہوا ہے تو ضروری ہے کہ اس کی ہوا ور خشوع و خضوع اور قلب میں رقت کا اثر آئے اور وہ لیاقت و استعداد حاصل ہو جس کی وجہ سے قلب پر انوار و تجلیات کا ورود ہو سکے اسی طرح اسباب کو بھی اختیار کیا جائے تاکہ مسبب حاصل ہو البتہ اگر سبب کے بعد بھی مسبب حاصل نہ ہو تو نہ کوئی خلجان پیدا ہونا چاہیئے اور نہ رنجیدہ ہونا چاہیئے بلکہ راضی رہے اور یوں سمجھے کہ سبب تو فی الحقیقت مؤثر تھا نہیں اور حق تعالیٰ کا ارادہ یوں تھا کہ یہ مسبب مجھ کو حاصل نہ ہو پس مجھ کو قضا و قدر خداوندی پر راضی رہنا چاہیئے لہٰذا اگر وہ شئی با وجود وسائل و اسباب اختیار کرنے کے بھی حاصل نہیں ہوئی تو یہ میرے حزن و غم یا شکوہ و شکایت کا باعث نہیں ہو سکتا۔

فکرِ موت

یہ نو مقامات جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں سب ایک مرتبہ میں نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض تو مقصود بالذات ہیں جیسے مقام رضا و محبت اور بعض مقصود بالغیر[1] ہیں مثلاً توبہ و خوف اور صبر و زہد کیونکہ مقصود در حقیقت قرب خداوندی ہے اور یہ تمام مقامات راہ قرب کے معین ہیں خود قرب نہیں ہیں کیونکہ قرب تو معرفت اور

[1] خود ہی مقصود نہیں۔ کسی اور کی وجہ سے ہیں ۱۲

محبت سے حاصل ہوتا ہے اور معرفت و محبت بھی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ غیر اللہ کی محبت قطع نہ کر دی جائے اور غیر اللہ کی محبت خوف و صبر اور زہد و توبہ کے ذریعہ ہی سے قطع ہو سکتی ہے لہٰذا ان کی بھی ضرورت ہوئی اور چونکہ منجملہ ان امور کے جن سے قرب حق میں اعانت حاصل ہوتی ہے موت کو یاد رکھنا بھی ہے لہٰذا اس کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہوا کیونکہ موت کے ذکر سے دنیا کی محبت قلب سے جاتی رہتی ہے اور جب یہ علاقہ قطع ہوگا تو حق تعالیٰ کی محبت حاصل ہو گی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم سے مل کر رہے گی رسول مقبول صلی اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں[1] کہ لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں[2] کہ میں نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حشر کے دن شہداء کے ساتھ اور بھی کوئی اٹھے گا آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ شخص جو رات دن میں بیس مرتبہ موت کو یاد کر لیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[3] کہ " موت کے برابر کوئی واعظ نہیں ہے یعنی نصیحت کرنے کو تو موت ہی کافی ہے اور اگر جانوروں کو موت کا اتنا علم ہو جتنا کہ بنی آدم کو ہے تو کوئی فربہ جانور کھانے کو نہ ملے[4] میں تم میں دو واعظ چھوڑے جاتا ہوں ایک واعظ ساکت یعنی موت دوسرا ناطق یعنی قرآن مجید[5] "

موت بڑی ہولناک چیز ہے اور موت کے بعد کے واقعات اس سے زیادہ خوفناک ہیں اور ان کا ذکر کرنا اور یاد رکھنا دنیا کو منغص[6] بناتا ہے اور اس دار ناپائدار

---

[1] ترمذی و حاکم صحیح [2] طبرانی مگر روایت حماد والی صحیح ہے اور یہ عائشہؓ والی صحیح نہیں ۱۲ [3] طبرانی [4] بیہقی ۱۲ [5] ملی نہیں [6] مکدر ۱۲

کی محبت کو دل سے نکال لینا ہے اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ بنیاد ہے پس جب قلب کو دنیا سے نفرت ہو گئی تو سب کچھ مل گیا اور دنیا سے نفرت اس وقت ہو گی جب کہ موت کا فکر اور خیال ہو گا کہ عنقریب ہم پر کیا آفت آنیوالی ہے۔ اور فکر کا طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت خلوت میں بیٹھ کر سارے خیالات کو دل سے نکال دو اور قلب کو بالکل خالی کر کے توجہ اور عزم کے ساتھ موت کا دھیان کیا کرو اول اپنے ان دوستوں اور اعزہ و اقارب کا تصور کرو جو دنیا سے گذر گئے اور یکے بعد دیگرے ایک ایک کا دھیان کرنے جاؤ کہ یہ صورتیں کہاں چلی گئیں یہ لوگ کیسی کیسی امیدیں اپنے ساتھ لے گئے حرص و امل نے ان میں اپنا کتنا زور دکھایا؟ جاہ و مال کی کیا کچھ تمنائیں اور آرزوئیں ان کے دلوں میں رہیں مگر آج وہ سب خاک میں مل گئے اور منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں کہ کوئی شخص ان کا کبھی نام بھی نہیں لیتا اس کے بعد مرنے والوں کے بدن اور جسم کا دھیان کرو کہ کیسے حسین اور نازک بدن تھے مگر پارہ پارہ ہو گئے گل گئے سڑ گئے پھٹ گئے اور کیڑے مکوڑوں کی غذا بن گئے اس کے بعد ان کے اعضاء اور جوارح میں سے ایک ایک عضو کا دھیان کرو کہ وہ زبان کیا ہوئی جو کسی وقت چپ ہونا جانتی ہی نہیں تھی وہ ہاتھ کہاں گئے جو حرکت کیا کرتے تھے دیکھنے والی آنکھیں اور ان کے خوبصورت حلقے کس کیڑے کی خوراک بن گئے غرض اسی طرح دھیان کرو گے تو سعید بن جاؤ گے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سعید وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے افسوس کہ ہم موت جیسی ہولناک چیز سے غافل ہیں اس زمین پر کہ ہم جسے پاؤں سے روند رہے ہیں ہم سے پہلے سینکڑوں آئے اور چل دیئے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ یہیں رہیں گے موت کا خطرناک سفر درپیش ہے

مگر ہمیں کچھ پرواہ نہیں طول امل نے اس قدر غفلت پیدا کر رکھی ہے اگر یہ جہالت رفع ہو تو موت کا دھیان آئے اسی لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو نصیحت فرمائی تھی کہ صبح ہو تو شام کا فکر نہ کرو اور شام ہو تو صبح کا خیال نہ لاؤ اور دنیا میں آئے ہو تو زندگی میں موت کا سامان اور تندرستی میں موت کا فکر کرو کیونکہ اے عبداللہ کیا خبر ہے کل کو تمہارا کیا نام ہو گا یعنی زندہ ہو گا یا مردہ جس شئے کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں اس کی فکر تو ہر وقت ہونی چاہیئے پس اپنی امیدوں پر خاک ڈالو اور آرزوؤں کو گھٹنے نہ دو خدا جانے گھنٹہ بھر میں کیا ہوتا ہے حضرت اسامہ نے سو دینار میں دو مہینہ کے وعدہ پر ایک کنیز خریدی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسامہ کی حالت پر تعجب کرو کہ زندگی کا بھروسہ ایک دن کا بھی نہیں اور دو مہینہ کے وعدہ پر کنیز خریدی ہے یہی طول امل ہے خدا کی قسم ہے کہ میں تو لقمہ منہ میں رکھتا ہوں اور یقین نہیں آتا کہ حلق سے نیچے اترے گا ممکن ہے کہ نوالہ کے کھاتے ہی اچھو پڑ جائے پھندا لگ جائے اور دم نکل جائے لوگو اگر تمہیں عقل ہو تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ جو کچھ وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور جو آنے والا ہے وہ بہت قریب ہے اگر تم کو جنت میں داخل ہونے کی خواہش ہو تو دنیا کی لاطائل امیدوں کو کم کرو اور موت کو ہر وقت پیش نظر رکھو اور اللہ سے شرماؤ جیسا کہ شرمانے کا حق ہے انشاء اللہ تعالیٰ جنت میں داخل ہو جاؤ گے خاتمہ

طول امل سے بچو اور موت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو

۱؎ ترمذی ۱۲ ۔ ۲؎ ابن ابی الدنیا ۱۲

ہم نے جو کچھ اب تک بیان کیا ہے اس میں ہم تم کو بیدار اور متنبہ کر چکے اور اللہ کی جانب چلنے کا شوق دلا چکے پس اگر اب بھی کان نہ لگاؤ گے یا ایسا سنو گے جیسا کہ قصے کہانیاں سنا کرتے ہو تو اپنا ہی کچھ کھوو گے کسی کا کیا نقصان کرو گے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون جس کو پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی گئی اور اس نے منہ پھیر لیا اور بھول گیا کہ فردائے قیامت کے لئے کیا بھیجا؟ اور اگر توجہ کے ساتھ سنو گے اور دل سے کان لگاؤ گے تو بیشک نفع پاؤ گے اور جو چیزیں صراط مستقیم سے روکے ہوئے ہیں ان کو چھوڑ دو گے۔ یاد رکھو کہ سلوک سے روکنے والی چیز دنیا کی محبت ہے اسی نے خدا کی طرف سے غفلت پیدا کر رکھی ہے اور کبھی قیامت اور حشر کو یاد نہیں آنے دیتی لہٰذا اگر روزانہ صبح کی نماز کے بعد جو کہ صفائی ذہن اور معدہ کے خالی ہونے کا وقت ہے چند منٹ تنہا بیٹھ کر اپنی حالت پر غور کیا کرو اور ابتدا و انتہا مبدأ[1] و معاد کو سوچا کرو اور نفس سے حساب لیا کرو تو بہت نفع ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ نفس کو خطاب کر کے کہا کرو کہ اے نفس میں مسافر ہوں تاجر ہوں ابدی سعادت اور اللہ جل جلالہٗ کا قرب میرا منافع ہے اور دائمی بدبختی اور حق تعالیٰ سے حجاب میرا خسارہ ہے اور میری عمر میرا راس المال[2] ہے کہ ہر سانس ایک بیش قیمت جواہر اور گویا بھرپور خزانہ ہے جس سے ابدی سعادت حاصل ہو سکتی ہے اور جب عمر پوری ہو گئی تو تجارت ختم ہو گئی اور مایوس ہونا پڑیگا آج کا دن میری تجارت کا دن ہے اور حق تعالیٰ نے مجھے فرصت دی ہے کہ اگر چاہوں تو تجارت میں نفع اٹھاؤں اگر حق تعالیٰ مجھے دنیا سے اٹھا لیتا تو خواہش کرتا کہ کاش دنیا میں لوٹا دیا جاؤں اور ایک دن مجھے نصیب ہو جائے کہ کوئی نیک عمل کر لوں

---

[1] ابتدا و انتہا ۱۲ - [2] پونجی جس سے تجارت شروع کی جائے ۱۲

(محاسبۂ نفس اور اس کی تفصیل)

اے نفس وہ دن آج کا ہے جو تجھ کو خدا کی طرف سے مہلت کا عطا ہوا ہے اب
تو اپنا وعدہ پورا کر اور دیکھ کہ کیا کر رہا ہے اگر اس مہلت کو تو نے غنیمت سمجھا اور آج کا کام
کل پر نہ رکھا تو آج کی تجارت کا منافع تجھ کو مل گیا اور حسرت نہ ہوئی اور اگر تو کل بھی زندہ رہے
تو پھر یہی خیال کر غرض جب تک زندہ ہے اس وقت تک ہر دن کو نیا سمجھ اور خدا کے
عفو سے دھوکا مت کھا کیونکہ یہ تیرا گمان ہی گمان ہے ممکن ہے کہ غلط نکلے حق تعالیٰ کی
معافی کچھ ضروری یا تیرا فرض نہیں ہے جس کا مطالبہ اور ایفاء وعدہ لازمی ہو اور اگر مطابق
ہوئی تب بھی نیکو کار بندوں کے ثواب سے تو محروم ہی رہے گا اور مرے پیچھے اگر حسرت
کریگا تو اس سے کیا نفع ہوگا جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا "کام گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں" ایک
ایک سانس غنیمت اور بے بہا موتی ہے اس کے بعد اگر نفس پوچھے کہ اچھا بتاؤ کیا عمل کروں
اور کیونکر وقت کی قدر کروں تو اس کا جواب دے کہ جو چیز موت کی وجہ سے جدا ہو جانے والی
ہے اس کو چھوڑ دے اور جو تیرے پائدار رہے اور کسی وقت بھی تیرا ساتھ نہ چھوڑے
گی اس پر قبضہ کر یعنی اللہ جل جلالہٗ کی معرفت حاصل کر اور خدا کی یاد سے مانوس
ہو پھر اگر نفس کہے کہ بھلا دنیا کس طرح چھوٹ سکتی ہے اس کے تعلقات تو قلب میں
مضبوط و مستحکم ہو گئے اور ان کا ٹوٹنا دشوار ہے تو اس کو جواب دے کہ قلب ہی
کے اندر سے دنیا کے تعلقات کاٹ دے اور تلاش کر کہ دنیا کا کون تعلق مستحکم ہے
پس اس کی اول جڑ کاٹ یعنی اگر مال کی محبت زیادہ ہے تو اس کو نکال اور جاہ کی طلب
قوی ہے تو اس کو چھوڑ دسوں مہلک امراض کی تشریح اور علاج بیان ہو چکا ہے ان
کو دیکھ اور خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھ کر مستعد ہو جا کمر باندھ آمادہ ہو اور جس چیز
کی نفس کو خواہش ہو اس کے خلاف کر پھر دیکھ کہ خلاصی ملتی ہے یا نہیں۔ اے نفس تو

بیمار ہے اور عمر تیرے پرہیز کا زمانہ ہے اور روحانی حاذق طبیب یعنی پیغمبر نے جن کی
راستی و سچائی سے تو بھی آگاہ ہے یوں فرمایا ہے کہ ذائقہ اور لذتیں تجھ کو مضر ہیں اور
کڑوی دوائیں تیرے لئے نافع اور مفید ہیں کیا تجھ سے سفر کی مصیبتیں اس امید پر برداشت
نہیں ہو سکتیں کہ منزل پر پہنچ کر آرام نصیب ہوگا پس اگر راستہ کی تکلیف سے اکتاتا
ہے تو باور کھ کہ قافلہ نکل جائیگا اور تو جنگل میں پڑا رہے گا کہ یا تو کوئی درندہ تجھ کو پھاڑ
کھائے گا اور یا یوں ہی بھٹکتا ہوا ہلاک ہو جائے گا۔ اے نفس بتا تو سہی کہ تجھے دنیا
میں کس چیز سے رغبت ہے پس اگر تو مال چاہتا ہے تو مان لے کہ اچھا وہ مل بھی گیا۔
اور تو بڑا مالدار اور متمول سیٹھ بن بھی گیا مگر پھر کیا اگر تو نظر اٹھا کر دیکھے گا تو بہتیرے یہودی
اور عیسائی ایسے ملیں گے جن کے پاس تجھ سے زیادہ مال موجود ہوگا اور اگر عزت وجاہ
کا طلبگار ہے تو اچھا فرض کرلے کہ یہ طلب ٹھکانے لگی۔ اور تجھے عزت وجاہ حاصل بھی
ہوئی مگر اس کا انجام اور حاصل کیا ہے اگر آنکھیں کھول کر دیکھے گا تو سینکڑوں
احمق اور جاہل کافر اور اللہ کے نافرمان اور ذلیل اور کمینے بندوں کو ایسے حال میں دیکھے
گا کہ ان کی عزت دنیا میں تجھ سے زیادہ ہو رہی ہے ان میں بہتیرے لوگ ایسے منصب
حکومت اور مسند جلال وسطوت پر بیٹھے نظر آئیں گے جو تجھ کو بھی قید کر کے جیلخانے
پہنچا سکتے ہیں پس اے نفس اگر ان آفتوں اور مصیبتوں سے نہیں گھبراتا جو عزت وجاہ
کے حاصل کرنے میں اٹھانی پڑتی ہیں اور ان بلاؤں سے بھی نہیں ڈرتا جو عزت حاصل
ہونے کے بعد سر پر پڑا کرتی ہیں تو ان ذلیل اور کمینے شریکوں ہی کا خیال کر کہ کیسے کمتر
لوگوں کا ساجھی ہونا چاہتا ہے کیا ایسی بے وقعت اور حقیر چیز بھی حاصل کرنے کے قابل
ہے جس کو ہر خسیس سے خسیس اور رذیل سے رذیل شخص بھی حاصل کر سکتا ہے بلکہ

حاصل کیے ہوئے اور اتنے حاصل کئے ہوئے ہے کہ اگر پچاس برس بھی کوشش کریگا
تو تجھ کو نصیب ہوگا اور اے نفس اگر تو دنیا سے اعراض کر کے آخرت کی جانب متوجہ ہوگا
تو یاد رکھ کہ یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ بن جائے گا تیرا ثانی ہفت اقلیم میں بھی نہ مل
سکے گا پس اے نفس اب تو ہی بتا کہ کیا چیز حاصل کرنے کے قابل ہے۔ اے نفس خوب
یاد رکھ کہ تجھ سے زیادہ تیرا خیرخواہ کوئی نہیں ہے تو کسی کے کہنے یا سننے پر نہ جا بلکہ دنیا اور
دین دونوں کے انجام اور نتیجہ میں خود غور کر کے جواب دے کہ تیری رغبت کس چیز میں ہے اسی
طرح اگر تم اپنے نفس سے مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہو گے تو ایک دن یہ نفس تمہارا مطیع بن
جائیگا اور تم کو راہ مستقیم پر لے چلے گا پس اگر تم عقلمند ہو تو سمجھ لو کہ یہ نفس کے ساتھ مباحثہ کرنا
بدعتیوں اور معتزلہ بلکہ دنیا بھر کے تمام مذاہب باطلہ کے ساتھ مناظرہ کرنے کی بہ نسبت
زیادہ ضروری اور مہتم بالشان ہے کیونکہ دوسروں کی غلطیاں اور خطائیں نہیں کچھ بھی نقصان
پہنچانے والی نہیں ہیں اور اپنی خطاو غلطی کا ضرر اپنے ہی اوپر وبال ہے کہ اس کا بھگتان
تم ہی کو بھگتنا ہے پس پہلو میں بیٹھے ہوئے اور خون کے پیاسے دشمن کو سب سے پہلے قتل کرنا
چاہیئے اور جب اس سے نجات مل کر اطمینان حاصل ہو جائے تب دوسروں کی خبر لینی مناسب
ہے تعجب ہے کہ اس دشمن کی جانب کبھی توجہ نہیں ہوتی بلکہ یہ جو کچھ بھی مانگتا ہے وہی اس کو
دیا جاتا ہے اور جو بھی یہ حکم دیتا ہے فوراً اس کی تعمیل کی جاتی ہے اس کی درخواستوں کے
کے منظور اور خواہشوں کے پورا کرنے میں غور و فکر کے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں اور حیلوں
اور تدبیروں سے کام لیا جاتا ہے۔ بھلا سوچو تو سہی اگر کوئی شخص اپنے دامن کے نیچے زہریلا
کالا سانپ چھپائے بیٹھا ہو، جو پھنکار مار رہا ہو اور اس کے ڈسنے اور ہلاک کرنے کی
ٹوہ میں لگا ہو مگر یہ شخص اس کی تو پرواہ نہ کرے اور دوسرے شخص کے منہ سے مکھیاں

اڑانے اور پنکھا جھلنے میں مشغول رہے تو اس سے زیادہ احمق اور بیوقوف کون ہو سکتا ہے؟ یہی تمہارا حال ہے کہ دوسروں کے ساتھ مباحثہ کرنے والے اور غیروں کے سیدھے رستہ پر لانے کی فکر میں سرگرم ہو مگر اپنے نفس امارہ کے ساتھ مناظرہ کرنے اور اس تباہ کرنے والے خنزیر دشمن دین و ایمان کو زیر کرنے کی جانب مطلق توجہ نہیں کرتے خوب سمجھ لو کہ جب تک نفس کے ساتھ ایک عرصہ دراز تک اس طرح مباحثہ نہ رکھو گے اس وقت تک یہ کبھی سیدھا نہ ہوگا اور جب تک یہ سیدھا نہ ہوگا اس وقت تک نہ تم سے اللہ کی یاد ہو سکے گی اور نہ مناجات میں لذت آئے گی سلوک کی طرف توجہ ہوگی اور نہ صراط مستقیم پر چلنے کی فکر ہوگی لہذا اس مناظرہ کو اپنے اوپر واجب و فرض سمجھو اور اکثر نفس کے ساتھ یہ مباحثہ شروع کر دیا کرو اور جب نفس تمہاری مخالفت کرے تو اس کو ڈانٹو جھڑکو اور ایسی سزا دو جو کارگر اور بااثر ہو کیونکہ نفس کی خاصیت کتے سی ہے کہ جب تک مار نہ کھلائے گا اس وقت تک ادب نہ پائے گا پھر اگر تم کو نفس کے ساتھ مناظرہ کرنے کی خواہش ہو تو احیاء العلوم کی کتاب المحاسبہ والمراقبہ دیکھو کہ اس مختصر کتاب میں ان ابواب کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے محبوب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے مجھے اور تمہیں اپنی بے شمار عطاؤں سے ڈھانپ لے اور کرم و فضل فرمائے جن باتوں کا اس نے ہم کو علم عطا فرمایا ہے اس پر عمل کی توفیق بخشنے اور جو کچھ ہم نے پڑھا یا سنا ہے اس کو حال بنا دے کہ اصل کیفیت اپنے نفس پر گذری ہوئی دیکھ لیں - آمین یا رب العالمین -